ZEE HORROR SHOW

مانویانہ مانو سے منتخب خوفناک تحریریں

کمسن بدروح

PDFBOOKSFREE.PK

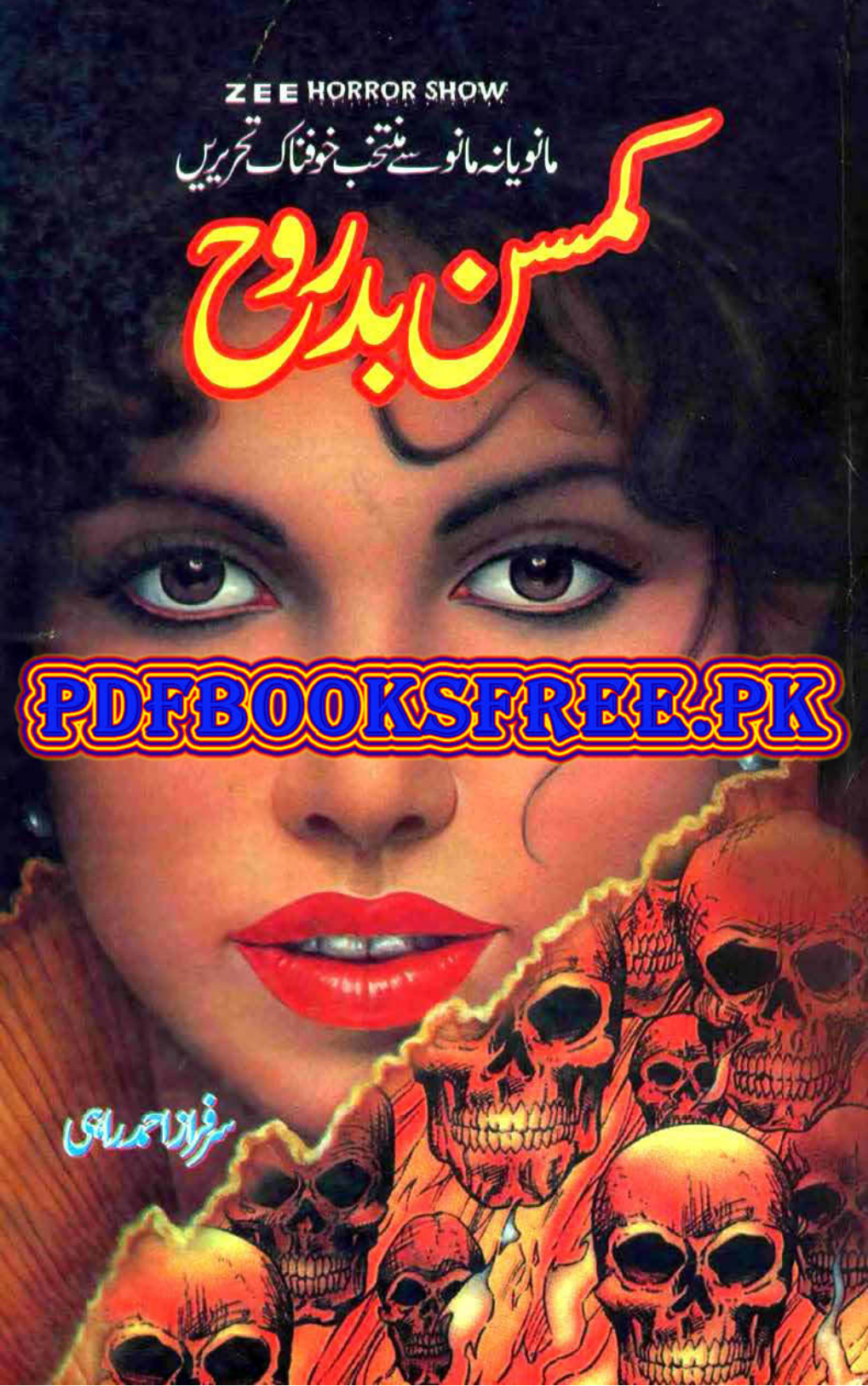

سرفراز احمد راہی

فہرست

کمسن بدرُوح 5
ایگزارسسٹ کے نام سے اِس کہانی پر دُنیا کی خوفناک ترین فلم بن چکی ہے۔

ناگ کی دُشمنی 34
اُس زہریلے ناگ نے ایک جوان لڑکی کو ڈس لیا تھا پھر وہ اُسے ڈسنے کے لئے ہر روز آنے لگا۔ حیرت انگیز واقعات سے لبریز ایک اچھوتی کہانی۔

لاش کہاں گئی؟ 43
آج بھی لارڈ ہربرٹ کی موت دُنیا بھر کے لئے ایک معمہ ہے اُس کی لاش تابوت سے غائب ہوگئی تھی۔

پہچان 49
وہ مجھے ویمپائر کی نشانیاں بتا رہا تھا۔ جب وہ خاموش ہوا تو میں نے اُس سے پوچھا کیا ویمپائر کی آنکھیں میرے جیسی تھیں اور وہ دہشت کے مارے گنگ ہو کر رہ گیا۔

ناگ نگر 64
وہ عجیب قسم کے سبز ناگ تھے اُن کے جسم سے نکلنے والا زہر فوراً ہی ایک نئے سبز سانپ کی شکل اختیار کر لیتا تھا۔

قبر میں ملاقات 70
میرا خیال ہے کہ جب میں مروں گا تو گرین میری قبر میں مجھ سے ملاقات کرنے ضرور آئے گا لیکن یہ کون جانے کہ میں کب مروں گا۔

سو سال پہلے 102
وہ ایک فنکار تھا اور پُرانے تمباکو کا رسیا۔ ایک دن وہ ایک نایاب تمباکو کے کش لگاتے ہوئے ایک حسینہ سے ملا مگر وہ حسینہ سو سال پہلے کی دُنیا سے تعلق رکھتی تھی۔

ناشر : رانا اکبر
پرنٹرز : قدرت اللہ پرنٹرز لاہور
قیمت : 100-00 روپے
☆.....☆.....☆
سٹاکسٹ :
یونس بک ڈپو
راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وعدہ 120
وہ مرنے کے بعد ہی اپنے خاوند کے علاوہ کسی دوسرے سے تعلق جوڑ سکتی تھی یہ اُس کا وعدہ تھا۔ اپنا وعدہ نبھانے کے لئے اُس نے ایک عجیب راستہ اختیار کیا۔

سائیں 130
ایک بدنامِ زمانہ ڈاکو کا قصہ۔ وہ بھیس بدلنے کا ماہر تھا۔

بے گناہ 138
ایک تتلی پر ہونے والے ظلم کی داستان۔ اُس نے ایک بے نشان قتل کی نشاندہی کر دی تھی۔

بے قرار ماں 151
اُس کا بچہ ایک بند دکان کے اندر زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اُسے محفوظ ہاتھوں میں سونپنے کے لئے وہ عدم سے لوٹ آئی تھی۔

سُکھیا کی بیٹی 175
وہ بڑے بھائی کے بعد چھوٹے بھائی کی جان لینا چاہتی تھی۔ مگر اِس کے لئے اُس نے ایک لذت آمیز اور پُرکشش طریقہ اپنایا تھا۔

سانپ بیٹا 193
ایک سانپ کی کہانی۔ جس نے اپنی انسان بہن کے ساتھ ایک انسان ماں کے پیٹ سے جنم لیا تھا۔ وہ اُس کی شادی پر اُسے ایک نایاب تحفہ دینے آیا تھا۔

☆.....☆.....☆

مکمسن بدرُوح

شمالی عراق کے ایک علاقہ میں ماہرین آثار قدیمہ نے جب قدیم ادوار کے کھنڈرات کی نشاندہی کی تو اس علاقہ کی کھدائی شروع ہو گئی۔ چند ہی دنوں کی کاوشوں کے بعد مکانات کے کھنڈرات کے نشانات ملنے شروع ہو گئے۔ ان کھنڈرات میں جو چیز سب سے نمایاں طور پر سامنے آئی وہ ایک معبد خانہ تھا جس کا مینار ایک انسان نما گنبد جیسا تھا جس کے ہاتھوں کی جگہ دو بڑے دیوہیکل پر بنے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ ابھی تک کوئی ایسی چیز برآمد نہیں ہوئی تھی جو قدیم تہذیب کی نشاندہی کر سکے اس لئے مزید کھدائی جاری تھی۔

سورج غروب ہو رہا تھا۔ مزدور ابھی تک کھدائی میں مصروف تھے۔ نہ صرف مزدور بلکہ ماہرین بھی ممکنہ جگہوں کا جائزہ لے رہے تھے۔ ان ماہرین میں پروفیسر جیکب بھی تھا' جو اپنی جوانی کو پیچھے چھوڑ آیا تھا لیکن اس پیرانہ سالی میں بھی پرجوش تھا۔ وہ ایک دیوار کا بغور معائنہ کر رہا تھا کہ ایک بدو لڑکا تیزی سے دوڑتا ہوا اس کے پاس پہنچا۔

"سر ایک غار برآمد ہوا ہے۔" لڑکے نے پھولی ہوئی سانس کے درمیان عربی میں پروفیسر کو اطلاع دی۔

کچھ ہی دیر بعد پروفیسر اس غار کا معائنہ کر رہا تھا۔ چونکہ غار کے قریب ابھی کھدائی مکمل نہیں ہوئی تھی اس لئے کوئی رائے قائم کرنا قبل از وقت تھا۔ غار کا دہانہ دو فٹ سے زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ پروفیسر غار کے اندر ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا کہ یکایک اس کی نظر ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر پڑی۔ اس نے فوراً" ہی بیلچے کی مدد سے اسے کھینچ لیا اور بڑی احتیاط کے ساتھ اس سے مٹی علیحدہ کی تو اندر سے ایک دھات کا سکہ برآمد ہوا۔ اس وقت سورج غروب ہو چکا تھا۔ مساجد سے مغرب کی اذان کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ تاہم ابھی اتنی روشنی باقی تھی کہ اس سکے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر کندہ تصویر صاف طور پر نظر آ سکتی تھی۔ وہ تصویر معبد خانہ کے گنبد پر بنی ہوئی تصویر سے مشابہ تھی۔ پروفیسر کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر سکہ اپنی جیب میں ڈال لیا۔ اگلے روز اس نے کئی مقامی ماہرین سے رابطہ قائم کیا لیکن اس تصویر کے بارے میں کوئی بھی حتمی رائے نہیں دے سکا۔

☆○☆

کیٹس اپنی بچیوں کے ہمراہ جارج ٹاؤن کے ایک خوب صورت علاقہ میں رہائش پذیر تھی۔ بڑی لڑکی کی عمر بارہ سال سے تجاوز کر چکی تھی جبکہ چھوٹی لڑکی شیرون نویں سال میں داخل ہو چکی تھی۔ وہ شوبزنس سے منسلک ہونے کے باوجود بھی اپنی مصروفیت صرف اس حد تک رکھتی کہ بچیوں کی دیکھ بھال میں اثر انداز نہ ہو سکے حالانکہ گھر میں ڈرائیور کے علاوہ ایک خادمہ بھی موجود تھی جس نے گھر کی دیکھ بھال پر کبھی کوتاہی نہیں کی اور نہ ہی کیٹس کو کبھی اس سے کوئی شکایت ہوئی لیکن باوجود اس کے وہ گھر کے معاملات میں خاص طور پر بچیوں کے معاملہ میں ہر چیز کا خود خیال رکھتی۔ شیرون کچھ شرارتی بھی تھی۔ ادھر کئی دنوں سے اس کا بدن بھی کچھ فربہ ہوتا جا رہا تھا۔ ڈاکٹروں نے تاکید کی تھی کہ شوگر سے شیرون کو دور رکھا جائے لیکن مشکل یہ تھا کہ شیرون کو میٹھی چیزیں ازحد پسند تھیں۔ وہ اسے حاصل کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی۔

کئی سال قبل کیٹس نے اپنے شوہر سے اختلافات کی بنا پر علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ پھر مکمل طور پر قطع تعلق کر لیا لیکن اس نے اپنی شفقت اور محبت سے بچیوں کو باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔ شیرون تو باپ کو کسی حد تک بھول چکی تھی۔ ہاں اس کی بڑی بچی کے دل میں باپ کے لئے کبھی ہوک ضرور اٹھتی تھی۔ اس نے کئی دفعہ اپنی ماں سے والد کے بارے میں ذکر بھی کیا لیکن کیٹس بڑی خوبصورتی سے بات ٹال جاتی۔ وہ اپنے شوہر کی ہر یاد کو اپنے ذہن سے کھرچ کر پھینک چکی تھی اور اس کی خواہش تھی کہ بچے بھی اپنے باپ کو بھول جائیں۔ وہ ایک باہمت عورت تھی یہی وجہ تھی کہ شوہر کی غیرموجودگی میں بھی زمانہ کے بہاؤ میں وہ اور لوگوں کے ساتھ شانے سے شانہ ملا کر چل رہی تھی۔ اسے اپنے آپ پر

مکمل اعتماد تھا۔ اسی لئے اس نے شوہر سے علیحدگی کے بعد بھی کسی کا ہاتھ پکڑنا گوارا نہیں کیا اور یہی اعتماد وہ اپنی بچیوں میں بھی پیدا کرنا چاہ رہی تھی۔

ایک رات جب کیٹس گہری نیند سو رہی تھی کہ ایک آواز سے اس کی نیند ٹوٹ گئی۔ بیداری کی حالت میں بھی اسے وہ آواز واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وقفے وقفے سے کوئی چیز اس کے مکان کے اوپری حصے پر گر رہی ہو۔ وہ خوفزدہ ہونے کے بجائے اس آواز کی محرکات کا پتا کرنے چل پڑی۔ اس نے اپنے بدن پر گون پہنا اور کمرے سے باہر آ گئی۔ بڑی لڑکی پچھلے حصے میں ڈرائنگ روم سے منسلک کمرے میں سوئی تھی جبکہ پہلی منزل پر اس کی چھوٹی لڑکی شیرون کا کمرہ تھا۔ خود اس کا کمرہ زیریں حصے میں تھا۔ وہ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپری منزل پر پہنچ گئی۔ آہستہ سے شیرون کے کمرہ کا دروازہ کھولا تو سرد ہواؤں نے اس کا استقبال کیا۔ اس نے سردی سے کانپتے ہوئے بجلی روشن کی اور کھڑکی کی طرف بڑھی کیونکہ کھڑکی کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے جہاں سے یخ بستہ ہوائیں کمرہ میں داخل ہو رہی تھیں۔ کیٹس کھڑکی بند کرنے کے بعد زیرلب شیرون کو برا بھلا کہنے لگی کیونکہ اس کی بے پروائی کی وجہ سے نہ صرف کھڑکی کھلی رہ گئی بلکہ سرد ہواؤں کے باوجود وہ بغیر کمبل کے اپنے بستر پر سمٹی پڑی ہوئی تھی جبکہ اس کا کمبل ایک طرف پڑا ہوا تھا۔ کیٹس نے کمبل اٹھا کر شیرون پر اچھی طرح ڈال دیا۔ پھر کچھ دیر کھڑی شیرون کی طرف دیکھتی رہی اور واپسی کے لئے مڑی۔ وہ آواز جس نے اسے بیدار ہونے پر مجبور کر دیا تھا اب بند ہو چکی تھی اس لئے وہ اطمینان سے لائٹ آف کرنے کے بعد کمرے سے باہر نکل آئی اور آہستگی سے شیرون کے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔

لیکن دوسری رات پھر اس کی نیند ٹوٹ گئی۔ اس بیداری کی وجہ بھی انجانی آواز ہی تھی لیکن آج اس پر کچھ جھلاہٹ سوار ہونے لگی۔ اسے شیرون پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ غالباً آج بھی اس کی بے احتیاطی کی وجہ سے کھڑکی کھلی رہ گئی تھی۔ اس جھلاہٹ کے عالم میں جب وہ شیرون کے کمرہ میں پہنچی تو کھڑکی کھلی نظر آئی۔ گذشتہ روز کی طرح آج بھی سرد ہوائیں کمرے میں گشت کر رہی تھیں جبکہ شیرون

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بغیر کمبل کے اپنے بستر پر محو خواب تھی۔

کیٹس، شیرون کے کمرے کی کھڑکی بند کرنے اور اسے کمبل اڑھانے کے بعد جب اس کے کمرے سے باہر آئی تو اسے وہی آوز دوبارہ سنائی دی پھر متواتر اس آواز کی گونج بڑھتی گئی لیکن اس آواز کا مخزن سٹور تھا۔ کیٹس نے کچھ دیر تو غور کیا آخر کار اس آواز کی وجوہات جاننے کے لئے اس نے سٹک سے دوچھتی کا ڈھکن نما دروازہ اٹھا دیا۔ دروازہ کھلنے کے بعد سٹک ہی کی مدد سے اس نے فولڈنگ سیڑھی بھی کھینچ لی۔ اب وہ سٹور میں داخل ہونے کے لئے مکمل طور پر تیار تھی لیکن سیڑھی پر چڑھنے سے پہلے اس نے بلب روشن کرنے کے لئے جب بٹن دبایا تو بلب نے جلنے سے انکار کر دیا۔ آواز مسلسل آ رہی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی چیز وقفے وقفے سے گر رہی ہے یا کبھی یوں محسوس ہوتا کہ گھسٹ رہی ہے لیکن یہ آوازیں کیٹس کو خوفزدہ کرنے میں ناکام رہیں۔

کچھ ہی دیر بعد کیٹس موم بتی لئے اسٹور میں ان آوازوں کا سراغ ڈھونڈ رہی تھی۔ آوازیں اب بھی آ رہی تھیں لیکن اب درمیانی وقفہ کچھ بڑھ گیا تھا۔ کیٹس چاروں طرف گھوم پھر کر دیکھتی رہی لیکن وہ یہ سمجھنے سے قاصر رہی کہ یہ آوازیں کیوں اور کہاں سے آ رہی ہیں کیونکہ موم بتی کی روشنی پورے سٹور کا اندھیرا دور کرنے میں ناکام رہی تھی۔ کچھ دیر بعد آوازیں معدوم ہو گئیں۔ کیٹس کو کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ وہ الجھی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے واپس آ گئی۔ اس نے سوچا کہ دن کی روشنی میں سٹور کا جائزہ لے گی اور بلب بھی تبدیل کرا دے گی لیکن دوسرے دن مصروفیت کے باعث یہ بات اس کے ذہن سے نکل گئی کیونکہ رات کے کھانے پر چند دوستوں کو بلا رکھا تھا۔ اس لئے گھر پہنچتے ہی خادمہ کو ہدایات دینے اور دوسری ضروریات میں مشغول ہو گئی۔

شام کو مہمانوں کی آمد سے پہلے کیٹس نے شیرون کو ہدایت کر دی کہ وہ خود باورچی خانہ میں کھانے سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں چلی جائے۔

شیرون کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ڈرائنگ روم کے دروازے کی آڑ لے کر مہمانوں کو خوش گپیوں میں مصروف دیکھتی رہی۔ اس کی شدید خواہش تھی

کہ وہ بھی مہمانوں کے ساتھ اس تفریح سے لطف اندوز ہو لیکن ساتھ ہی ساتھ اسے ماں کی ہدایت بھی یاد تھی اس لئے وہ خاموشی سے مڑی۔ اپنے کمرے میں جا کر شب خوابی کا لباس تبدیل کیا اور بستر پر دراز ہو گئی۔

کھانے پینے سے فارغ ہو کر مہمان اور میزبان کچھ دیر تو خوش گپیاں کرتے رہے پھر سارے مہمان مل کر پیانو پر ایک مزاحیہ گیت گانے لگے۔ یکایک سبھی لوگوں کی آوازیں تھم گئیں۔ اس کے ساتھ ہی سب کی نظریں اوپر اٹھیں، جہاں شیرون اپنے شب خوابی کے لباس میں کھڑی خاموشی سے ان لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس وقت اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ آنکھوں میں سرخ ڈورے تیر رہے تھے۔ وہ ساکت اپنی جگہ پر کھڑی تھی۔ کچھ دیر خاموشی سے دیکھنے کے بعد اس نے ماں کو مخاطب کیا۔

"میں یہاں آ گئی ہوں۔" شیرون کا لہجہ نہایت ہی سنجیدہ تھا ساتھ ہی ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ نیند میں بول رہی ہو۔ اپنے جملے کے اختتام پر اس نے وہیں کھڑے کھڑے پیشاب کرنا شروع کر دیا۔

کیٹس کے ساتھ سبھی لوگ حیرت سے شیرون کو دیکھ رہے تھے۔ وہ سب حیران تھے کہ شیرون سے یہ حرکت کس طرح سرزد ہو رہی تھی۔ وہ اپنی عمر کی اس حد کو بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی جہاں اس بات کی تمیز نہ ہو۔ سب سے زیادہ حیرانی کیٹس کو تھی۔ مہمانوں کے سامنے وہ خجالت بھی محسوس کر رہی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے جذبات پر قابو رکھا پھر وہ مہمانوں کے پاس سے اٹھی اور شیرون کے قریب پہنچ کر اسے مخاطب کیا۔

"میرے ساتھ آؤ شیرون۔" اس کی آواز لرز رہی تھی۔

کیٹس، شیرون کو لے کر اس کے کمرے میں چلی آئی۔ شیرون کے کمرے سے ملحقہ غسل خانہ میں شیرون کو غسل کرایا پھر اس کے کپڑے تبدیل کئے اور بستر پر لٹا کر احتیاط سے لحاف اڑھانے کے بعد واپسی کے لئے مڑی۔

"ماں۔ مجھے کیا ہوا ہے؟" شیرون کی آواز بہت کمزور تھی جیسے وہ برسوں سے بیمار چلی آ رہی ہو۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"گھبراؤ مت ہنی۔" کیٹس نے دوبارہ اس کی طرف مڑتے ہوئے جواب دیا۔ "معمولی بیماری ہے جیسا کہ ڈاکٹر نے کہا ہے تم جلد ہی ٹھیک ہو جاؤ گی۔"

دوسری صبح جب کیٹس بیدار ہوئی تو خادمہ اس قالین کی دھلائی کر رہی تھی۔ رات اس کے ذہن پر کافی بوجھ رہا تھا اس لئے نیند بھی پوری طرح نہیں آ سکی تھی۔ اس نے خادمہ سے شیرون کے متعلق دریافت کیا لیکن اس کے جواب سے پہلے ہی شیرون کی دل دہلا دینے والی چیخ سنائی دی اور پھر چیخوں میں متواتر اضافہ ہوتا چلا گیا۔

کیٹس سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی شیرون کے کمرے کی طرف لپکی۔ جب وہ اس کے کمرے میں داخل ہوئی تو اوسان خطا ہو گئے۔ جو کچھ بھی اس نے دیکھا وہ اسے خوفزدہ کرنے کے لئے بہت کافی تھا۔ شیرون اپنے بستر پر بری طرح اچھل رہی تھی بلکہ اس کا بیڈ بھی بری طرح ہل رہا تھا۔ شیرون کے خوف زدہ ہونے کی وجہ بھی یہی تھی۔ کیٹس نے بستر پر چھلانگ لگائی اور شیرون کو اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ کچھ دیر کے بعد بیڈ اپنی جگہ پر ساکت ہو گیا لیکن کیٹس کچھ زیادہ ہی متفکر ہو گئی۔

دوسرے دن کیٹس ڈرائنگ روم میں فکرمند بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کی پھول سی بچی کو کون سی بیماری لاحق ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر شیرون کے کمرے میں اس کا معائنہ کر رہا تھا۔ ابھی وہ سوچوں میں غرق تھی کہ ڈاکٹر شیرون کا معائنہ کرنے کے بعد واپس ڈرائنگ روم میں داخل ہوا۔ ڈاکٹر کو دیکھتے ہی کیٹس بے چینی سے کھڑی ہو گئی۔

"میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ شیرون کے دماغی سسٹم میں کچھ فرق آ گیا ہے لیکن ابھی میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جب تک کہ اس کے مختلف ٹیسٹ نہ لے لئے جائیں لیکن یہ ساری علامات خلیوں میں فرق آ جانے کے باعث ہیں۔" ڈاکٹر نے پرسکون لہجہ میں کیٹس کو مخاطب کرتے ہوئے جواب دیا۔

"ڈاکٹر۔ آپ اپنی حتمی رائے کیوں نہیں دیتے۔" کیٹس نے ڈاکٹر کے چہرہ کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"میں اپنی حتمی رائے مختلف ٹیسٹ لینے کے بعد ہی دے سکوں گا۔ اگر آپ

اجازت دیں تو شیرون کو ہسپتال لے جایا جائے۔"

"میری طرف سے اجازت ہے۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ میری بچی ٹھیک ہو جائے۔" کیٹس نے جلدی سے جواب دیا۔

کیٹس نے شیرون کو ہسپتال پہنچانے پر دیر نہیں کی۔ وہاں اس کے دماغ کے ہر زاویے سے ایکسرے لئے گئے۔ مختلف قسم کے ٹیسٹ سے بھی گزارا گیا۔ اس کے بعد ماہرین نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ دے دیا کہ شیرون کے دماغی خلیے اپنی جگہ پر بالکل ٹھیک کام کر رہے ہیں اور وہ دماغی طور پر صحتمند ہے۔

شیرون کو ہسپتال سے رخصت کر دیا گیا لیکن اس کی ساری رپورٹس روک لی گئیں تاکہ مزید تجزیہ کیا جا سکے۔ شاید کوئی ایسی بات سمجھ میں آ جائے جو اب تک نظروں سے پوشیدہ رہی ہو۔ یہی وجہ تھی کہ میز پر اور ایکسرے اسکرین پر شیرون کے تمام ایکسرے اور رپورٹس موجود تھیں اور میز کے گرد ماہرین کھڑے اپنی رائے کا اظہار کر رہے تھے لیکن ابھی تک کوئی بھی اس کے مرض کو نہیں سمجھ سکا تھا۔ اسی وقت فون پر انہیں اطلاع ملی کہ شیرون کو دوبارہ دورہ پڑا ہے۔

ڈاکٹر جس وقت کمرے میں داخل ہوئے' شیرون کے منہ سے خوف زدہ چیخیں نکل رہی تھیں اور وہ مشینی انداز میں بستر پر اچھل رہی تھی۔ شیرون کے اس مشینی عمل کو دیکھ کر ڈاکٹروں کے پاؤں دروازے پر جم سے گئے۔ شیرون کی دلدوز چیخوں سے کمرہ گونج رہا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ سخت اذیت سے دوچار ہے۔ یکایک شیرون کی اوازوں میں تبدیلی شروع ہو گئی۔ اب اس کے منہ سے مردانہ اور کرخت آواز نکلنی شروع ہو گئی۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں چڑھ گئیں۔ پھر یکایک وہ بستر پر گھٹنے ٹیک کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے غراتے ہوئے کہا۔

"دور رہو۔ دور رہو مجھ سے۔" وہ ڈاکٹر سے مخاطب تھی۔ اس کی غراتی ہوئی آواز میں مردانہ اور زنانہ دونوں آوازوں کا امتزاج تھا۔ ڈاکٹروں نے ان باتوں کو نظرانداز کرتے ہوئے شیرون کو دونوں بازوؤں سے پکڑ لیا۔ اس کے ساتھ ہی شیرون کے منہ سے دوبارہ چیخیں نکلنی شروع ہو گئیں لیکن یہ چیخیں بھی ملی جلی آوازوں میں تھیں۔ ایک ڈاکٹر نے تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے بازو میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انجکشن دیدیا۔غالباً" ڈاکٹر نے بے ہوشی کی دوا شیرون کے جسم میں داخل کر دی تھی کیونکہ وہ فوراً" ہی ماحول سے بیگانہ ہو گئی۔

کیٹس رپورٹنگ روم میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ شیرون کی چیخیں یہاں بھی واضح طور پر سنائی دے رہی تھیں۔ ان چیخوں کے ساتھ اس کا کلیجہ پھٹ رہا تھا اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو رکھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر کو سیڑھیوں سے اترتے دیکھ کر بے اختیار وہ آگے بڑھی۔ اس وقت شیرون کی آوازیں آنی بند ہو چکی تھیں۔

"اب وہ کیسی ہے؟" کیٹس نے کانپتے ہونٹوں سے سوال کیا۔

"سو رہی ہے۔" ڈاکٹر نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"ڈاکٹر۔ اسے ہوا کیا ہے؟" کیٹس کے لہجہ میں تشویش تھی۔

"ہم اب بھی وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ۔"

"آپ اب بھی وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔" کیٹس کی آواز غصے سے قدرے بلند ہو گئی۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ لوگ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ میں حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ میں یا میرے ساتھی ابھی تک کسی حتمی نتیجہ پر نہیں پہنچ پائے لیکن کوشش کر رہے ہیں۔" ڈاکٹر کا لہجہ اب بھی پرسکون تھا۔

"آپ کیا خاک کوشش کر رہے ہیں۔ آپ اپنی نااہلی کا صاف طور پر اعتراف کیوں نہیں کر لیتے۔" کیٹس نے چیختے ہوئے کہا۔

"محترمہ۔ اگر بات صرف میری نااہلیت کی ہوتی تو شاید میں اسے تسلیم بھی کر لیتا لیکن آپ ان بیش قیمت اور ترقی یافتہ مشینوں کو کیا کہیں گی جن کی مدد سے شیرون کے ٹیسٹ لئے گئے ہیں۔ حالانکہ آج تک کوئی ایسی مثال نہیں ہے کہ ان مشینوں کی رپورٹس غلط ثابت ہوئی ہوں۔" ڈاکٹر کا لہجہ اب بھی نرم تھا۔

کیٹس جواب میں خاموش رہی۔ وہ بذات خود بری طرح الجھ گئی تھی۔ اس کی صرف یہی خواہش تھی کہ شیرون کسی طرح بھی ہو ٹھیک ہو جائے۔

"کیا وہ ٹھیک ہو جائے گی؟" کیٹس نے پرامید نظروں سے دیکھتے ہوئے سوال

کیا۔

"امید تو ہے بلکہ اس کے بارے میں حتمی طور پر وہ سائیکاٹسٹ ہی بتا سکے گا جو اس وقت شیرون کے کمرے میں موجود ہے۔" ڈاکٹر نے صوفہ پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔ "براہ کرم آپ یہ بتایئے کہ شیرون کوئی نشہ آور دوا استعمال کرتی ہے؟"

"نہیں کبھی نہیں۔"

"مجھے افسوس ہے۔ شاید میری اس اطلاع سے آپ کو تکلیف بھی پہنچے کہ شیرون کو بستر کے ساتھ احتیاطاً" باندھ دیا گیا ہے۔ ویسے کیا آپ کے شوہر کو اس کی حالت کا علم ہے؟"

"نہیں۔" کیٹس نے نفی میں سر کو ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

☆○☆

فادر کراؤن ورزش سے فارغ ہوا ہی تھا کہ اسی وقت میدان میں اس کا پڑوسی بھی پہنچ گیا۔ فادر نے اسے دیکھتے ہی سلام کیا لیکن اس نے سلام کا جواب دینے کے بجائے اسے اطلاع دی کہ تمہاری والدہ کی طبیعت تمہارے آنے کے بعد یکایک بگڑ گئی تھی۔ اس لئے میں نے انہیں فوراً" ہی ہسپتال داخل کروا دیا ہے بہتر یہی ہے کہ تم سیدھے اسپتال پہنچو۔

فادر نے ہسپتال پہنچنے میں کوتاہی کا مظاہرہ نہیں کیا لیکن اس کی والدہ اس سے پہلے ہی اس دنیا کو چھوڑ چکی تھیں۔ فادر نے بہت کوشش کی کہ وہ اپنے جذبات پر قابو پا سکے لیکن ناکام رہا۔ آخر وہ اپنی والدہ سے لپٹ کر رونے لگا۔ اس وقت اس کی والدہ کی مٹھی میں بند ایک لاکٹ پھسل کر گر پڑا۔ جسے فادر نے فرش سے اٹھا لیا۔ یہ لاکٹ اس کی والدہ ہمیشہ عبادت کے وقت پہنا کرتی تھیں جسے اس کے روحانی باپ نے تحفتاً" دیا تھا۔ اس لاکٹ کو فادر نے ماں کی نشانی سمجھ کر اپنے گلے میں پہن لیا۔

دوسری جانب کیٹس جس وقت شیرون کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ اپنے بستر کے ایک کونے پر اطمینان سے بیٹھی ہوئی تھی جبکہ سائیکاٹسٹ بستر پر سر رکھے غالباً" سو رہا تھا۔ شیرون کے ہاتھ میں ایک کراس تھا جبکہ اس کے چہرہ پر خراشوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے نشانات نمایاں طور پر نظر آ رہے تھے۔ کیٹس حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی یکایک اسے احساس ہوا کہ شیرون نے اس کراس سے اپنے چہرے پر زخم لگا لئے ہیں۔ وہ تیزی سے لپکی اور شیرون سے وہ کراس چھیننے لگی لیکن شیرون اس سے طاقتور معلوم ہو رہی تھی۔ وہ نہ صرف مزاحمت کر رہی تھی بلکہ مردانہ آواز میں اسے منع کر رہی تھی۔

شیرون نے جب دیکھا کہ کیٹس نہیں مان رہی ہے تو اس نے اس کے گال پر ایک تھپڑ جڑ دیا۔ کیٹس بوکھلا گئی وہ خواب و خیال میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ شیرون کبھی اس کے ساتھ اس قسم کی گستاخی بھی کر سکتی ہے۔ اسے اس بات پر بھی حیرت ہو رہی تھی کہ اس قدر شور شرابے کے باوجود بھی سائیکاٹسٹ سو رہا ہے یکایک اس کے ذہن میں ایک خیال تیزی سے آیا اور وہ کانپ کر رہ گئی۔

"ڈاکٹر۔" کیٹس نے پوری طاقت سے آواز دی۔

اسی وقت سیڑھیوں پر ڈاکٹر کے قدموں کی آواز ابھرنے لگی۔ اس سے پہلے کہ ڈاکٹر کمرے میں داخل ہوں کسی نادیدہ ہاتھ نے دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ بند کر دیا۔ نہ صرف دروازہ بند کر دیا بلکہ بھاری بھرکم کرسی بھی تیزی سے گھسٹتی ہوئی آئی اور دروازے کے ساتھ چپک گئی۔ یہ صورتحال دیکھ کر کیٹس کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ ایک کونے میں سمٹ گئی جبکہ شیرون اسے دیکھتے ہوئے مردانہ آواز میں قہقہے لگاتی رہی۔

فادر کراؤن حسب عادت صبح سویرے میدان میں دوڑ لگا رہا تھا۔ دوڑ سے فارغ ہو کر جب وہ اپنے کپڑوں کے پاس پہنچا تو وہاں ایک شخص اور بھی موجود تھا۔ فادر اس کی طرف توجہ دیئے بغیر تولیہ اٹھا کر پسینہ خشک کرنے لگا۔ اس وقت وہ شخص بھی اس کے پاس پہنچ گیا۔

"گڈ مارننگ فادر۔" نووارد نے سلام کرنے میں پہل کی۔

"گڈ مارننگ۔" فادر نے ایک نظر اجنبی پر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھے لیفٹیننٹ کینڈر کہتے ہیں فادر۔" اجنبی نے فادر کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلتے ہوئے تعارف کرایا۔

"بہت خوشی ہوئی لیفٹیننٹ۔ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" فادر نے رکے بغیر دریافت کیا۔

"مجھے آپ کی والدہ کی موت کا سن کر بہت دکھ ہوا۔"

"خدا نے اپنی امانت واپس لے لی لیفٹیننٹ۔ ہم اس کی خدائی میں دخل نہیں دے سکتے۔" اب وہ دونوں سڑک پر آ گئے تھے۔

"فادر۔ مجھے آپ سے ایک مشورہ لینا ہے۔"

"مجھے آپ کے کام آ کر خوشی ہو گی لیفٹیننٹ۔" فادر نے بدستور چلتے ہوئے جواب دیا۔

"ایک سائیکاٹسٹ کا قتل ہو گیا ہے۔ ایک بارہ سالہ بچی نے اس کی گردن توڑ دی ہے۔"

"اس سلسلہ میں ... میں کیا کر سکتا ہوں یہ آپ کا معاملہ ہے۔" فادر نے بدستور چلتے ہوئے جواب دیا۔

"مسئلہ یہ ہے کہ بچی کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں ہے اور اس سے کچھ ایسی حرکتیں سرزد ہو رہی ہیں جو ایک عام انسان کے بس سے باہر ہیں۔ جبکہ ڈاکٹر اسے مکمل طور پر صحتمند قرار دے رہے ہیں۔"

"آفیسر میں اب تک نہیں سمجھ سکا کہ میں اس سلسلے میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔" فادر میرون نے رکتے ہوئے جواب دیا۔

"فادر۔ آسیب کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میں اس کی موجودگی سے منکر نہیں ہوں۔"

پھر لیفٹیننٹ کینڈر نے شیرون کی پوری کیفیت بیان کرنی شروع کر دی۔

"آفیسر میں اس لڑکی کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد ہی کوئی رائے دے سکتا ہوں۔" فادر نے پوری بات سننے کے بعد جواب دیا۔

فادر جس وقت شیرون کے کمرے میں داخل ہوا شیرون بدستور بستر سے بندھی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ زرد پڑا ہوا تھا۔ فادر نے کیٹس کو کمرے کے باہر ہی روک دیا اور دروازہ بند کر دیا۔ پھر شیرون کے بستر کے ایک طرف کھڑے ہو کر اسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

مخاطب کیا۔

"تم اپنے آپ کو بہتر محسوس کر رہی ہو؟"

"ہاں۔" شیرون نے کمزور آواز میں مختصر سا جواب دیا۔

"کیا تمہارے علاوہ بھی کوئی تمہارے ساتھ ہوتا ہے؟" فادر نے براہ راست شیرون کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"کس وقت؟" شیرون کی آواز نقاہت میں ڈوبی ہوئی تھی۔

"تم اس کے بارے میں کیا جانتی ہو؟"

"مجھے کچھ نہیں معلوم۔"

"میں اگر اس سے کچھ پوچھوں تو وہ جواب دے گا؟"

"نہیں۔" شیرون کی آواز اس دفعہ نقاہت سے پاک تھی۔

"کیوں نہیں؟"

"میں بول رہی ہوں۔"

"اگر وہ بات کرے تو شاید کوئی راستہ نکل آئے۔ اگر میں اس سے بات کروں تو تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہو گا؟"

"نہیں۔"

"میں اس شخص سے مخاطب ہوں جو شیرون کے اندر موجود ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ وہ میرے سوالوں کا جواب دے گا۔"

شیرون کا منہ بند تھا اس کے منہ سے کوئی آواز نہ نکلی۔

"بات کرو۔ مجھے جواب دو۔" فادر کا لہجہ کچھ سخت ہو گیا۔

شیرون کے منہ سے ہلکی ہلکی غراہٹ خارج ہونے لگی۔

"کیا تم وہی ہو جو شیرون کے اندر موجود ہے۔ کون ہو تم؟" فادر نے اطمینان سے دریافت کیا۔

شیرون کے بستر کے پاس ڈاکٹر کرسی پر بیٹھا ہوا شیرون کی کیفیت کا بغور مطالعہ کر رہا تھا جبکہ شیرون کے چہرے کی کیفیت لمحہ بہ لمحہ تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے ہاتھوں کے گرد بندھی ہوئی رسی آپ ہی آپ کھل چکی تھی۔ یکایک شیرون نے

اپنا ایک ہاتھ جھٹکے سے ڈاکٹر کے ہاتھ پر رکھا۔ ڈاکٹر کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے ہاتھ پر کوئی بھاری ہتھوڑا مار دیا ہو۔ وہ کٹے ہوئے بیل کی طرح زمین پر گر کر چیخنے لگا۔ اس کی دل دہلا دینے والی چیخوں سے کمرہ گونجنے لگا۔ جبکہ شیرون' ڈاکٹر کو اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

☆○☆

دوسرے دن جب فادر ورزش کر رہا تھا تو لیفٹیننٹ کینڈر وہاں پہنچ گیا۔ اس وقت فادر پسینے میں شرابور تھا۔ اس کا گٹھا ہوا جسم نمایاں طور پر نظر آ رہا تھا۔

"فادر۔ تمہارا شیرون کے متعلق کیا خیال ہے؟" کینڈر نے پوچھا۔

"جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں وہ کسی آسیب کے زیر اثر ہے۔" فادر نے تولیہ سے پسینہ خشک کرتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا اس کی کچھ تفصیل بتانا پسند کرو گے؟"

"آفیسر میں ابھی اس کے بارے میں کچھ تفصیل نہیں بتا سکتا کیونکہ میرے سامنے ابھی سب کچھ واضح نہیں ہے۔"

"فادر۔ چونکہ شیرون ایک قتل میں ملوث ہو چکی ہے اور میں اس کی خفیہ طور پر تحقیقات کر رہا ہوں۔ اسلئے مجھے امید ہے کہ آپ قانون کے ساتھ پورا پورا تعاون کریں گے۔"

"مطمئن رہو آفیسر۔ مجھ سے جو کچھ بھی تعاون ہو سکا وہ میں ضرور کروں گا۔"

اگلے روز فادر اپنے طور پر تیار ہو کر شیرون کے ہاں پہنچ گیا۔ شیرون بدستور بستر سے بندھی ہوئی تھی۔ فادر کے ساتھ کیتس بھی کمرے میں چلی آئی۔ اسے اپنی بچی کی حالت دیکھ کر سخت رنج ہو رہا تھا۔ پھول سی شیرون مرجھا کر زرد ہو چکی تھی' بال بکھرے ہوئے تھے' آنکھوں کی پتلیاں چڑھی ہوئی تھیں' ناک سے بہنے والا پانی مزید کراہت پیدا کر رہا تھا۔ فادر نے بڑھ کر شیرون کی بائیں مٹھی کھولی۔ اس میں کراس دبا ہوا تھا۔ فادر کچھ دیر تو اس کراس کو بغور دیکھتا رہا پھر مڑ کر کیتس سے دریافت کیا۔

"یہ کراس کہاں سے آیا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مجھے نہیں معلوم۔" کیٹس نے سسکتے ہوئے جواب دیا۔

فادر نے کیٹس کو کمرے سے نکل جانے کا اشارہ کیا پھر دروازہ بند کر دیا۔ اس نے اپنے تھیلے سے ایک شیشی نکالی جس کے اندر مقدس پانی تھا۔ فادر نے اس کا ڈھکن کھول کر پہلے تو کراس کی شکل میں پانی اپنے بدن پر چھڑکا پھر اسی طرح شیرون کے بدن پر بھی پانی کا چھڑکاؤ کیا۔ اس پانی کے پڑتے ہی شیرون کے منہ سے چیخیں نکلنی شروع ہو گئیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا گویا کئی آدمی کرب کی حالت میں چیخ رہے ہوں۔ فادر نے تیزی سے بڑھ کر اپنا ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا۔ پھر اس کا مائیک شیرون کی طرف کرتے ہوئے سوال کیا۔

"کون ہو تم؟"

"کوئی نہیں۔" کرب میں ڈوبی ہوئی شیرون نے اینٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"بتاؤ۔ کون ہو تم؟" فادر نے دوبارہ سوال کیا۔

"میں کوئی نہیں ہوں۔ کوئی نہیں۔" اس دفعہ آواز رک رک کر اور کرب میں ڈوبی ہوئی نکل رہی تھی۔ ساتھ ہی ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جواب دینے والے کے علاوہ بھی کچھ لوگ کرب سے چیخ رہے ہوں۔

فادر نے کئی دفعہ سوالات کئے لیکن مزید کسی قسم کی معلومات حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ اس نے ٹیپ ریکارڈر بند کر دیا۔ گھر آنے کے بعد اس نے کئی دفعہ ٹیپ ریکارڈر کو چلا کر ان آوازوں کو سمجھنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ چونکہ آوازیں ملی جلی تھیں اس لئے دشواری پیش آ رہی تھی۔ صرف اتنا ہی سمجھ میں آ سکا کہ یہ جو کوئی بھی ہے انگریزی زبان استعمال کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ فادر کوئی اور رائے قائم نہیں کر سکا۔

چونکہ اسکو اس قسم کے واقعات کا زیادہ تجربہ نہیں تھا۔ اس لئے اس نے بڑے پادری سے مشورہ لینے کا فیصلہ کیا۔ پادری کو پوری تفصیل بتانے کے بعد اس نے مدد کی درخواست کی۔

بڑے پادری نے پوری بات توجہ سے سننے کے بعد اسے یقین دلایا کہ اس سلسلے میں ہر ممکن امداد کی جائے گی۔ فادر کراس کو مشورہ دیا جائے گا کہ وہ تمہارے ساتھ

مکمل تعاون کریں۔ وہ ایک جہاندیدہ شخص ہیں اور اس قسم کے واقعات سے نمٹنے کا انہیں خاطر خواہ تجربہ ہے۔

دوسرے دن فادر کراؤن' فادر کراس کے ہمراہ اپنے ضروری سامان کے ساتھ کیٹس کے گھر پہنچ گیا۔ کیٹس نے خوش دلی سے دونوں کو خوش آمدید کہا کچھ ہی دیر کے بعد دونوں فادر' شیرون کے کمرے میں پہنچ گئے۔ فادر کراس نے اپنے بٹوے سے کراس نکال کر تعظیم دی اور ایک طرف ادب سے رکھ دیا۔ پھر دوسرے تھیلے سے ایک چھوٹی سی شیشی نکال کر اس کا پانی پہلے اپنے اوپر چھڑکا پھر فادر کراؤن پر چھڑکنے لگے۔

"تمہاری ماں طوائف تھی۔" شیرون نے فادر کراؤن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اس وقت اسکی آواز کسی ادھیڑ عمر مرد سے مشابہ تھی چہرہ بھی کریہہ ہو رہا تھا۔

"تم نے اسے دیکھا ہے؟" فادر کراس نے غصے سے چیختے ہوئے جواب دیا اس کے ساتھ ہی چند قطرے پانی کے شیرون پر بھی چھڑک دیئے۔ شیرون کے منہ سے چیخیں نکلنی شروع ہو گئیں۔ ان چیخوں کے بعد وہ زاروقطار رونے لگی لیکن آواز اب بھی شیرون کی نہیں تھی۔ پادریوں نے اس کے چیخنے چلانے کی پرواہ نہیں کی۔ فادر کراس بائبل لے کر شیرون کے دائیں طرف بیٹھ گئے جبکہ فادر کراؤن شیرون کے پاؤں کی طرف بیٹھ گیا۔ اب وقفے وقفے سے دونوں یکے بعد دیگرے بائبل پڑھنے لگے جبکہ شیرون کے منہ سے چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ سخت اذیت میں مبتلا ہو۔

فادر جس وقت اس جملے پر پہنچا کہ --- "اے خدا ہمارے اور انسانیت کے دشمنوں کو نیست و نابود کر دے۔" --- تو شیرون نے چیخنا بند کر دیا۔ اب اس کے منہ سے چیخوں کے بجائے گالیاں نکل رہی تھیں۔ فادر کراؤن کا چہرہ غصہ سے تمتمانے لگا۔ اس سے پہلے کہ وہ جواب میں کچھ کہتا فادر کراس نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ہم لوگوں کو اپنی عبادت جاری رکھنی چاہیے۔" پھر دونوں بائبل پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔ ان دونوں کی آوازیں پہلے سے بلند تھیں لیکن اس کے ساتھ ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شیرون کے منہ سے چیخوں کے بجائے غضبناک آوازیں نکلنے لگیں۔ اس وقت وہ سخت مشتعل نظر آ رہی تھی۔ اب اس کا بیڈ بھی اس طرح ہل رہا تھا جیسے کوئی طاقتور ہاتھ بدستور اسے جھنجھوڑ رہا ہو جبکہ شیرون بدستور رسیوں سے جکڑی ہوئی تھی لیکن یہ دونوں ان چیزوں سے بے پروا بائبل پڑھنے میں مشغول تھے۔ بیڈ کی اچھل کود بدستور جاری تھی ساتھ ہی شیرون کا جسم بھی اینٹھ رہا تھا۔ یکایک اس کا بدن کسی قدر ڈھیلا پڑ گیا۔ منہ سے غضبناک آوازوں کے بجائے تھکی تھکی آواز نکلنے لگی۔ یکایک شیرون نے اپنا منہ فادر کراس کی طرف کر دیا اور اس کے منہ سے سبز سیال نکل کر فادر کراس کے بیلٹ کو آلودہ کرنے لگا۔ اس کی چھینٹوں سے فادر کا چشمہ بھی دھندلا ہو گیا۔ چشمے کی دھندلاہٹ کی وجہ سے فادر کراس کو خاموش ہونا پڑا۔ انہوں نے چشمے کو صاف کیا اور بیلٹ کو اٹھانے لگے تاکہ اسے دھو سکیں۔

"لائیے فادر اسے میں دھو دیتا ہوں۔" فادر کراؤن نے یہ کہتے ہوئے بیلٹ اٹھا لیا۔ پھر اسے پانی سے صاف کرنے کے بعد فادر کراس کے حوالے کر دیا اور دونوں بائبل پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔ شیرون کے منہ سے اب کئی آدمیوں کی آوازیں چیخوں کی شکل میں نکل رہی تھیں۔

یکایک فادر کراؤن کی نگاہیں شیرون کے ہاتھ پاؤں پر بندھی ہوئی رسیوں پر پڑیں جو کہ آہستہ آہستہ خود بخود ٹوٹ رہی تھیں۔ اس منظر سے فادر کراؤن پر سکتے کی کیفیت سی طاری ہو گئی۔ اس کی نظریں یک ٹک ان رسیوں پر جمی ہوئی تھیں یہاں تک کہ فادر کراس نے اپنی سطر مکمل کر لی۔ اب فادر کراؤن کی باری تھی لیکن وہ خاموش تھا اس کی نظریں بائبل پر ہونے کی بجائے ان رسیوں پر مرکوز تھیں جو بدستور ٹوٹ رہی تھیں۔

شیرون نے یہ دیکھ کر کہ فادر اپنی پڑھائی بند نہیں کر رہے' آہستہ آہستہ اپنے سر کو گھمانا شروع کر دیا۔ یکایک اس کا منہ پشت کی طرف مکمل طور پر گھوم گیا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی لٹو نے چکر پورا کیا ہو۔ پھر اس طرح گھومتے ہوئے سر دوبارہ اپنی جگہ پر پہنچ گیا۔ وہ فادر کراؤن کی آنکھوں میں براہ راست دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں کی چمک نے فادر کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ فادر ساکت اپنی جگہ

بیٹھا ہوا مسلسل شیرون کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ وہ شیرون کے سحر میں مبتلا ہو چکا تھا۔ فادر کراس نے اسے خاموش دیکھ کر آواز دی لیکن جواب میں فادر خاموش رہا۔ اسے فادر کراس کی آواز اس سحر سے آزاد کرانے میں ناکام رہی۔ یہ دیکھ کر فادر کراس نے دوبارہ پڑھنا شروع کر دیا لیکن وہ چند ہی سطر پڑھ پایا ہو گا کہ اس کی آواز حلق میں پھنسنے لگی۔ وہ ہر بار الفاظ کی ادائیگی کی کوشش کرتا لیکن ناکام رہتا۔ اس ناکامی پر وہ غصے سے کانپتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"یسوع مسیح تمہیں برباد کرے۔" فادر کراس کی آواز اب نمایاں تھی۔

"لعنت ہو تم پر۔" شیرون نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"یسوع مسیح تمہیں اور تمہاری طاقتوں کو برباد کرے۔" اس مرتبہ فادر کراس نے چیختے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے شیرون کے جسم پر متبرک پانی کے پھر چھینٹے مارے۔ شیرون بستر پر چت گر پڑی۔ اس کے منہ سے دوبارہ چیخیں نکلنی شروع ہو گئیں۔ رفتہ رفتہ یہ چیخیں بلند ہوتی گئیں۔ فادر کراؤن اب سحر سے آزاد ہو چکا تھا اور اب وہ دوبارہ عبادت میں فادر کراس کا ساتھ دے رہا تھا۔

یکایک کھڑکی ایک جھٹکے سے کھل گئی اور ہوائیں آندھی کی شکل میں کمرے کے اندر داخل ہونے لگیں۔ اس کے ساتھ ہی کمرہ میں جلتے ہوئے بلب بھی بجھ گئے۔ اندھیرے کے باعث بائبل پڑھنا مشکل ہو رہا تھا۔ ادھر کھڑکی سے داخل ہونے والی آندھی نے کمرے میں تباہی مچا رکھی تھی۔ سب سے زیادہ دشواری فادر کراس کو پیش آ رہی تھی۔ کیونکہ کھڑکی کی طرف وہی بیٹھا ہوا تھا آخر کار وہ اٹھ کر لڑکھڑاتا ہوا دوسری طرف آ گیا۔ کیونکہ کمرے میں موجود بھاری الماریاں اور صوفے تیزی سے ادھر ادھر کھسک رہے تھے۔ اس ساری تباہی کو دیکھتے ہوئے شیرون قہقہے لگا رہی تھی۔ آخر کار فادر کراس کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا۔ اس نے چیختے ہوئے شیرون کو مخاطب کیا۔

"میں خداوند مسیح کی طرف سے منصف بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"

"چپ رہو۔" شیرون نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"میں تم کو اطلاع دے رہا ہوں کہ خداوند یسوع مسیح کی طاقت تمہیں جلا کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راکھ کر دے گی۔"

لیکن جواب میں شیرون چت لیٹی رہی۔ یکایک کمرے کی بتیاں آپ ہی آپ جل اٹھیں۔ آندھیوں کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ فادر کراس اور فادر کراؤن نے دوبارہ اپنے اپنے بائبل کھولنے شروع کئے لیکن اسی وقت شیرون کا جسم بستر سے اٹھنا شروع ہو گیا۔ وہ چت لیٹی ہوئی خلا میں اٹھتی چلی گئی اور قد آدم اونچائی تک پہنچنے کے بعد فضا میں معلق ہو گئی۔

"خداوند کی طاقت تجھے مجبور کر رہی ہے۔" فادر کراس اور فادر کراؤن نے ایک ساتھ چیختے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ ہی فادر کراس نے ایک مرتبہ پھر پانی شیرون کے بدن پر چھڑکا۔ وہ مسلسل مذکورہ الفاظ ادا کرتے اور متبرک پانی چھڑکتے رہے لیکن شیرون کا جسم یوں ہی خلا میں معلق رہا لیکن پانی کی بوندیں شیرون کے جسم کے کھلے ہوئے حصے پر پڑیں تو جسم کا وہ حصہ یوں پھٹ گیا جیسے کسی تیز دھار آلے سے چیر دیا گیا ہو لیکن اس کے باوجود اس کا جسم بدستور معلق رہا۔ متبرک پانی اس کے جسم کو یوں ہی زخمی کرتا رہا۔ فادر کراس اور فادر کراؤن دونوں کی آواز بیٹھنے لگیں۔ اب ان کی آواز میں تھکاوٹ نمایاں طور پر نظر آ رہی تھی۔ یکایک شیرون کا جسم آہستہ آہستہ نیچے آنے لگا۔ یہ دیکھ کر ایک بار پھر ان دونوں کے جوش و خروش میں تیزی آ گئی۔ آخر کار شیرون اپنے بستر پر اسی حالت میں واپس آ گئی جس میں وہ پہلے تھی۔ فادر کراس اور فادر کراؤن تیزی سے اس کی طرف لپکے اور دوبارہ شیرون کے ہاتھ اور پاؤں رسیوں سے جکڑ دیئے۔ خلاف توقع شیرون نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ کچھ ہی دیر میں وہ مکمل طور پر رسیوں سے جکڑی جا چکی تھی۔

فادر کراس مزید کچھ دیر تک مذہبی کلمات پڑھتا رہا جبکہ فادر کراؤن بغور شیرون کے چہرہ کا معائنہ کر رہا تھا۔ اب شیرون کے منہ سے آہستہ آہستہ کانپتی ہوئی کراہنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس کا چہرہ بھی سفید پڑتا جا رہا تھا۔ یکایک اس نے لرزتی ہوئی آواز میں فادر کراؤن کو مخاطب کیا۔

"برائے مہربانی مجھے آزاد کر دو۔" یہ آواز نسوانی تھی لیکن شیرون کی اپنی

آواز نہیں تھی ہاں اس کی آواز سے کسی حد تک مشابہ ضرور تھی۔

"پلیز مجھے آزاد کر دو۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" اس نے گھگیاتے ہوئے دوبارہ درخواست کی۔

"میری والدہ کے بارے میں کیا خیال ہے؟" فادر کراؤن نے نرم آواز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"مجھے آزاد کر دو۔" اس نے دوبارہ گڑگڑاتے ہوئے کہا۔ وہ اس وقت اس طرح کانپ رہی تھی جیسے سخت سردی میں ٹھٹھر رہی ہو۔

یکایک فادر کراس تیزی سے لپکا اور شیرون کی مٹھی کھول کر ایک سکہ برآمد کر لیا۔ یہ ویسا ہی سکہ تھا جیسا عراق میں کھدائی کرتے وقت دریافت ہوا تھا۔ فادر کراس کچھ دیر تک اسے الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا پھر اس نے وہ چیز فادر کراؤن کی طرف بڑھاتے ہوئے دریافت کیا۔ "یہ اسے تم نے دیا ہے؟"

"یہ کوئی سکہ معلوم ہوتا ہے لیکن میں نے نہیں دیا۔" فادر کراؤن نے سکہ ہاتھ میں لے کر غور سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"تم طوائف کی اولاد اسے کیا سمجھ سکو گے۔" شیرون نے فادر کراؤن کو گالی دیتے ہوئے کہا۔

"اپنا گندا منہ بند رکھو۔" فادر کراؤن نے چیختے ہوئے جواب دیا۔

"تم اس کی بات مت سنو۔" فادر کراس نے سمجھاتے ہوئے ہدایت کی۔

"مجھے رہا کر دو پلیز۔" شیرون نے مزید گڑگڑاتے ہوئے درخواست کی۔ وہ اب بھی کانپ رہی تھی۔ ساتھ ہی دبی دبی چیخیں اس کے حلق سے نکل رہی تھیں۔ فادر کراؤن شدید غصے کے عالم میں شیرون کو دیکھ رہا تھا۔ فادر کراس نے اس کی کیفیت کا اندازہ کرتے ہوئے اسے باہر بھیج دیا تاکہ وہ اپنی حالت پر قابو پا سکے۔

کچھ دیر کے بعد فادر کراؤن جب اپنی کیفیت پر قابو پا چکا تو دوبارہ کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی نظر شیرون پر پڑی جو بستر پر تکیے کا سہارا لئے آرام سے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں آزاد تھے جبکہ فادر کراس کا سر بستر پر ٹکا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر کراؤن نے آواز دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"فادر کراس؟"

لیکن فادر کراس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فادر کراؤن تیزی سے لپکا اور فادر کراس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں ہلایا۔ وہ دھم سے زمین پر گر پڑے۔ فادر کراس کی روح پرواز کر چکی تھی۔ فادر کراؤن نے نظر اٹھا کر دیکھا تو شیرون مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی جیسے کہہ رہی ہو یہ کارنامہ میں نے انجام دیا ہے۔ اگر تم کچھ کر سکتے ہو تو کر لو۔ فادر غصے سے بے قابو ہو گیا اور شیرون پر ٹوٹ پڑا۔ وہ مسلسل شیرون پر مکے برسا رہا تھا جبکہ شیرون اپنے دفاع میں لگی ہوئی تھی۔ اس دھینگا مشتی میں فادر کے گلے میں پڑا ہوا لاکٹ جو کہ اس کی ماں کی نشانی تھی شیرون کے ہاتھ میں آ کر ٹوٹ گیا۔ اس لاکٹ کے علیحدہ ہوتے ہی فادر کو مختلف شکلیں نظر آنی شروع ہو گئیں جبکہ شیرون اپنے بچاؤ کے لئے چیخنے لگی۔ اب اس کے گلے سے اس کی اپنی آواز نکل رہی تھی۔ لاکٹ اس کے ہاتھ میں تھا مگر کیفیت تبدیل ہو چکی تھی۔ اس پر دیوانگی سی طاری تھی۔ یکایک فادر تیزی سے اٹھا اور کھڑکی سے باہر چھلانگ لگا دی۔ بلندی سے زمین پر گرتے ہی فادر میرون کا سر سیڑھیوں سے ٹکرایا اور اس کا زندگی سے رشتہ ختم ہو گیا۔ اس وقت وہ پراسرار قدیم سکہ اس کے قریب پڑا ہوا تھا جو کھنڈرات سے برآمد ہوا تھا اور جس پر انسان نما گنبد کی خوفناک شبیہہ تھی۔

کیٹس شیرون کی آواز سن کر تیزی سے اس کے کمرے کی طرف لپکی جس وقت وہ کمرے میں داخل ہوئی تو شیرون ایک کونے میں سمٹی ہوئی سسک رہی تھی جبکہ فادر کراس کا بے جان جسم ایک طرف پڑا ہوا تھا۔

"او گاڈ۔" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا اور اس نے لپک کر شیرون کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ شیرون اپنی ماں کی گود میں بلک بلک کر رو رہی تھی۔ اب وہ مکمل طور پر نارمل تھی۔

لیفٹیننٹ کینڈر جس وقت کیٹس کے گھر پہنچا اس وقت وہ اپنے بچوں کے ہمراہ منحوس گھر چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے جا رہی تھی۔ اس نے کینڈر سے الوداعی مصافحہ کیا اور اپنی گاڑی میں سوار ہو گئی۔ لیفٹیننٹ کی نگاہوں میں شیرون کا چہرہ گھومنے لگا۔

اس کی سمجھ میں اب بھی یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ اس بچی کے ہاتھوں تین قتل کس طرح ہوئے جبکہ شیرون کو خود بھی اس کا احساس نہیں ہو سکتا تھا۔ اپنی گذشتہ کیفیات کے بارے میں وہ کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔ کچھ بھی نہیں۔

☆☆☆

ادھورا قاتل

☆......ایک لڑکی کی قبر پر ہونے والے مسلسل قتل......مرنے والی ہر دوشیزہ کی عصمت دری کی جاتی تھی۔

☆......وہ کون درندہ تھا جو قبرستان کے خوفناک ماحول میں یہ شیطانی کھیل کھیلتا تھا؟

☆......اِن شیطانی وارداتوں سے وہ کیا مقصد حاصل کرنا چاہتا تھا؟

☆......ایک اولوالعزم انسپکٹر کے غیر متزلزل ارادوں کی داستان جس نے اس ہوس کے پیاسے کو بے نقاب کرنے کی ٹھان لی تھی۔

سرفراز احمد راہی کے قلم سے ایک جاندار تحریر جو آخری سطر پڑھے بغیر آپ کو کتاب ہاتھ سے رکھنے نہ دے گی

قیمت: 100-00 روپے

فیضان اکیڈمی راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

موسیقار کی روح

پہلی بار اس وقت کیتھی کو عجیب سا احساس ہوا جب اچانک کوئی آہٹ پا کر وہ بیدار ہو گئی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کے بیٹے کے بیڈ روم میں موسیقی گونج رہی ہے۔ اس کا بیٹا وائلن کا شوقین تھا اور خالی اوقات میں وائلن پر موسیقی کی مشق کرتا تھا لیکن آدھی رات کو کیتھی وائلن کی آواز سن کر سناٹے میں رہ گئی۔ وہ سوچنے لگی کہ اتنی رات کو اس کا بیٹا وائلن کیوں بجا رہا ہے؟ کیتھی پریشان ہو گئی اور وہ اپنے بیٹے کو اس حرکت سے روکنے کے ارادے سے جیسے ہی اس کے بیڈ روم میں داخل ہوئی' ویسے ہی وائلن کی آواز تھم گئی۔ وہ اور بھی حیران رہ گئی۔ اس نے کمرے کا سرسری طور جائزہ لیا تو بیٹا گہری نیند سو رہا تھا اور وائلن بکس کے اندر رکھا ہوا تھا۔ وائلن کو غور سے دیکھنے پر لگا کہ وائلن کو چھیڑا نہیں گیا ہے۔ وہ بھونچکی سی رہ گئی۔

پھر وائلن کون بجا رہا تھا؟

یہ سوال اس کے دماغ میں ہتھوڑے کی مانند چوٹیں لگانے لگا۔

تھک کر وہ اپنے کمرے میں لوٹ آئی اور اپنے آپ کو دلاسہ دینے لگی کہ ہو سکتا ہے اس نے کوئی خواب دیکھا ہو لیکن جب تھوڑی ہی دیر بعد اس نے پھر وہی موسیقی سنی تو حیران و پریشان ہو کر وہ دوبارہ کمرے میں جھانکنے گئی۔ اس کے جاتے ہی موسیقی رک گئی۔ اس نے بیٹے کو جگایا اور اس واقعے کے بارے میں بتایا تو بیٹا بھی چونک گیا۔ بیٹے نے بتایا کہ ایک دو بار اس نے بھی نیند کی حالت میں وائلن کی آواز سنی تھی۔

کئی راتوں تک موسیقی کا پراسرار سلسلہ چلتا رہا۔ وائلن کی وہی دھن' وہی آواز۔ ایک بار عجیب و غریب حالت میں جب بیٹے نے وائلن پر پراسرار موسیقار کالرج کی موسیقی سنی تو اس نے موسیقار کالرج کے بارے میں ماں کے سامنے

تجسس ظاہر کیا۔ ماں نے بتایا کہ مشہور موسیقار دیوا کر اس کے دادا کا جگری دوست تھا۔ وہ پیشہ ور موسیقار تھا اور تمام زندگی کنوارہ رہا۔ وہ خالی وقت میں شوقین بچوں کو موسیقی کی تعلیم مفت دیتا تھا۔ بہت سال پہلے وہ ہارٹ اٹیک سے مر گیا تھا۔ ماں بیٹے کے درمیان کئی باتیں ہوئیں لیکن موسیقی کا اسرار نہ کھلا۔

کیتھی جب کافی پریشان ہو گئی تو اس نے "سائیکالوجی سوسائٹی" کی مدد لینا مناسب سمجھا۔ سوسائٹی کے سیکرٹری اولیور سے اس نے ملاقات کی اور اپنا مسئلہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا لیکن اولیور نے اس میں خاص دلچسپی نہیں دکھائی کیونکہ اسے یہ معاملہ بہت معمولی معلوم ہوا۔ دوسری طرف سوسائٹی کے کچھ اور ممبروں کو یہ معاملہ بہت گھمبیر لگا اور انہوں نے کیتھی کو مناسب کارروائی کرنے کا یقین دلاتے ہوئے اپنے سیکرٹری پر دباؤ ڈالا۔ اس طرح بڑی مشکل سے سوسائٹی نے کیتھی کا کیس جانچ کے لئے لیا۔

حالانکہ سوسائٹی اور سکاٹ لینڈیارڈ کے جاسوسوں کو یہ واقعہ تصوراتی اور ہوائی لگا لیکن جب جاسوسوں نے کیتھی کے مکان کی جانچ پڑتال رات کے وقت کی تو ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ انہوں نے نہ صرف وائلن کی موسیقی کو سنا بلکہ عجیب و غریب ماحول میں کسی روح کی موجودگی بھی وہاں محسوس کی۔ ماہرین اپنے ساتھ ٹیپ ریکارڈر اور کیمرے بھی لے گئے تھے۔ انہوں نے جب روح کے دونوں ہاتھوں کے نشانات کو کیمرے میں قید کرنے کی کوشش کی تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تاہم کسی طرح فنگر پرنٹس کے ماہروں نے روح کے دونوں ہاتھوں کے فوٹو لینے میں کامیابی حاصل کر لی۔ اس چھوٹی سی کارروائی کے بعد ہی انہوں نے روح کے پورے ڈھانچے کی تصویر لینے کی سکیم پر غور کیا۔

سکاٹ لینڈیارڈ کی اہم رپورٹوں کے مطابق سوسائٹی کے سیکرٹری اولیور روحوں کی گتھیوں کو سلجھانے کی سمت میں کافی سرگرم اور کامیاب ہیں۔

اولیور نے روحوں سے متعلق نتائج کو ثابت کرنے کے لئے دنیا بھر کے معاملوں کا نہ صرف مطالعہ کیا بلکہ متعدد ممالک کی پولیس سے اس طرح کے عجیب و غریب واقعات کی ضروری جانچ پڑتال کرنے کی بھی گزارش کی۔ اولیور نے روح سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

متعلق کارناموں کے امکانات کو اجاگر کرنے میں کافی سرگرمی دکھائی تاکہ حقیقت سامنے آ سکے۔ اس معاملے میں یہ بھی دھیان میں رکھا گیا کہ روحوں سے متعلق باتیں کہیں من گھڑت تو نہیں ہیں یا ایسے کارناموں کے پیچھے صرف کچھ شیطان لوگوں کی چال تو نہیں ہوتی ہے؟

حقیقت میں تفتیش کرنے والی سوسائٹی چاہتی تھی کہ جانچ پڑتال میں سائنسی نتائج نکلیں اور روحوں کی حقیقت اجاگر ہو۔ اس لئے سوسائٹی نے پولیس سے درخواست کی کہ ایسے واقعات کا باقاعدہ ریکارڈ رکھا جائے۔ پہلا ریکارڈ انجان روحوں کے دونوں ہاتھوں کے موجود فوٹو سے متعلق بنایا گیا۔

سوسائٹی ایک مخصوص پولیس نمائندے کے ذریعہ اس واقعہ کی تفتیش کرنے لگی۔ سوسائٹی چاہتی تھی کہ روح کے دونوں ہاتھوں کی بنیاد پر انگلیوں کے نشانات کی صحیح صحیح جانچ کی جائے۔ جب یہ جانچ کامیابی کے ساتھ کر لی گئی تو اولیور نے سوچا کہ کیتھی کے بیٹے کے کمرے میں موجود تمام لوگوں کی انگلیوں کے نشان لے کر ان کا دوبارہ معائنہ کیا جائے تاکہ پہلے لئے گئے انگلیوں کے نشان اور موجود لوگوں کے نشانوں میں فرق کیا جا سکے۔ تبھی اس بات کا فیصلہ کیا جا سکتا تھا کہ ان لوگوں کے علاوہ کوئی اور بھی ایسا شخص موجود ہے اور وہی یہ سب کارستانیاں کرا رہا ہے۔ اس بات کا بھی اندیشہ مسلسل سوسائٹی اور کیتھی کو تھا کہ روح کے بہانے یہ کہیں کسی کی چال تو نہیں ہے؟

جانچ پڑتال کے بعد پولیس نمائندے اور سوسائٹی کو ان پراسرار واقعات میں کسی کی سازش دکھائی نہ دی۔

انگلیوں کے نشانات کے معائنے سے یہ ثابت ہو گیا کہ کمرے میں موجود لوگوں کے علاوہ دو ہاتھ ایسے بھی ہیں جن کا کہیں بھی کوئی نشان موجود لوگوں کی انگلیوں کے نشانات سے نہیں ملتا۔

اس کام کو آگے بڑھانے کے لئے پورے یورپ میں مشہور فنگر پرنٹ ایکسپرٹ لارے کی مدد لی گئی۔ جب لارے نے معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا تو اس نے بھی اس تاریک کمرے میں وہی بھیانک ہاتھ دیکھے جن کی شناخت جاسوس پہلے ہی

کر چکے تھے۔ اب یہ ظاہر ہو گیا کہ روح والی باتیں بے بنیاد اور تصوراتی نہیں ہیں۔ حالانکہ لارے کی چار راتیں بیکار چلی گئیں لیکن پانچویں رات جب لارے کمرے کے باہر روح کی آمد کا انتظار کر رہا تھا تب اس نے وہی موسیقی سنی۔ جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوا موسیقی تھم گئی۔ لارے نے روح کی آواز اور موسیقی کے سروں کو ٹیپ کر لیا لیکن اصلی کام انگلیوں کے معائنہ کا باقی تھا۔

جب پولیس ماہرین کی میٹنگ میں "روح کی آواز" کو سنایا گیا تو پولیس افسران نے اس معاملے کو مکمل طور پر راز میں رکھنے کی ہدایت کی۔ اس سے قبل لارے نے اولیور سے مشورہ کیا۔ اولیور نے لارے کو مشورہ دیا کہ جانچ سے متعلق تمام رپورٹوں کی پھر سے جانچ پڑتال باریکی سے کی جائے۔ ان سب کے باوجود لارے یہ تسلیم کرتا تھا کہ کیتھی کے بیٹے کے کمرے میں حقیقت میں روح کا بسیرا ہے اور اگر کالرج اچھی طرح سے موسیقی پیش کرے تو حقیقت میں روح کا پردہ فاش کیا جا سکتا ہے۔

اب تک لارے نے جتنی بھی ہتھیلیوں اور انگلیوں کے نشانات کا معائنہ کیا تھا وہ دونوں ہاتھ ان سب میں مختلف تھے۔ لارے نے یہ تسلیم کیا کہ انسانی دنیا میں اس طرح کے ہاتھ اور انگلیوں کے نشان ہو ہی نہیں سکتے۔ اسی طرح لارے نے معائنے کی بابت اپنا فیصلہ سنایا کہ وہ معمولی یا سادے طریقے سے جانچ نہیں کر سکتا کیونکہ معاملہ آسان نہیں ہے اور اس کے لئے غیر معمولی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔

اس طرح لارے نے تفتیش کے پہلے مرحلے میں روح کے نشانات حاصل کرنے کے لئے مخصوص پاؤڈر کا استعمال کیا۔

روح کی انگلیوں کے نشانات کو پانے کے لئے لارے نے پہلے کمرے کی مکمل طور سے صفائی کرا دی۔ جس جگہ ڈفلی رکھی تھی اس جگہ کو بدلا۔ ڈفلی اور ڈسٹر کو اچھی طرح صاف کیا اور ڈفلی کو چھپا کر کسی اور مقام پر رکھ دیا۔ ڈفلی کے پیچھے ڈسٹر رکھا گیا پھر لارے کمرے کو بند کروا کر یہ جائزہ لینے لگا کہ دیکھیں روح کیا کرتی ہے؟ لیکن اس سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوا۔ تب لارے نے سوچا کہ اگر اس تاریک کمرے میں کالرج وائلن پر اپنا راگ بجا کر اس کی مدد کرے تو بات بن سکتی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہ معلوم کیسے کالرج کی موسیقی تاریک کمرے میں گونجی۔ جیسے ہی کالرج نے وائلن پر کچھ دھنیں بجائیں ویسے ہی کمرے کی بھاری بھرکم گول میز جس کے چاروں طرف لوگ بیٹھے ہوئے تھے یکایک ہوا میں اتنی سرعت سے اوپر اچھلی کہ سب کے ہوش اڑ گئے۔ ہوا میں اڑتی ہوئی میز کو چھونے کے لئے لارے اتنی بلندی پر پہنچ گیا تھا کہ وہ اپنے دونوں ہاتھ کھڑے کرنے کے باوجود میز کو چھو نہیں سکا۔ یہی نہیں' کمرے کی ساری چیزیں تتر بتر ہو گئیں اور پیشنگز اپنی جگہ سے اکھڑ کر اڑنے لگیں۔

ایک ہفتہ بعد جب پھر اس گھپ اندھیر کمرے میں کالرج کا سنگیت گونجا تب پچھلے واقعہ کے برخلاف اس بار جو کچھ پیش آیا وہ اور زیادہ پراسرار تھا۔ موسیقی کے شروع ہوتے ہی اڑتی ہوئی تصاویر کے ساتھ وہی دو ہاتھ دکھائی پڑے اور وائلن بجانے کے طور طریقوں اور اشاروں کو بتایا گیا۔ وہاں موجود سبھی لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ جیسے کوئی انہیں چھو رہا ہے لیکن ان چھونے والے ہاتھوں کو کوئی شخص خواہش کے باوجود چھو نہیں سکا۔ ان ہاتھوں کی کلائیوں میں بٹن بھی دیکھے گئے۔ بتایا گیا ایسے بٹن نکولس کا ایک شاگرد وائلن بجاتے وقت اپنی کلائی پر اکثر باندھا کرتا تھا۔ اس بات کی تصدیق اس شاگرد کے پرانے فوٹو سے ہو گئی۔

لارے ان دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کے نشانات کو حاصل کرنے کے لئے بے چین تھا۔ اس نے کئی بار مخصوص پاؤڈر کا استعمال کیا لیکن کمرے میں رکھی چیزوں پر انگلیوں کے نشان نہیں آپائے تھے۔ کئی بار روح نے ایسی حرکتیں کیں کہ نشان بن ہی نہ سکے۔

ایک بار جب اس کمرے میں کیتھی کو بلایا گیا اور کمرے کو تاریک کیا گیا تو یکایک لارے کی گردن پر وار ہوا۔ روح نے وہی ڈسٹر بہت زور سے پھینک کر لارے پر دے مارا تھا۔

اب اس معاملے سے متعلق لارے نے یارڈ اور سوسائٹی کے ممبران کی خصوصی میٹنگ اسی کمرے میں بلائی اور جب تمام لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے تو وہی ڈسٹر ایک پولیس افسر کے سر پر بڑی تیزی سے آن گرا۔ اس کا سر بری طرح پھٹ گیا۔

روح کو پرکھنے کے لئے تفتیش کا ایک اور نایاب طریقہ اختیار کیا گیا۔ اب لارے نے کمرے کی صفائی نہیں کی اور نہ ہی سفوف کا استعمال کیا۔ لارے روح کی کارگزاریوں سے تنگ آ چکا تھا اس لئے اس نے ان دونوں ہاتھوں کو ایک نئے سرے سے معائنہ کرنے کی سکیم بنائی۔ یہ کام بہت سیدھا اور آسان تھا اور اس میں لارے کے ناکام ہونے کا امکان نہیں لگا۔ لارے نے سوچا اگر روح معاون بن جائے تو اس اسرار کی گتھی سلجھانا کوئی بڑی بات نہیں۔

یہی سوچ کر لارے نے نشان ابھر آنے والی سیاہی کا سہارا لیا۔ سیاہی کی ایک بہت ہلکی پرت ایک پلیٹ پر لگا دی اور جس طرح سے بالکل صاف ہاتھوں کی انگلیوں کے نشان لئے جاتے ہیں' ویسے ہی نشان لینے کی بات سوچی لیکن اس کام میں مشکل یہ تھی کہ روح اپنی انگلیوں کے نشان دینے کے لئے تیار نہیں ہوئی اور اس سے حقیقی روح کا پتہ لگانا ممکن نہیں تھا۔

یہ سوچ کر ماہرین نے روح کو قریب بلانے کے لئے درخواست کرنا شروع کر دی۔ لارے نے اندھیرے کمرے میں کئی بار روح کو ظاہر ہونے کے لئے اکسایا۔ مشہور فوٹو گرافر جانی نے تعاون حاصل کرنے کے انداز میں خاص دعا کی۔ کئی جوش دلانے والے سوال بھی پوچھے گئے۔ آخرکار جب روح اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کے نشان دینے کے لئے تیار ہو گئی تو لارے نے نشان لے لئے لیکن اس سے حقیقی روح کا تو سراغ نہیں ملا۔ ہاں' لارے اس بات سے واقف ہو چکا تھا کہ روح پہلے سے زیادہ مہربان ہو گئی ہے اور وہ اب کسی بھی قسم کا تعاون کرنے کے لئے تیار ہے۔

لارے کے ساتھ جانی جیسا فوٹو گرافر تھا۔ اب لارے نے سوچا کیوں نہ روح کو منا کر اس کی تصویر کھینچ لی جائے۔ یہ سچ مچ ایک عظیم کارنامہ ہوتا۔

کیا روح اس کے لئے تیار ہو جائے گی؟

اہم سوال یہی تھا۔ خیر لارے اور کیتھی نے روح سے درخواست کی۔ مسلسل گزارش اور التجاؤں سے روح آخر تیار ہو گئی۔ وہ بولی۔

"میرا فوٹو گراف لینا چاہتے ہو تو خاص انتظام کرو۔ میں آرام دہ کرسی پر بیٹھوں گی اور تمہیں مکمل تاریکی میں فوٹو کھینچنا پڑے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لارے اور جانی نے جب یہ سنا تو ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ لارے کو تو یہ ایک انوکھا حیرت انگیز موقع نصیب ہوا تھا۔ وہ کسی بھی قیمت پر چوکنا نہیں چاہتا تھا لیکن جانی کو تاریکی کی رکاوٹ بے حد کھلی۔ پھر بھی اس نے انفراہیڈ لائٹ پیدا کر کے فوٹو کھینچنے کی بات آخر کار سوچ ہی لی۔ جب ساری تیاریاں مکمل ہو گئیں اور جانی مخصوص کیمرہ لے کر گہرے تاریک کمرے میں پہنچا تو یکایک وہ کانپ اٹھا۔ کیمرا ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا۔ اس کے ہاتھ لرزنے لگے۔ کسی طرح اپنے آپ پر اس نے قابو پایا اور روح کا انتظار کرنے لگا۔ روح کے تمام وجود کو قاعدے سے اپنے کیمرے میں قید کرنے کے لئے وہ کرسی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ پہلے تو روح نے چند شرارتیں کیں۔ پھر وہ پرسکون انداز میں کرسی پر براجمان ہو گئی۔

سچ مچ وہ بیحد عجیب و نازک حالات والی پوزیشن تھی۔ اب روح کو کیمرے میں سمیٹنے کے لئے جانی پور طور پر تیار تھا۔ تصویر لینے سے قبل جانی نے روح کو تیز نگاہوں سے دیکھا۔ تمام چیزوں کا جائزہ لیا اور پلک جھپکتے ہی تین بار کیمرہ کلک کیا۔

دوسری صبح ہنگامہ مچ گیا۔ ریسرچ سوسائٹی' پولیس والوں اور معزز لوگوں کی بھیڑ روح کی تصویروں کو دیکھنے کے لئے اُمڈ پڑی۔ پہلی کھینچی گئی دو تصویریں بالکل بیکار نکلیں۔ ان میں اندھیرا ہی اندھیرا نظر آیا' ہاں ان میں کرسی صاف نظر آ رہی تھی۔ تیسری تصویر کو دیکھ کر زیادہ تر پولیس افسران اور ماہرین نے رائے ظاہر کی کہ کرسی پر بیٹھی روح یوں تو دھندلی سی ہے' لیکن کوئلے کے ٹکڑے کی طرح چمکتی ہوئی دکھائی دے رہی ہے۔

یہ اور کسی کی نہیں --- کالرج کی روح تھی۔ وہی کالرج جو موسیقار تھا اور نوجوانی میں فوت ہو گیا تھا۔

سوسائٹی اور یارڈ کے ماہرین نے کالرج کی روح کے فوٹو کو ایک اہم ثبوت تسلیم کیا۔

بہرحال یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ کالرج کی ہی عذاب ناک روح تھی۔ کالرج کی بیتی زندگی کے حالات پر سب نے غور کیا۔ سوسائٹی کے سیکرٹری اولیور نے ایک مخصوص میٹنگ میں تمام تفتیشی رپورٹوں پر روشنی ڈالی اور ماہرین کے سائنسی نتائج

سے آگاہ کیا۔ اس نے کالرج کے متعلق بتایا کہ مرے ہوئے لوگوں کی روحیں بھٹکتی ہیں اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے دنیا کے چکر کاٹتی ہیں۔ کالرج کی روح بچپن کو پسند کرتی تھی اور اس لئے وہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے درمیان موسیقی کا ماحول پیدا کرتی تھی۔

☆☆☆

عیاش دیوی

☆.....وہ مر چکی تھی مگر اس کی عیاش طبع اسے خوبصورت قالب میں ڈھال کر واپس ان مردوں کے درمیان لے آئی جو اس کے حسن پر مر مٹتے تھے۔

☆.....ایک بدروح کی داستان جو ایک فتنہ ساماں حسینہ کے روپ میں شکاری مردوں کا شکار کرتی تھی۔

☆.....خوف اور لذت کا حسین امتزاج

عیاش دیوی اور دیگر خوفناک کہانیاں قیمت: 100-00 روپے

فیضان اکیڈمی راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناگ کی دشمنی

"اوئی ماں میں مری۔ میں مری ---" بلا کے منہ سے دردناک چیخ نکلی۔

ماں دوڑتی ہوئی آئی اور گھبرا کر پوچھا۔ "کیا بات ہے۔ کیا ہوا بلا؟"

اسی وقت ماں کی نگاہ بلا کی انگلیوں پر پڑی۔ درمیان میں سوئی چبھنے کے دو نشان تھے۔ وہاں خون کا ایک قطرہ بھی دکھائی دیا۔ بلا کا چہرہ خوف و دہشت کی وجہ سے زرد پڑ گیا تھا۔

"ماں۔ مجھے سانپ نے ڈس لیا ہے۔" روتے ہوئے بلا نے کہا۔

"کیا بکتی ہے۔ چوہا ہو گا۔" ماں نے اسے پیار سے جھڑکا۔

"چوہا نہیں۔ سانپ تھا۔ کاٹنے کے بعد اپنے بل میں گھس گیا ہے۔"

یہ کہتے کہتے بلا کو چکر آ گیا۔ اس نے دیوار کا سہارا لیا۔ ماں نے اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا اور برآمدے میں پلنگ پر لٹا دیا۔ چیخ سن کر باہر کام کرتا ہوا کوشک بھی دوڑ آیا تھا۔ اس نے بلا کی زبانی سانپ کے کاٹنے کی بات سنی تو پنڈت کو بلانے دوڑ پڑا۔ ایک منٹ کے اندر ہی ضعیف پنڈت جی آ گئے۔ انہوں نے ایک طرف روتی ہوئی اپنی بیوی کو دیکھا۔

"تم رو رہی ہو۔ جلدی سے ایک ڈوری لاؤ۔ بیٹی بلا تم نے سانپ دیکھا تھا۔ ممکن ہے کوئی چھچھوندر یا چوہا رہا ہو۔" پنڈت نے استفسار کیا۔

بلا کی آنکھوں میں آنسو جھلملا پڑے۔ وہ کرب سے بولی۔

"چاچا۔ وہ سانپ ہی تھا۔"

بلا اس سے زیادہ کچھ نہیں بول سکی۔ اس پر غشی طاری ہو گئی۔ پنڈت کی بیوی ڈوری لے آئی جو اس نے بلا کی کلائی پر کس کر باندھ دی۔ اتنی دیر میں پڑوس کے تمام مرد، خواتین اور بچے آ گئے۔ سبھی کے چہرے دہشت زدہ تھے۔

بلا کو پورے گاؤں کے لوگ پسند کرتے تھے۔ سبھی اسے بوا کہہ کر بلاتے

تھے۔ پنڈت تقریباً ۶۵ سال کا تھا۔ گاؤں میں اس کی بڑی عزت تھی۔ اس کی تین اولادیں تھیں۔ بڑی لڑکی چترا، دوسری بلا اور تیسرا لڑکا معذور تھا۔ اس کا نام پرساد تھا۔

۱۷ سال کی عمر میں بلا کی شادی موضع نتھو میں کر دی گئی۔ بلا نے ابھی سسرال میں صرف سات دن گزارے تھے کہ اس کا شوہر دیوار کے نیچے دب کر مر گیا۔ اپنی بیٹی کی بیوگی پنڈت جی کیسے دیکھ سکیں گے۔ یہ سوچ سوچ کر ان کا کلیجہ منہ کو آتا تھا۔

آخری رسوم ادا کرنے کے بعد پنڈت جی بلا کو گھر لے آئے۔ سارے گاؤں میں ماتم برپا ہو گیا۔ گاؤں کی عورتیں بلا کو گلے لگا لگا کر ایسا روئی تھیں جیسے وہ انہیں کی بیٹی ہو۔ دو سال بعد پنڈت جی نے معذور لڑکے کی شادی کر دی۔ چونکہ وہ دولتمند تھے اس لئے رشتے کی کمی نہیں تھی۔ اس وقت پرساد کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی۔

اور آج یہ واقعہ رونما ہو گیا۔

پتہ نہیں کیسی تھی بلا کی تقدیر۔ پنڈت جی دوڑے ہوئے وید شیو نارائن کے پاس پہونچے۔ وید جی پڑوایوں کا مفت علاج کیا کرتے تھے۔ وہ اپنے چودہ سالہ بھتیجے اشوک کو لے کر فوراً چل پڑے۔ گھر آ کر انہوں نے بلا کو دیکھا۔ وہ بے ہوش پڑی تھی۔ ہونٹوں کے کناروں پر سفید جھاگ جمنے لگی تھی۔

یکایک بلا کی آنکھ کھلی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں جیسے ان میں خون اتر آیا ہو۔ چند لمحوں تک وہ ایک ٹک لوگوں کو دیکھتی رہی پھر آنکھیں بند کر لیں۔

اس کی حالت دیکھ کر وید جی نے بے بسی کے عالم میں پنڈت جی کی طرف دیکھا اور بولے۔ "دوائیں اس پر اثر انداز نہیں ہو سکیں گی۔ روشن شیو بخش شاید کچھ کر سکیں۔ دیر مت کرو۔ چارپائی اٹھا کر لے چلو۔"

گاؤں والے بلا کی چارپائی لے کر روشن شیو بخش کے مکان کی طرف چل پڑے۔ روشن شیو بخش ایک تنہا شخص کا نام نہیں تھا بلکہ وہ دو بھائی تھے۔ بڑا شیو بخش سنگھ اور چھوٹا روشن سنگھ۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب روشن سنگھ کے دروازے پر بلا کی چارپائی اتاری گئی تو وہ کنویں پر غسل کر رہے تھے۔ کنویں سے متصل چبوترے پر شیو لنگ اور دوسرے دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں نصب تھیں۔ بھیڑ کو دیکھ کر وہ کچھ سمجھتے اس سے قبل ہی پنڈت جی نے دوڑ کر ان کے پیر پکڑ لئے۔

"بیٹا روشن۔ میری بلا کو بچا لو۔ میں اس کے وزن کے برابر چاندی تول دوں گا۔"

روشن سنگھ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر پیچھے کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے گناہ میں کیوں گھسیٹتے ہو دادا۔ بتاؤ کیا ہوا؟"

"اسے سانپ نے ڈس لیا ہے بیٹا۔" وید جی نے کہا۔

کپڑے تبدیل کر کے روشن سنگھ بلا کی چارپائی کے قریب کھڑے ہو گئے۔ سانپ کاٹنے پر اکثر ایک یا دو نشان ہی پڑتے ہیں۔ اکثر تین طرح سے سانپ کاٹتے ہیں۔

اگر سانپ نے پھن مارا اور اسے جھٹک دیا گیا ہو تو اس سے دانت کی نوک کا نشان بن جاتا ہے۔ اسے چھو جانا کہتے ہیں۔

سانپ نے کاٹ لیا اور اسے جھٹک دیا گیا اور تھوڑی دیر میں وہاں چھالے پڑ جائیں تو اسے چھل جانا کہتے ہیں۔

اگر سانپ کے دانت اچھی طرح چبھ جائیں تو اسے کاٹنا کہتے ہیں۔

سپیرے چھو جانے کو "بے چھیل" چھل جانے کو "کان" اور کاٹنے کو "ٹپ" کہتے ہیں۔ دیکھ کر ہی روشن سمجھ گئے کہ ٹپ ہوا ہے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے پکارا۔

"بلا۔ دیکھو بلا کون کھڑا ہے؟" انہوں نے دوبارہ آواز دی۔ "بلا۔ بلا۔"

ایک بار بلا نے آنکھیں کھولیں اور پھر بند کر لیں۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

"یہ ایسے نہیں بولے گی۔" روشن سنگھ بدبدائے اور فرش پر سب کو بیٹھنے کا اشارہ کر کے اندر چلے گئے۔

وہ اندر سے ایک پیٹی لے کر آئے۔ اس میں ایک تھالی، کچھ جڑی بوٹیاں،

اردَ، ڈھاک کے بجانے کی دو لکڑیاں اور ایک خانے میں کوڑیاں اور پوجا کی دوسری اشیا تھیں۔ بخور سلگا کر انہوں نے دیوی دیوتاؤں کو نمسکار کیا۔ آگ کی مانند روشن تلک پیشانی پر لگایا پھر ایک لوٹے میں پانی لے کر انہوں نے منتر پڑھا۔ اس کو "سورج بھگوان" کو چڑھایا اور بچا ہوا پانی بلا پر چھڑک دیا۔ پانی میں جیسے جادو کا اثر تھا۔ بلا جھومتی ہوئی اٹھ بیٹھی اور تیز لہجے میں بولی۔

"کیوں چھیڑتے ہو مجھے؟"

"مجھے پہچانا؟"

"معلوم ہے۔ روشن سنگھ کھڑے ہیں لیکن اس پر زور نہیں چلے گا۔ میں اسے ساتھ لے کر ہی جاؤں گا۔ یہ میری دشمن ہے۔ آپ اپنے منتروں کی طاقت اپنے پاس ہی رکھیں تو مہربانی ہو گی۔"

بدلے ہوئے لہجے سے روشن سنگھ سمجھ گئے کہ یہ آواز بلا کی نہیں ہے۔

"مہربانی کرنے والا تو ایک ہی ہے۔ پوری دنیا کا مالک۔ میں تو آپ کے قدموں کی خاک ہوں۔ برائے مہربانی آپ بلا کو چھوڑ دیں۔"

بلا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"جواب نہیں دیا آپ نے؟"

"میں نے کہا ناں۔ مجھے چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔"

روشن سنگھ نے نرم لہجے میں کہا۔ "میں آپ کو چھیڑ نہیں رہا ہوں۔ برائے کرم آپ اٹھ کر بیٹھ جایئے اور اس خادم کو حکم دیجئے۔"

اشارہ پاتے ہی دو لوگوں نے بلا کے بازو پکڑ کر اسے اٹھایا اور نیچے گوبر سے لیپے ہوئے چوکے پر بٹھا دیا۔ روشن سنگھ نے صندوق میں رکھی ہوئی تھالی نکالی اور اس کی پیٹھ پر چپکا دی۔ بلا کے جھومنے پر بھی تھالی نیچے نہیں گری۔ دو لکڑیوں سے ڈھاک بجاتے ہوئے روشن سنگھ نے منتر پڑھنا شروع کر دیا۔

بلا جھومتی رہی۔ اچانک اس نے جھومنا بند کر دیا اور تیز آواز میں بولی۔

"تمہیں اپنے اوپر بڑا ناز ہے لیکن میں نے کہہ دیا ہے اسے چھوڑوں گا نہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"خادموں کو غرور نہیں ہوا کرتا ناگ راج۔ مجھے خدمت کا موقع دیں۔ بتایئے اس کا کیا قصور ہے؟"

مجھے اس نے جان لیوا تکلیف دی تھی۔ اب انتقاماً اس کی جان لینے آیا ہوں۔"

کوئی ایسا طریقہ نہیں کہ آپ اس کو آزاد کر دیں؟"

"نہیں۔"

"لیکن میں چھڑاؤں گا۔" روشن سنگھ کی آواز تیز ہو گئی۔

وہ آگے بڑھے۔ صندوق میں رکھی کوڑیاں انہوں نے اٹھالیں اور ان پر پانی چھڑکتے ہوئے منتر پڑھنے لگے۔ پھر پھونک مار کر انہوں نے کوڑیاں ہوا میں اچھال دیں۔ وہ زمین پر نہیں گریں بلکہ خلا میں غائب ہو گئیں۔ بلا کی پشت سے انہوں نے تھالی ہٹالی اور پھر وہیں رکھ دی۔

چند لمحوں میں بلا زمین پر گر کر تڑپنے لگی۔ اس کی تڑپ دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"میں تمہیں خاک کر دوں گا ناگ راج۔" روشن سنگھ نے تڑپ کر کہا۔ "اب سامنے آجا۔"

"نہیں۔"

"تمہیں آنا ہو گا۔"

"نہیں روشن سنگھ۔ لوگ مجھے مار ڈالیں گے۔"

"ایسا نہیں ہو گا۔ مارنا تو دور ایک گھنٹہ تک یہاں ایک پتہ بھی میرے حکم کے بغیر نہیں ہل سکتا۔ جلدی کرو۔ بیکار میں اپنی جان مت گنواؤ۔ آ رہے ہو کہ نہیں؟"

"آ رہا ہوں۔" اور بلا زمین پر بے سدھ ہو کر گر پڑی۔

سب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔ لوگ خوف و دہشت کے عالم میں روشن سنگھ کے پیچھے دبک گئے۔ شمال کی جانب سے ایک زہریلا سانپ پھوں پھوں کرتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ اس کے پھن پر کوڑیاں چپکی ہوئی تھیں۔ ان کوریوں کے چپکنے سے سانپ پریشان تھا۔ وہ بار بار ادھر ادھر پھن ہلاتا' زبان لپلپاتا ہوا آ رہا تھا۔

"ان لوگوں کو روکو روشن سنگھ۔" اچانک بلا بول پڑی۔

روشن سنگھ نے کچھ منتر پڑھے اور فوراً" تمام کوڑیاں ان کے ہاتھوں میں آ گئیں۔ تب جا کر زہریلے سانپ کو سکون نصیب ہوا۔ روشن سنگھ سے بیس فٹ دور سانپ کھڑا ہو گیا۔ ایک بالشت چوڑا پھن۔ دو چمکیلی آنکھیں روشن سنگھ کو گھور رہی تھیں۔ آس پاس کی چھتوں پر لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ تمام لوگ سکتے میں تھے۔ اس زہریلے سانپ کو دیکھ کر۔ جیسے سامنے موت کھڑی تھی۔

روشن سنگھ بولے۔ "ناگ راج۔ بلا نے تمہیں تکلیف دی اس کے لئے میں معافی مانگتا ہوں۔ بتایئے میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔ آپ جو کہیں گے کروں گا آپ صرف بلا کو چھوڑ دیں۔"

"تم میری بے بسی سے فائدہ اٹھا رہے ہو۔"

"نہیں۔ میں گزارش کر رہا ہوں۔"

"اگر میں نہ چھوڑوں تو؟"

"حشر آپ جانتے ہیں۔"

"تو میں بھی واضح کر رہا ہوں۔" بلا نے خونخوار نظروں سے روشن سنگھ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "مکمل آزادی نہیں ملے گی اسے۔ چاہے مجھے مرنا پڑے۔ جتنے سال تم چاہو میں اس کو اتنے سال زہر سے آزاد کر سکتا ہوں۔"

روشن سنگھ تھوڑی دیر سوچتے رہے اور پھر کہا۔ "ایک سو دس برس کی عمر تک چھوڑ دو۔"

"ایک شرط پر۔"

"کہئے۔"

"آنے والی اماوس کی شام اکیادن لڑکیوں اور بچوں کو کھانا کھلایا جائے اور ہون کیا جائے۔ یاد رکھنا ایک سو دس برس مکمل ہوتے ہی زہر پھیلے گا اور اس کی موت ہو جائے گی۔"

"اور کچھ؟"

"بس آپ ہٹئے۔" بلا نے کہا۔ روشن سنگھ دور ہٹ گئے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سانپ نے آگے بڑھ کر بلا کی وہی انگلی اپنے منہ میں بھرلی جس کو کاٹا تھا۔ کچھ دیر تک ایسا محسوس ہوا جیسے سانپ زہر کو چوس رہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد سانپ وہاں سے ہٹا اور برق رفتاری سے چلتا ہوا بیر کے درخت کے پاس جا کر غائب ہو گیا۔

لوگوں کی رکی ہوئی سانسیں پھر چلنے لگیں۔ بلا اسی طرح بے سدھ پڑی ہوئی تھی۔ روشن سنگھ نے ایک لوٹا پانی لیا اور اس پر منتر پڑھے اور اس سے بلا کا منہ دھلوایا۔ تھوڑی دیر میں بلا اٹھ بیٹھی۔ اب وہ پہلے جیسی تھی۔

"کیسی ہو بلا؟" روشن سنگھ نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں دادا۔" بلا ہنس پڑی۔ "لیکن مجھے تو سانپ نے کاٹ لیا تھا۔"

اس بار روشن سنگھ ہنس پڑے۔ اسی وقت اس کی نظر آس پاس لگی بھیڑ پر گئی تو وہ سوچنے لگی اور پھر جیسے سب کچھ سمجھ گئی۔ آنے والی اماوس کی رات کو پنڈت نے روشن سنگھ کی ہدایت پر عمل کیا۔

کچھ دنوں بعد دوسرا واقعہ رونما ہو گیا۔ اشوک بیس سال کا تھا۔ اس کا باپ کھیتی کرتا تھا اور وہ صبح سے شام تک جنگل میں جانوروں کو چرایا کرتا تھا۔

اسی روز اس نے کنویں کی جگت پر بیٹھے ہوئے دیکھا کہ ایک سانپ جنگل کی طرف جا رہا ہے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور دبے پاؤں سانپ کا پیچھا کرنے لگا۔ وہ کئی سانپ مار چکا تھا اس لئے بے خوف تھا۔ سانپ کو آہٹ محسوس ہوئی تو وہ پلٹا اور اشوک کو دیکھ کر دوسری طرف مڑ گیا۔ اشوک نے زور سے ایک لاٹھی ماری جو سانپ کی دم پر پڑی۔ دوسری لاٹھی لگنے سے پہلے ہی سانپ بل میں چلا گیا۔ اشوک حیرت زدہ رہ گیا کیونکہ وہ یہ جانتا تھا کہ زخمی سانپ انتہائی خطرناک ہو جاتا ہے۔ چونکہ شام کا وقت تھا اس لئے وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اگر دن کا وقت ہوتا تو اپنے ساتھیوں سے بل کھدوا کر اسے مار کر دم لیتا۔ پھر اشوک لوٹ آیا۔

ابھی رات کے آٹھ بجے ہوں گے۔ چراغ کی روشنی میں اشوک جانوروں کو چارہ بھوسا دے کر نکل رہا تھا کہ چبوترے کے قریب اس کو ایک سانپ نظر آیا۔ اس نے چھپر میں رکھی لاٹھی نکالی۔ اتنی دیر میں سانپ غائب ہو گیا۔ کسی طرح رات

بیت گئی۔ صبح اشوک تالاب سے لوٹ رہا تھا کہ درخت کے قریب سے ایک سانپ اس کی طرف لپکا لیکن وہ پھرتی سے اچھل کر دور جا گرا۔ اس بار اس نے اچھی طرح پہچان لیا کہ یہ وہی سانپ ہے جسے لاٹھی مار کر اس نے زخمی کیا تھا۔ اشوک کو کئی روز چرواہوں کے ساتھ بھی وہی سانپ دکھائی دیا۔ وہ جب لپکتا تو سانپ غائب ہو جاتا۔ سانپ کھیتوں سے لے کر گھر تک اس کا پیچھا کرتا۔ یہ روزانہ کا معمول بن گیا۔ اشوک دہشت زدہ ہو گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ سانپ انتقام لینا چاہتا ہے۔ گاؤں والوں نے اشوک کو روشن سنگھ کے پاس جانے کا مشورہ دیا۔

سارا ماجرا سن کر روشن سنگھ بولے۔ "بیٹھو ابھی ارد پڑھ کر دیتا ہوں۔ کالے کپڑے میں رکھ کر داہنے میں باندھ لو گے تو سانپ قریب بھی نہیں پھٹکے گا۔"

غسل کرنے کے بعد روشن سنگھ نے صندوق سے ارد نکالے اور منتر پڑھ کر آدھے اشوک کو دیئے اور آدھے ہوا میں اچھال دیئے۔ ایک ہی لمحے میں روشن سنگھ کے اچھالے ہوئے دانے ان کے پاس بکھر گئے تو وہ حیرت میں ڈوب گئے۔ ان دانوں کو تو ہوا میں غائب ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن یہ کیا ماجرا ہے؟

اشوک جانے والا تھا کہ وہ بولے۔ "رکو اشوک۔ تمہارا کام نہیں بنا۔"

روشن سنگھ نے اس سے ارد کے دانے لے لئے اور انہیں مٹھی میں لے کر آسمان کی جانب دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ کافی دیر بعد آنکھیں کھولیں اور انہیں واپس صندوق میں رکھتے ہوئے کہا۔

"اشوک۔ کھیل کھیل میں تو نے موت کو دعوت دے دی۔ اب تیری خیر نہیں۔ پوری دنیا میں کوئی بھی منتر پڑھنے والا ایسا نہیں جو تجھے بچا لے۔"

"دادا۔" اشوک کا چہرہ فق پڑ گیا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں بیٹے۔ میری طاقت نہیں جو تجھے بچا سکوں۔ وہ عام سانپ نہیں بلکہ دیوتا ہے۔ شام کو جنگل میں چہل قدمی کرنے نکل جاتے ہیں تو نے انہیں زخمی کر دیا ہے۔ وہ بہت ہی ناراض ہیں۔"

اشوک کے گلے میں آواز پھنس کر رہ گئی۔ اسے اپنے سامنے موت نظر آنے لگی۔ روشن سنگھ سنجیدگی سے کچھ غور کرنے لگے۔ بولے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"دیکھ بیٹا۔ مرتا کیا نہ کرتا' ایک طریقہ ہے اگر تو کر سکے۔۔۔۔ نہا دھو کر شام کے وقت کچھ پھول بتاشے لونگ کا جوڑا' کپور کا چراغ اور ایک کٹورا دودھ تھال میں رکھ کر یہاں آ جانا۔ بھگوان شنکر کو جل چڑھا کر وہ تھالی لے کر سیدھے بل کے پاس جانا جہاں تو نے سانپ کو داخل ہوتے دیکھا تھا۔ ڈرنا نہیں۔ جب موت تمہارے چاروں طرف منہ کھولے کھڑی ہے تو کیسا خوف۔ بل کے پاس چراغ جلا کر کہنا۔ "ہے ناگ دیوتا' میں نے انجانے میں آپ پر وار کر دیا تھا۔ مجھ نادان کو معاف کر دیں۔ یا میری جان لے لیں۔ میں آپ کی پناہ میں ہوں بابا۔" بنتی کر کے بل میں اپنا ہاتھ ڈال دینا۔ چوتھائی گھنٹے تک اگر سانپ نہ کاٹے تو سمجھ لینا کہ معافی مل گئی۔ تھالی کا سامان رکھ کر بل کو سلام کر کے چلے آنا۔ کل سویرے جا کر دیکھنا۔ کٹورے کا دودھ غائب ہو گا۔

اشوک مجبور تھا۔ ساتھیوں اور پڑوسیوں نے حوصلہ افزائی کی۔ شام ہوتے ہوتے اس نے تمام اشیا اکٹھی کیں اور سورج غروب ہونے سے قبل ہی جا کر بل میں ہاتھ ڈال دیا۔ اس کی جان خوف کے مارے نکلی جا رہی تھی۔ کافی دیر تک سانپ نے نہیں کاٹا تو وہ گھر لوٹ آیا۔ ابھی کچھ ہی دور بڑھا تھا کہ روشن سنگھ کھڑے ہوئے نظر آ گئے۔ وہ اس کو بھیج کر پیچھے ہی چلے آئے تھے۔ اس کو دیکھ کر وہ مسکرا پڑے۔ اشوک ان کے پیروں پر گر پڑا۔ دوسرے روز جب وہ بل کے پاس گیا تو دودھ غائب تھا۔

☆☆☆

لاش کہاں گئی؟

لارڈ ہربرٹ ایک فوجی افسر تھا اور اس کا تعلق برطانیہ سے تھا۔ ۱۸۹۴ء میں وہ اس وقت کے ہندوستان کی فوج میں کمانڈر انچیف کی حیثیت سے تعینات تھا۔

اسی سال ہندوستان کے ایک ہندو جوتشی نے اس کا ہاتھ دیکھ کر کہا تھا کہ اس کی موت پانی میں ہو گی۔ بس تب سے ہی لارڈ ہربرٹ پانی اور خاص کر دریا اور سمندر سے بہت ڈرنے لگا۔

لارڈ ہربرٹ کی موت سے ایک ہفتہ قبل جب اسے کنگسٹن نامی بحری جہاز میں سفر کرنے کا حکم دیا گیا تو اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اور اس نے اس حکم کی سخت مخالفت کی مگر حکم کی خلاف ورزی وہ ایک اعلیٰ فوجی افسر ہونے کے ناطے نہیں کر سکتا تھا۔ اس حکم کے بعد اس نے اپنے ایک ساتھی سے بڑے ہی اداس لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ یہ میری زندگی کا آخری سفر ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس سفر سے میں زندہ واپس نہیں آؤں گا۔"

جہاز میں سوار ہوتے وقت وہ بیحد افسردہ اور مایوس نظر آ رہا تھا۔ جہاز کی روانگی سے قبل اس نے ڈیک پر کھڑے ہو کر بڑی حسرت بھری نظروں سے کنارے کی خشک زمین کو دیکھا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ پہلی بار کنارا دیکھ رہا ہو اور آخر وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا۔ کنگسٹن کو پانی کی چنگھاڑتی ہوئی موجوں نے نگل لیا۔ جہاز ڈوب گیا اور بے شمار مسافروں کے ساتھ لارڈ ہربرٹ بھی پانی کی گہرائیوں میں کہیں غرق ہو گیا۔

لارڈ ہربرٹ جون ۱۸۵۰ء کو آئرلینڈ میں پیدا ہوا تھا۔ وہ اپنے باپ کی دوسری اولاد تھا۔ لارڈ ہربرٹ نے ۱۸۹۹ء سے لے کر ۱۹۰۲ء تک جاری رہنے والی افریقی جنگ میں بھی حصہ لیا تھا۔ اس لڑائی میں اس نے بڑی شہرت حاصل کی۔ پھر جب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگست ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم کے شعلے بھڑکنے لگے تو برطانیہ کے وزیر اعظم نے اپنی حکومت کو مشورہ دیا کہ لارڈ ہربرٹ کو ہی وار چیف بنایا جائے۔

کئی سالوں تک ہندوستان میں تعینات رہنے کی وجہ سے اسے ہندوستانی رسم و رواج اور ہندوستانی طرز زندگی سے انسیت سی ہو گئی تھی۔ اس دوران اسے دست شناسی اور علم نجوم سے بھی دلچسپی پیدا ہو گئی اور وہ پوری یکسوئی سے اس علم کو سیکھنے لگا۔ بعد میں جب اس علم پر اس نے مکمل عبور حاصل کر لیا تو پھر خود بھی کئی ایک پیش گوئیاں کی تھیں جو بالکل درست ثابت ہوئی تھیں۔

برطانیہ کی اعلیٰ قیادت اور اعلیٰ فوجی حکام کے درمیان جب پہلی جنگ عظیم کو روکنے کے مسئلے پر بحث ہو رہی تھی تو اس اجلاس میں لارڈ ہربرٹ نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "میں پورے یقین سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ ہماری ہر ممکن کوششوں کے باوجود بھی یہ جنگ بند نہیں ہو گی۔ میں ایک بھیانک آندھی دیکھ رہا ہوں جس کی سیاہی یہ بتاتی ہے کہ یہ ایک طویل جنگ ثابت ہو گی جو پورے چار سال تک جاری رہے گی۔"

بعد کی تاریخ گواہ ہی کہ وہ خوفناک جنگ واقعی پورے چار سال تک جاری رہی اور اس طرح لارڈ ہربرٹ کی پیش گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوئی تھی۔ لارڈ ہربرٹ بہت کم گو اور حساس آدمی تھا۔ اپنے ساتھیوں اور دوسرے اعلیٰ افسران سے وہ کم کم ہی ملتا تھا۔ اس کے ساتھی اس کی ان عادتوں کی وجہ سے اسے ایک ضدی اور مغرور افسر سمجھنے لگے تھے اور یہی وجہ تھی کہ اس سے دشمنی رکھنے والوں کی تعداد اس کے دوستوں سے زیادہ ہو گئی تھی۔

ایک اہم اجلاس میں یہ طے ہو چکا تھا کہ کنگسٹن کے سفر میں برطانیہ کے وزیراعظم بھی لارڈ ہربرٹ کے ساتھ جائیں گے اور دونوں مل کر روس کے حکام سے خفیہ مذاکرات کریں گے اور اسی لئے اس سفر کو بہت خفیہ رکھا گیا تھا کیونکہ جرمنی یہ نہیں چاہتا تھا کہ روس اور برطانیہ میں کسی قسم کا کوئی خفیہ معاہدہ ہو جائے لیکن سفر شروع ہونے سے ایک روز قبل ہی اچانک وزیراعظم نے اپنے جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا حالانکہ یہ مذاکرات اس قدر اہم تھے کہ اس میں وزیراعظم کا شامل

ہونا بہت ضروری تھا۔ روس کے اس خفیہ دورے کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح سے روس کو جرمنی کے خلاف لڑائی پر آمادہ کر لیا جائے اور اسی لئے لارڈ ہربرٹ اور وزیراعظم کے اس سفر کو خفیہ رکھنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن عین وقت پر وزیراعظم کو اپنا پروگرام کیوں ملتوی کرنا پڑ گیا؟ یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ لارڈ ہربرٹ خود بھی اس دورے اور روس سے مذاکرات کے حق میں نہیں تھا۔ وہ تو اس اہم اجلاس میں پہلے ہی یہ کہہ چکا تھا کہ روس سے خفیہ مذاکرات کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ابھی وہ جنگ میں کودنا نہیں چاہے گا لیکن آگے چل کر وہ خود ہی اس جنگ میں شامل ہو جائے گا۔ اس لئے وہاں کا خفیہ دورہ لاحاصل ہی ثابت ہو گا۔

اہم فوجی اجلاس میں اس کی باتوں کو محض قیاس ہی سمجھا گیا اور اسے وزیراعظم کے بغیر ہی اس مذاکرات کے لئے روانہ ہونا پڑا۔ لارڈ ہربرٹ نے ابتدا میں ہی یعنی ۱۸۹۵ء کے ماہ نومبر میں کہہ دیا تھا کہ روس ٹھیک ایک برس بعد اس جنگ میں شامل ہو جائے گا اور لارڈ ہربرٹ کی یہ پیش گوئی بھی درست ثابت ہوئی تھی۔

لارڈ ہربرٹ کی موت کے بعد جو پس پردہ باتیں سامنے آئی تھیں۔ ان میں ایک اہم بات یہ تھی کہ برطانیہ کی فوج کے ایک اعلیٰ افسر کو جسے لارڈ ہربرٹ کا حریف سمجھا جاتا تھا' نے ایک جرمن جاسوس کے ذریعہ یہ اطلاع جرمنی حکام تک پہنچا دی تھی کہ کنگسٹن نامی جہاز لارڈ ہربرٹ کو لے کر خفیہ مشن پر روس جا رہا ہے۔ جہاز کا سفر شروع ہوا تو اس کے دو گھنٹے بعد ہی جہاز کے کیپٹن کو یہ اطلاع ملی کہ جہاز سے کچھ فاصلے پر جرمنی کی ایک سب میرین دیکھی گئی ہے لیکن یہ بات جب لارڈ ہربرٹ کو معلوم ہوئی تو اس نے بڑے سکون سے اس اطلاع کو سنا اور پھر جہاز کے کیپٹن سے بولا۔ "ہو سکتا ہے کہ ایسی کوئی بات نہ ہو۔ اس لئے جہاز کو روکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنا سفر جاری رکھو۔"

لارڈ ہربرٹ نے کپتان سے یہ بات کہہ تو دی تھی لیکن اندر ہی اندر اس کا دل ایک انجانے خوف سے لرز رہا تھا۔ اس کی چھٹی حس نے اسے اشارہ دے دیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا کہ اس کی زندگی کا آخری وقت اب بہت قریب آ چکا ہے۔ چونکہ یہ بات وہ خوب اچھی طرح سمجھتا تھا کہ موت کی گھڑی کو ٹالنا آدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔ اور اس گھڑی کو جب دنیا کی کوئی طاقت روک ہی نہیں سکتی تو اس کی بساط ہی کیا ہے؟

پھر کچھ ہی دیر بعد اس کا جہاز جرمنی کی سب میرین کے حملے کا شکار ہو کر پانی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گیا۔ اخباروں کی خبروں کے مطابق ڈوبنے والے جہاز سے صرف بارہ آدمی زندہ بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ باقی سب کے سب ڈوب کر ہلاک ہو چکے تھے۔ اس حادثے میں لارڈ ہربرٹ کا کیا انجام ہوا؟ اس کے بارے میں کوئی ٹھوس بات معلوم نہیں ہو سکی تھی اور نہ ہی اس کی لاش برآمد کی جا سکی تھی۔

بعد میں ایک اخبار نے یہ خبر شائع کی تھی کہ لارڈ ہربرٹ کی لاش پانی میں بہتے بہتے ناروے کے سمندری کنارے پر پہنچ گئی تھی جہاں کئی ماہی گیروں نے اسے پانی سے باہر نکالا تھا۔ لاش کے جسم پر فوجی وردی دیکھ کر انہوں نے اسے ایک فوجی افسر تو سمجھ لیا تھا مگر وہ لارڈ ہربرٹ کی شخصیت سے ناواقف تھے۔ پھر بھی ان ماہی گیروں نے اس لاش پر گوشت کو محفوظ رکھنے والی ادویات لگا کر ایک تابوت میں بند کر دیا۔ پھر جب کئی روز تک وہاں کوئی لاش کی تلاش میں نہیں آیا تو انہوں نے وہیں اس تابوت کو زمین میں دفنا دیا تھا۔

لیکن برطانیہ کی حکومت نے اخبار کی اس خبر کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کا موقف تھا کہ ماہی گیروں کو اکثر اس قسم کی لاوارث لاشیں پانی سے ملتی ہی رہتی ہیں۔ سمندر میں کشتیوں کے ڈوب جانے کے واقعات کوئی نئی بات نہیں ہیں۔

اس واقعے کے کوئی آٹھ نو سال بعد ایک اخبار کا رپورٹر خود اس پرانی خبر کی تصدیق کے لئے ناروے گیا اور وہاں کے ماہی گیروں سے مل کر اس نے نو سال قبل دفنائی ہوئی ایک فوجی افسر کی قبر کا پتا لگا لیا۔ اخباری رپورٹر نے اس قبر کو کھدوا کر تابوت کو باہر نکلوایا اور پھر اسے انگلینڈ لے آیا تاکہ اس کی شناخت کی جا سکے کہ آیا واقعی وہ لاش لارڈ ہربرٹ ہی کی لاش ہے یا کسی اور کی؟

اس سے قبل ایک دوسرے اخبار نویس نے کنگسٹن نامی جہاز میں زندہ بچ جانے والے بارہ آدمیوں کا پتہ لگا کر بمشکل ان سب سے ملاقاتیں کی تھیں۔ جب اس نے ان سب سے اس واقعے کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنے کی کوشش کی تو ایک آدمی نے اسے بتایا کہ جرمن سب میرین کے حملے سے قبل ہی جہاز کے ایک خلاصی نے لارڈ ہربرٹ کے پیٹ میں چھرا گھونپ کر اسے ہلاک کر دیا تھا اور پھر اسے جہاز کے ڈیک پر سے پانی میں پھینک دیا تھا اور اس کے بعد ہی جہاز جرمن سب میرین کا نشانہ بن گیا تھا۔

اخبار نویس کو یہ بات بتاتے وقت زندہ بچ جانے والے خلاصی نے اس سے یہ بھی کہا تھا کہ وہ خود اس بات کو اسی وقت سب پر ظاہر کر دینا چاہتا تھا کہ لارڈ ہربرٹ کو چھرا گھونپ کر قتل کیا گیا ہے لیکن کچھ اعلیٰ فوجی افسران نے اسے یہ بات ظاہر کرنے سے روک دیا تھا لہٰذا مجبوراً اسے اب تک اپنی زبان بند رکھنی پڑی۔

ان بچے ہوئے بارہ آدمیوں میں ایک شخص چارلس فلپس بھی تھا جس نے بعد میں اپنی یادداشتوں پر مشتمل ایک کتاب "دی لوئس آف کنگسٹن" میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ لارڈ ہربرٹ کو جہاز کے حادثے سے قبل ہی ایک خلاصی نے چھرا مار کر ہلاک کیا تھا لیکن جرمن سب میرین کے حملے کے نتیجے میں ڈوب جانے والے جہاز میں وہ خلاصی بھی زندہ نہیں بچ سکا تھا۔ اس طرح لارڈ ہربرٹ کو قتل کرنے والا قاتل اس کی موت کے کچھ ہی دیر بعد خود بھی ہلاک ہو گیا تھا۔

برطانیہ کے سیاست دانوں اور اعلیٰ فوجی افسران کو جب اس بات کا پتا چلا کہ ایک صحافی ناروے سے ایک دس سال پرانی لاش لے کر جسے وہ لارڈ ہربرٹ کی ہی لاش کہتا ہے' انگلینڈ آ رہا ہے تو ان میں خفیہ مذاکرات شروع ہو گئے اور پھر جیسے ہی اس تابوت کو جہاز سے اتارا گیا ویسے ہی برطانیہ کی سراغرساں پولیس نے اس تابوت کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ اس کے بعد خفیہ پولیس نے برطانیہ کے سب سے بڑے سرجن ڈاکٹر برنارڈ کو اس لاش کے پوسٹ مارٹم کے لئے کہا لیکن جب ڈاکٹر برنارڈ نے لاش کے معائنے کے لئے تابوت کھولا تو اس کے اندر کوئی لاش نہیں تھی۔ تابوت بالکل خالی تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس سلسلے میں خفیہ پولیس نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے اعلیٰ حکام کو یہ رپورٹ دی کہ جب انہوں نے تابوت کو اپنی تحویل میں لیا تھا تب سے وہ اسی طرح بند ہے اور انہوں نے اسے کھول کر دیکھا ہی نہیں تھا۔

لیکن --- ناروے سے تابوت لے کر آنے والے اخباری رپورٹر کا یہ دعویٰ تھا کہ ناروے سے جہاز میں سوار ہوتے وقت تک یہ تابوت خالی نہیں تھا اور اس میں لارڈ ہربرٹ کی بوسیدہ لاش موجود تھی۔

اگر اخبار کے رپورٹر کی یہ بات درست تھی تو پھر تابوت میں پڑی ہوئی وہ لاش کہاں غائب ہو گئی؟ کیسے غائب ہو گئی؟

اس سوال کا جواب صرف خفیہ پولیس کا محکمہ ہی دے سکتا تھا لیکن اس کے ساتھ ایک اور سوال بھی غور طلب ہے اور یہ سوال بعض اخباری نمائندوں نے اعلیٰ حکام سے کیا بھی تھا کہ جب ناروے سے ایک اخباری رپورٹر اس تابوت کو یہاں لایا تھا تو اسے خفیہ پولیس کے حوالے کرنے کی ضرورت ہی کیوں سمجھی گئی؟

کیا اس سے یہ بات ظاہر نہیں ہوتی کہ اعلیٰ حکام خود ہی نہیں چاہتے تھے کہ اس لاش کی لارڈ ہربرٹ کی لاش کی حیثیت سے شناخت ہو جائے؟

لیکن حکومت اس سوال کا کوئی خاطر خواہ جواب نہیں دے سکی اور یہ راز اب تک راز ہے کہ لارڈ ہربرٹ کو قتل کیا گیا تھا یا وہ پانی میں ڈوب کر ہلاک ہوا تھا؟

اور یہ کہ اس کی لاش تابوت سے کہاں غائب ہو گئی؟

☆☆☆

پہچان

گرمی نے فضا کو جہنم زار بنا رکھا تھا۔ ہر چہرہ پھیکا تھا۔ ہر ہونٹ خشک تھا۔ ڈھیروں پانی پی جانے کے بعد پیٹ تو پھول جاتا تھا مگر جی نہیں بھرتا تھا۔ کوئی علاج نہ تھا اس پیاس کا اور پسینہ تھا کہ نکلتا ہی رہتا اور اس گرمی کے ساتھ خاک بھی شامل تھی۔ میں بھی اس خاک کی دستبرد سے محفوظ نہ تھا اور نہ گرمی سے۔ میری قمیض بدن کے ساتھ پسینے سے چپکی ہوئی تھی اور میری زبان خشک تھی۔ خاک میرے نتھنوں میں گھسی ہوئی تھی اور گرمی سے جلتی ہوئی فضا میں دور تک دیکھنے سے آنکھوں میں سوزش سی ہونے لگتی تھی۔

میں نے اپنی آنکھوں پر سیاہ چشمے کو ٹھیک کیا اور ریلوے سٹیشن میں داخل ہو گیا۔ اندر فضا نسبتاً بہتر تھی۔ گرمی تو تھی مگر پھر بھی یہاں تپش سے نجات تھی۔ پلیٹ فارم حسب معمول مسافروں سے بھرا ہوا تھا۔ مسافر اور قلی سب کے سب ایکدوسرے میں مدغم ہو رہے تھے۔ ہاکر اور مسافروں کو رخصت کرنے والے بھی کم نہ تھے۔ میں ٹرین کی طرف بڑھ گیا۔

یہاں ریلوے کے عملے کے لوگ بھی اپنی وردیوں میں موجود تھے اور متعدد مسافر انہیں گھیرے ہوئے تھے جو اپنا اپنا برتھ حاصل کرنے کی کوشش میں تھے۔

میں بھی کھڑکیوں میں سے جھانکتا ٹرین کا سروے کرتا ہوا چلا۔ سیکنڈ کلاس کے سارے ڈبے بھرے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھنا ہی فضول تھا۔ میں نے اپنی تمام توجہ فرسٹ کلاس پر مرکز کر دی۔ آخر مجھے اپنی تلاش کا ثمر مل ہی گیا۔

یہ کمپارٹمنٹ دراصل ایک کوپے تھا۔ اس میں بس ایک ہی مسافر تھا۔ ایک خاصا معقول سا آدمی۔ نیلے سفاری سوٹ میں۔ وہ کسی ناول کے مطالعے میں غرق تھا اور دنیا و مافیہا سے بے خبر تھا۔

بوگی میں داخل ہو کر میں اسی کمپارٹمنٹ کی سمت بڑھا۔ اندر پہنچ کر میں نے دو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لمبے لمبے قدم بھرے اور سیدھا کھڑکی سے جڑی سیٹ پر جا بیٹھا۔ اس سے قبل کہ میرے سامنے بیٹھا ہوا سفاری سوٹ والا کوئی احتجاج کر سکے' میں نے خود کو اس شخص کی جانب سے تھوڑا سا گھما لیا۔ دراصل مجھے بیٹھے دیکھ کر اس نے کتاب سے نظریں اٹھا لی تھیں اور مجھے دیکھنے لگا تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی اچھا تاثر نہ تھا۔ شاید میرا وہاں بیٹھنا اسے اچھا نہیں لگا تھا۔

"معافی چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "غالباً" یہ سیٹ خالی ہے۔"

"نہیں۔" اس نے کہا۔

"میں نے اسے نظرانداز کر دیا اور باہر دیکھنے لگا جہاں لوگ ادھر سے ادھر دوڑ بھاگ رہے تھے۔ چند منٹ کے توقف کے بعد میں نے محتاط نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔ اس شخص نے دوبارہ کتاب پڑھنی شروع کر دی تھی۔ میں نے سکون کی سانس لی۔ گویا اب اس نے احتجاج سے ہاتھ اٹھا لیا تھا۔ مجھے اب آگے کی فکر تھی۔

وقت گزرنے لگا۔ میرا حلق خشک ہو رہا تھا۔ ایک ویٹر نے کھڑکی میں سے چائے کی پیش کش کی جسے میں نے قبول کر لیا۔ اسی وقت ٹکٹ کلکٹر آ گیا۔ اس نے ہمارے ٹکٹ چیک کیے۔ باتوں سے میں نے اندازہ کیا کہ میرا مقابل دہلی جا رہا ہے۔ پھر کلکٹر میری طرف مڑا۔ میں نے ٹکٹ دکھایا۔

"اچھا تو آپ رام پور جا رہے ہیں۔" اس نے کہا۔ "مگر یہ ٹکٹ تو تھرڈ کلاس کا ہے۔"

"ہاں۔ آپ مجھے فرسٹ کا ٹکٹ بنا دیں۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے اپنی بک نکالی۔ "نام؟" اس نے پوچھا۔

"کنور لال۔" میں نے بتایا۔

اس نے لکھنا شروع کیا۔ مجھ سے رقم لی اور رسید تھما دیا۔ ذرا ہی دیر بعد ٹرین نے وسل دی اور حرکت میں آ گئی۔ پلیٹ فارم پر ہاتھ لہرائے اور گاڑی رینگتی ہوئی پلیٹ فارم سے باہر آ کر رفتار پکڑنے لگی۔

میں خاصا خاموش اور مطمئن تھا۔ میرا پروگرام بہت لمبا تھا لیکن زندگی میں

اتفاقات کے عنصر کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ اب پوری امید تھی کہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ میں اپنی سوچوں میں غرق باہر دیکھ رہا تھا جہاں دور تک کھیت اور میدان دکھائی دے رہے تھے۔ شہر پیچھے رہ گیا تھا۔

"کیا آپ رام پور میں رہتے ہیں؟" اچانک مجھے اپنے مقابل بیٹھے مسافر کی آواز سنائی دی۔

میں نے اس کی سمت دیکھا۔ وہ مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنی کتاب ایک طرف رکھ دی تھی۔ میں نے اسے دیکھا پھر دوبارہ کھڑکی کی طرف گردن گھماتے ہوئے میں نے کہا۔ "نہیں۔ رہتا تو میں ادھر ہی ہوں۔ کام سے جا رہا ہوں۔"

میں نے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر پسینہ پھیلا ہوا تھا۔ حالانکہ پنکھے چل رہے تھے اور کھڑکی بھی کھلی ہوئی تھی۔ اس نے جیب سے ایک رنگین رومال نکالا اور چہرے کو صاف کیا۔

"شکر ہے ٹرین جلدی چل پڑی۔"

اس کا تبصرہ غلط نہ تھا۔ یہاں کی ٹرینیں لیٹ ہونے میں اپنا جواب نہیں رکھتیں لیکن جس ٹرین میں ہم تھے وہ عموماً" ٹھیک ہی وقت پر چلتی تھی۔

"اس میں شکر کی کیا بات ہے۔ یہ ٹرین تو میں نے سنا ہے بڑی پنکچوئل ہے۔"

"ہاں۔" وہ آہستہ سے مسکرایا۔ "دراصل میں نے شکر اس بات پر ادا کیا ہے کہ بچ کر جا رہا ہوں۔"

عجیب بات کہہ رہا تھا وہ۔ میں نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ "میں سمجھا نہیں۔" میں نے کہا۔

"میاں میرا مطلب ہے کہ میں زندہ ہوں۔" اس نے مزید ڈرامائی جملہ بولا۔ پھر سیٹ سے اٹھا۔ کوپے کا دروازہ تھوڑا سا کھولا۔ راہداری میں جھانکا اور گویا مطمئن ہو گیا۔ اس نے پلٹ کر اپنی نشست پھر سنبھال لی۔ ذرا سکون سے بیٹھ گیا۔ مجھے دیکھا پھر کھڑکی سے باہر نگاہیں دوڑائیں۔

میں انتظار کرتا رہا۔ مجھے امید تھی کہ وہ ضرور اپنی کوئی کہانی سنائے گا اور میرا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انتظار درست نکلا۔ آخر اس نے پھر سے گفتگو کا آغاز کیا۔

"میرا نام دلیپ ہے۔ ایم آئی دلیپ۔"

میں اسے دیکھتا رہا۔

"میں ایک پرائیویٹ سراغرساں ہوں۔" وہ بولتا رہا۔ "میرا تعلق دہلی کی ایک سراغرساں ایجنسی سے ہے۔"

"اچھا۔" میں نے نرمی سے کہا۔ میں بس یہی کچھ کہہ سکتا تھا۔

"کچھ دن قبل ہماری ایجنسی کو ایک خط ملا تھا۔ یہ خط خاصا دلچسپ اور عجیب سجا تھا۔ تقریباً" اسی نوعیت کا تھا جیسا خط شرلاک ہومز کو ملا تھا۔ سو سکس کے خون آشام نامی ناول میں۔" رک کر اس نے ایک دم سے پوچھا۔

"شرلاک ہومز کی کہانیاں پڑھی ہیں آپ نے؟"

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "کسی زمانے میں اس کے کئی ناول چھپے تھے۔"

"خوب۔" وہ مسکرایا۔ "یہ خط یہاں کے ایک شاہی گھرانے کے فرد کے پاس سے آیا تھا۔ آپ اسے آنند کہہ لیں۔" وہ رازدارانہ انداز میں مسکرایا۔

ٹرین ایک پل سے گزری تو کھڑکھڑ کے باعث دلیپ تھوڑا سا رک گیا۔ ٹرین نے پل پار کر لیا تو اس نے بات آگے بڑھائی۔

"جیسا کہ میں نے بتایا یہ خط خاصا عجیب تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ اس گھرانے کا امن و سکون ایک ویمپائر یعنی خون آشام نے تباہ کر رکھا ہے اور انہیں اپنی زندگیاں خطرے میں دکھائی دے رہی ہیں۔ اس نے ایجنسی سے ہمارے کسی بہترین فرد کو طلب کیا تھا تاکہ اس سے قبل کہ گھرانے میں کوئی المیہ ظہور پذیر ہو وہ معاملات کو سنبھالا دے سکے۔"

رک کر اس نے اپنے چہرے کو پھر پونچھا۔

"ایجنسی میں یہ مسئلہ زیر غور رہا۔ ہم نے آنند کے خاندانی پس منظر کا جائزہ لیا اور شواہد کے پیش نظر جب ہمیں یقین ہو گیا کہ واقعی آنند کا گھرانا سنگین صورتحال سے دوچار ہے تو پھر ایجنسی نے اس معاملے کی چھان بین کے لئے مجھے کہا۔ میں تمامتر انکسار سے کہہ سکتا ہوں کہ ایجنسی مجھے اپنا بہترین ایجنٹ سمجھتی ہے اور میرے بہت

سے کام' کارنامے کی حیثیت رکھتے ہیں۔" میں نے محسوس کیا کہ اس کا لہجہ فخریہ ہو گیا تھا۔

میں ویسے چپ ہی رہا اور کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔

"مختصراً" یوں ہوا۔" اس نے کہا۔ "میں آنند کے شہر کے لئے چل پڑا۔ مجھے لینے کے لئے آنند نے سٹیشن پر کار بھجوا دی تھی۔ یہاں سے ہم اس محل کے لئے چلے جو آبادی سے تھوڑا فاصلے پر بنا ہوا تھا۔ محل کی دو منزلہ عمارت۔ اس میں کوئی تیس کے قریب کمرے تھے اور یہ ان کی جائیداد کے درمیان واقع تھی۔ کار سے میں نے دیکھا اس پر افتاد زمانہ کا گہرا اثر ہو رہا تھا اور اس کی دیکھ بھال بھی شاید اچھی طرح نہیں ہو رہی تھی۔ یہ کوئی خاص بات نہ تھی۔ اتنے بڑے محل کی دیکھ بھال آج کے زمانے میں آسان نہیں ہوتی۔

آخر کار ہم محل کے بڑے سے پھاٹک تک پہنچے۔ مجھے پہلا جھٹکا اس وقت لگا جب میں نے اس کے اوپر ایک انسانی پنجر کو لٹکتے دیکھا۔ ہم اندر پہنچے اور مجھے مسٹر آنند سے ملایا گیا۔ وہ ایک وجیہہ آدمی تھا۔ جوان العمر۔ درمیانہ قد و قامت۔ رنگ صاف تھا۔ بال سیاہ اور نقوش میں نسوانیت سی تھی۔

اس نے مجھے گھر کے دوسرے افراد سے متعارف کرایا۔ وہ سب کے سب ایک ہال نما کمرے میں بیٹھے تھے۔ لگتا تھا سب میرے منتظر تھے۔

میں نے انہیں دلچسپی سے دیکھا۔ پہلی خاتون آنند کی ماں تھیں۔ وہ ایک لاغر اندام ضعیفہ تھی۔ بال سپید ہو چلے تھے اس کے اور عمر پچپن سے اوپر ہو گی۔ اس کی آنکھیں البتہ بہت روشن تھیں۔ وہ بڑی عمدہ انگلش بول رہی تھی۔ اس کا اندازہ مجھے اس کے لہجے سے ہوا۔

پھر آنند کی بیوی تھی۔ جوان تھی اور حسین بھی۔ میک اپ کے بغیر بھی جچ رہی تھی۔ کافی گھومی گھامی ہوئی لگتی تھی۔ تاہم میں نے دیکھا کہ اس کے حسین چہرے پر آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے سے بنے ہوئے ہیں۔ شاید کم سونے کے باعث یہ حالت تھی۔ یقیناً" اس گھر پر کوئی آسیب ہو گا۔ میں نے سوچا۔

یہاں آنند کا چھوٹا بھائی اور اس کی ایک چھوٹی بہن بھی تھی۔ لڑکا کوئی بیس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سال کا ہو گا اور لڑکی اٹھارہ سال کی۔ دونوں گول مٹول سے تھے۔ حالانکہ آنند دبلا پتلا تھا۔ یہ دونوں بھی کچھ پریشان پریشان سے تھے۔

"ایک فرد کم ہے۔" آنند نے بتایا۔ "میری بیٹی۔ اس کی عمر چار سال ہے اور وہ اس وقت ہسپتال میں ہے۔ ایک ہفتہ قبل ویمپائر نے اس پر حملہ کیا تھا۔ اس کے بعد میں نے تم لوگوں کو خط لکھا تھا۔ شکر ہے کہ ہم اسے بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس موتی کی بدولت۔" اس نے میرے پہلو کی طرف اشارہ کیا۔

میں نے مڑ کر دیکھا اور لرز گیا۔ ایک بڑے سے قد کا کتا وہاں نہ جانے کس وقت دبے قدموں آ بیٹھا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ مجھے تفصیلات بعد میں بتا دیجئے گا۔" میں نے آنند کی بیوی کی کیفیت دگرگوں ہوتے دیکھ کر کہا۔

پورے گھرانے پر حتیٰ کہ ملازمین پر بھی ایک ماتمی کیفیت طاری تھی۔ وہ ڈرے ہوئے لگتے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے سب کسی خوفناک انہونی کے منتظر ہوں۔ غالباً سب کو یہ فکر لاحق تھی کہ نہ جانے اب اس بلا' اس ویمپائر کا دوسرا شکار کون ہو گا؟

تعارف کے بعد انہوں نے مجھے میرا کمرہ دکھا دیا جو خاصا کشادہ تھا۔ چھتیں اونچی تھیں۔ ایک چھپر کھٹ ٹائپ کا بستر تھا جو کم از کم آج کل کہیں دیکھنے کو نہیں ملتا۔ یہ کمرہ اوپری منزل پر تھا۔ اس میں کئی اونچی اونچی کھڑکیاں تھیں اور یہاں سے پورے علاقے کا منظر آرام سے دیکھا جا سکتا تھا جو واقعی شاندار تھا۔

میں نے عجلت سے غسل کیا۔ کپڑے بدلے۔ پھر میں کمرے سے نکلا تاکہ اپنے میزبان سے باتیں کر سکوں۔ وہ ڈرائنگ روم میں میرا منتظر تھا۔ یہ بھی ہال جیسا کمرہ تھا۔ اس میں دو عدد آتشدان تھے۔ کوئی درجن بھر صوفے پڑے تھے۔ یہاں اور چھت پر چار عدد فانوس لٹکے ہوئے تھے۔

ہم اپنی اپنی نشستوں پر آرام سے بیٹھ گئے۔ سورج ڈوب چکا تھا اور اب رات اپنے پر پھیلا رہی تھی۔ آنند نے ملازم سے مشروبات لانے کے لئے کہا۔ جب وہ چلا گیا تو وہ مجھ سے مخاطب ہوا۔

"جیسا کہ تم جانتے ہو' ہم مہاراجہ کے خاندان سے ہیں۔ یہ محل ہمارے پرکھوں کا ایک تفریحی محل تھا اور برسوں سے خالی پڑا تھا۔ ہم اس میں پچھلے برس ہی آئے ہیں۔ تمہیں معلوم ہے حکومت نے ہماری بہت سی جائیدادیں لے لی ہیں۔ ہمارا رہائشی محل بھی لے لیا گیا تھا مگر میرے آنجہانی باپ نے اسے نہیں چھوڑا تھا۔ جب حکومت نے زبردستی ہمیں نکالا تو ان پر دل کا دورہ پڑا۔ ہم نے انہیں ہسپتال پہنچا دیا تھا اور ہم سب لوگ اس جگہ یعنی یہاں شفٹ ہو گئے۔ جب میرے باپ کی حالت سنبھلی اور اسے معلوم ہوا کہ ہم گھر سے نکل کر یہاں آ گئے ہیں تو وہ خاصے پریشان ہوئے انہوں نے مجھے طلب کیا اور کہا ہم اس محل کو فوراً" خالی کر دیں۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ آخر وہ اس پر مصر کیوں ہیں؟ ان کا کہنا تھا کہ ہمیں شہر سے دور اس ویرانے میں رہنے کی ضرورت نہیں۔

میں نے ان سے کہا کہ ہم لوگ اس جگہ بڑے آرام سے ہیں۔ شہر میں ہمارے لئے کوئی بڑا مکان لے کر رہنے میں کافی خرچ آئے گا مگر وہ اسی پر تلے ہوئے تھے کہ ہم یہ گھر چھوڑ دیں۔"

اسی وقت ملازم مشروبات کے ساتھ لوٹا تو گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ گلاس بھرے جا چکے تو بات پھر شروع ہوئی۔

"میں نے والد سے کئی بار ان کے اصرار کی وجہ پوچھی مگر وہ بس اپنی کہتے رہے۔ میں بھی ذرا ضدی آدمی ہوں۔ ہمارے درمیان بحث ہونے لگی۔ چند روز بعد مجھے پھر بلایا گیا تو معلوم ہوا پتاجی کی حالت بہت خراب ہے۔ مجھے ان سے بات کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ دراصل ڈاکٹر اب ناامید ہو گیا تھا۔

میں ان سے ملا تو ان کی آواز بہت نحیف تھی۔ مجھے جھک کر سننا پڑ رہا تھا۔ تب اس روز انہوں نے مجھے نہایت ناقابل یقین سی باتیں بتائیں۔ یہ عجیب ہی قصہ تھا کچھ۔ اس کا لب لباب میں تمہیں سناتا ہوں۔" آنند نے کہا۔

"بہت برسوں پہلے کا تذکرہ تھا یہ۔ اس صدی کے ابتدائی حصے کا ہمارا یہ گھر ہمارے ایک بزرگ کے پاس تھا۔ ان کا نام وکرم تھا۔ یہ صاحب اچھی شہرت کے حامل نہ تھے۔ نہایت اذیت پسند تھے۔ اپنی رعایا اور ملازموں کا انہوں نے ناک میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دم کر رکھا تھا۔ حتیٰ کہ ان کے بچے اور بیوی بھی ان سے نالاں تھے۔ سب ان سے ڈرتے تھے اور نفرت کرتے تھے۔ ان پر ایک آدھ بار قاتلانہ حملہ بھی ہوا مگر قسمت اچھی تھی یہ بچ گئے تھے۔ اس وقت جو راجہ تھے یہ ان کے چھوٹے بھائی تھے۔

میں سمجھتا ہوں ان کی حرکات کے پس پردہ وہ احساس محرومی تھا کہ راج پاٹ انہیں نہیں ملا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے دماغ میں کچھ خلل بھی رہا ہو۔

بہرحال ایک روز ان کے سیکرٹری کو ٹھوکر لگی اور اس کی وجہ سے وہ گرم پانی کا پیالہ جو ان کی میز پر رکھا تھا اور جس کے پیچھے یہ صاحب براجمان تھے الٹ گیا اور تمام پانی ان کے اوپر جا گرا۔ بس جناب' قیامت آ گئی۔ انہوں نے سیکرٹری کو بندھوا دیا اور ایک چاقو لے کر اس غریب کے بدن پر لاتعداد زخم لگائے۔ حتیٰ کہ وہ غریب خون کے ضیاع سے مرگیا۔ اب بتاؤ کیا اس حرکت سے دیوانہ پن نہیں جھلکتا۔"

وہ رک گیا۔ پھر اس نے گلاس سے چند چسکیاں لیں اور بولا۔ "غریب سیکرٹری نے ان کی بے حد منتیں کیں مگر بیکار۔ پھر یوں ہوا کہ جب وہ مرنے لگا تو اس نے وکرم کو بددعا دی۔ یہاں یہ جان لو کہ یہ سیکرٹری ایک پڑھا لکھا شخص تھا اور کافی جہاں دیدہ تھا۔ اس نے جو بددعا دی وہ تنتر اور کالے جادو کی بنیاد پر تھی۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ مرنے کے بعد وہ ایک خون آشام یعنی ویمپائر کی شکل میں پلٹے گا اور وکرم اور اس کے گھرانے کو مستقل اذیتیں پہنچائے گا۔ اس کے بعد وہ مرگیا۔

چھ ماہ بعد ایک روز صبح وکرم کی لاش ملی۔ اس کا نرخرہ ادھڑا ہوا تھا اور سارا بستر خون سے تر تھا۔ یہ سب کیسے ہوا؟ کس نے کیا تھا؟ اس کا کوئی علم کسی کو نہ ہو سکا۔ حالانکہ تمام کھڑکیاں اور سارے دروازے لاک تھے۔"

آنند رکا۔ کچھ سوچنے کے بعد وہ پھر سے گویا ہوا۔

"وکرم کی موت کے بعد بیس برسوں میں گھرانے کے تین افراد اور جان سے گئے جنہوں نے اس محل میں رہائش اختیار کی تھی۔ ہر دفعہ لاش کا نرخرہ ادھڑا ہوا ملا تھا جبکہ تمام کھڑکیاں اور ہر دروازہ بند تھا۔ قاتل کا کبھی پتا نشان نہیں ملا۔ ان مرنے والوں میں دو بچے اور ایک مرد شامل تھے۔

ظاہر ہے کہ یہ واقعات پریشان کن تھے۔ لوگ اس جگہ سے کترانے لگے

تھے۔ ملازمین بھاگ گئے تھے اور پھر یہ رہائش گاہ چھوڑ دی گئی تھی۔ بس چند نگران اسے آکر دیکھا کرتے تھے۔

میرے باپ نے مرنے سے قبل بس اتنی باتیں مجھے بتائی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کہانی مجھے متاثر نہیں کر سکی تھی۔ خصوصاً" اس دور میں۔ آج کے زمانے میں یہ ویمپائر والی بات میرے حلق سے نہیں اتری تھی۔ مگر اب --- اب یہ صورت ہے کہ میں اپنی سوچ پر شرمندہ ہو رہا ہوں۔"

آنند رکا تو میں نے اسے دیکھا۔ مجھے بھی تعجب ہو رہا تھا۔ بھلا ویمپائر وغیرہ کا اس صدی میں کہاں گزر تھا؟

"یہ ساری فرسودہ روایات تھیں اور ایک خاص وقت میں ہی ٹھیک تھیں۔ میرے باپ کا اس کے بعد انتقال ہو گیا۔" آنند نے بات آگے بڑھائی۔ "بعد میں یہ معاملہ میں نے گھر والوں کے سامنے رکھا۔ میری ماں نے یہ کہانی کہیں سنی تو تھی مگر میرے باپ نے اس سے اس سے زیادہ باتیں نہیں کی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ ساری باتیں واہموں اور عقیدوں کی پیداوار ہوں گی۔ میرا بھی کچھ ایسا ہی خیال تھا۔ شہر میں مناسب رہائش کا مسئلہ گھمبیر تھا۔ اپنی شایان شان جگہ کے لئے ہمیں بہت خرچ کرنا پڑتا۔ پس ہم سب نے طے کیا کہ اسی جگہ پر رہا جائے۔

کچھ عرصے تک بالکل ٹھیک ٹھاک رہا۔ ہم مطمئن ہو چلے تھے کہ ساری باتیں واقعی بدعقیدگی کے سوا کچھ نہیں۔ مگر تبھی وہ ویمپائر ظاہر ہوا اور اس نے اپنا وار کیا۔

اس رات میں ایک پارٹی میں گیا تھا۔ پلٹا تو تھکا ہوا تھا۔ بستر پر گرتے ہی سو گیا۔ مگر رات کے کسی حصے میں اچانک ہی میری آنکھ کھلی۔ کوئی میرے بستر کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ عام سے کپڑوں میں تھا۔ عام آدمی جیسا۔ بس اس میں اگر کوئی عجیب بات تھی تو وہ اس کی آنکھیں تھیں۔ ہاں اس کی آنکھیں عام آدمیوں کی آنکھوں سے مختلف تھیں۔ خون کبوتر کی طرح سرخ اور کسی انگارے کی طرح دہکتی ہوئی۔ میں ان آنکھوں کو دیکھ کر لرز کر رہ گیا۔ میں نے چیخنے کے لئے منہ کھولا مگر آواز حلق میں پھنس گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر وہ ہیولا آہستہ آواز میں مجھ سے مخاطب ہوا۔ "جاؤ یہاں سے چلے جاؤ۔" میری تم سے کوئی دشمنی نہیں۔ لیکن اگر تم نے میری بات نہ مانی تو پھر میں تمہارا بھی دشمن ہو جاؤں گا۔ میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ میں تمہارے خاندان کے خون سے اپنی پیاس بجھاتا رہوں گا۔"

پھر وہ ہیولا ایک دم غائب ہو گیا۔

میں پڑا ہانپتا رہا۔ میں نے اپنی بیوی کو جگایا جو اس تمام واقعے کے دوران آرام سے سوئی رہی تھی۔ اسے یقین نہ آیا۔ اس کا خیال تھا شاید کوئی خواب تھا جو میں نے دیکھا تھا۔

ہم نے کھڑکیوں اور دروازوں کو دیکھا سب بند تھے۔ کمرے میں کوئی بھی بے ترتیبی نہ تھی۔ ہماری چھوٹی بچی آرام سے سوئی ہوئی تھی۔

دوسری صبح کو میں گھر سے نکل گیا۔ میں نے شہر میں تفتیش کی کہ شاید کوئی موزوں مکان مل جائے۔ میں اس محل میں رکنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے گھر والوں کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ کافی کوشش کی مگر ایک بھی موزوں کیا ناموزوں جگہ بھی کرائے کے لئے نہ مل سکی۔

اس رات میں جلدی سونے چلا گیا۔ موتی، ہمارا کتا برآمدے میں سوتا ہے۔ خوش قسمتی سے اس رات وہ آشا کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ آشا میری بیٹی کا نام ہے۔ پھر سوتے وقت وہ میرے بستر تلے چلا گیا۔ ہم نے دروازہ بند کر لیا تھا اور وہ اندر ہی رہ گیا تھا۔

رات دو بجے کے قریب میں اس کے بھونکنے کے شور سے جاگ گیا۔ میری بیوی بھی جاگ گئی تھی اور پھر یکدم سے اس نے چیخنا شروع کر دیا۔

ویمپائر ایک بار پھر ہمارے کمرے میں تھا۔ وہ اپنی خوفناک آنکھوں سے گھورتا ہوا مجھ سے مخاطب تھا۔

"تم اس جگہ سے گئے نہیں۔ لہٰذا اب حکم عدولی کی قیمت تمہیں چکانی ہو گی۔ میں تمہاری بیٹی کا خون پینے جا رہا ہوں۔ وہ ظاہر ہے کہ مر جائے گی۔"

موتی وہیں کھڑا ہوا ذرا دوری پر اور مسلسل بھونک رہا تھا۔ ویمپائر اس سے

بالکل بے نیاز کھڑا تھا۔

میں نے وضاحت کی کوشش میں اٹھنے کی سعی کی لیکن اس عرصے میں ویمپائر برق رفتاری سے آشا کے بستر تک پہنچ چکا تھا جو کمرے کے ایک دوسرے کونے میں تھا۔

یہ موتی تھا جس نے بچی کی جان بچائی۔ ہمارے بس کی بات تو تھی نہیں۔ ادھر ویمپائر لپکا اور ادھر موتی نے بھی حرکت کی۔ پھر ایک خوفناک سی کشمکش کا احساس ہوا اور ایک دم سے ویمپائر کا ہیولا غائب ہو گیا۔ خود موتی بھی چکرا گیا تھا کہ اس کا شکار کدھر گیا۔

ہم دونوں میاں بیوی لپک کر آشا کے بستر کی طرف دوڑے۔ ہم نے دیکھا کہ وہ غشی کی کیفیت میں ہے اور اس کا تکیہ خون سے تر ہے۔ اس کی نازک سی گردن میں کسی کے دانت کا گہرا زخم موجود تھا۔ ہم نے کسی طرح آشا کو اسی رات ہسپتال پہنچایا۔

میری بچی دو روز بے ہوش رہی۔ وہ ہسپتال ہی میں ہے۔ اب ٹھیک ہے مگر کمزور ہے۔

اس واقعے کے بعد ہم نے تمہارے ادارے کو لکھا۔ پہلے میں نے سوچا تھا کہ معاملہ پولیس تک لے جاؤں مگر پھر خیال آیا بھلا پولیس ہماری باتوں کو کیوں ماننے گی۔ ظاہر ہے کہ سوائے سنسنی پھیلنے کے کچھ بھی حاصل نہ ہوتا۔ حتیٰ کہ ہم نے ڈاکٹر تک سے غلط بات کہی کہ کھیلتے ہوئے آشا شیشے پر گر گئی تھی۔ وہ بے چارہ ماننے پر متامل تھا مگر ہم راجہ مہاراجہ ہیں۔ وہ کچھ بول نہیں سکا تھا۔

تب سے ہماری سب کی نیندیں اڑی ہوئی ہیں۔ بے شک ابھی تک ویمپائر نے دوسرا حملہ نہیں کیا ہے مگر وہ کرے گا ضرور۔ ہماری ساری کوششیں دوسرے مکان کے لئے ناکام ہو چکی ہیں۔ دوسری طرف میری ماں نے ایک مقامی پجاری مہاراج کو بلا کر کچھ جنتر منتر بھی کرایا اور ہمارے نوکروں کا خیال بھی یہی ہے کہ جنتر منتر کے ذریعے اس ویمپائر کا دفیعہ ممکن ہے۔ کچھ بھی ہو اتنی بات تو تم بھی مانو گے کہ ویمپائر ہوں یا نہ ہوں مگر کالا جادو پہلے بھی تھا آج بھی ہے۔ ہو سکتا ہے پجاری مہاراج کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جادو نے کچھ روک تھام کی ہو۔ پجاری مہاراج نے واقعی بڑے اہتمام سے گھر کی صفائی کی تھی۔ کوئی چالیس شمعیں جلائی تھیں اور کوئی تین گھنٹے تک منتروں کا جاپ کر کے سارے گھر میں پانی کا چھڑکاؤ کیا تھا۔ پھر ایک بڑا معاوضہ بھی انہوں نے لیا تھا۔"

اس کے بعد میں آنند کے ساتھ کھانے کے بعد تھکن کی وجہ سے سونے کے لئے میں اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کچھ دیر میں جاگتا رہا ساری باتیں میرے ذہن میں گھوم رہی تھیں۔

ویمپائر --- یعنی خون پینے والی مخلوق۔ سولہویں سترہویں صدی میں عام تھی مگر آج کے دور میں؟ تاہم آنند جیسا تعلیم یافتہ شخص بھی دہلا ہوا تھا۔ میں نے احتیاطاً" اپنا ریوالور تکیے تلے رکھ لیا تھا۔ نہ جانے کب مجھے نیند آ گئی۔ اچانک ہی میری آنکھ کھلی اور جب میں جاگا تو میرا خون رگوں میں منجمد ہو گیا۔ زیرو پاور کے بلب کی روشنی میں' میں نے دیکھا کہ ایک ہیولا میرے بستر کے پاس کھڑا ہے۔ وہ عام سا آدمی تھا۔ مگر اس کی آنکھیں --- وہ انگارے کی طرح روشن تھیں۔ میں نے اٹھنے کی سعی کی مگر اعضا جیسے جمے ہوئے لگے۔ پھر اس ہیولے کی آواز سرسرائی۔

"میں ہوں وہ ویمپائر' جس کا ذکر تم نے سنا۔" وہ ایک ہلکی سی سرگوشی میں بول رہا تھا۔ "اور تم ایک احمق ہو کہ یہاں آ گئے ہو۔ بہتر ہے کہ چلے جاؤ۔ ورنہ میں تمہارا بھی دشمن ہو جاؤں گا اور جب میں کسی کا دشمن ہو جاتا ہوں تو پھر اسے پاتال میں بھی پناہ نہیں ملتی۔ سنو' کل صبح تم یہاں سے سدھار جانا۔ سمجھے۔" اتنا کہہ کر وہ گھوما۔ میں نے تبھی بعجلت تکیے تلے ہاتھ ڈالا۔ ریوالور نکال کر میں نے اس کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔ ایک زور کا دھماکا ہوا۔ ویمپائر گولی کھا کر ذرا سا لڑکھڑایا۔ میں خوش ہو گیا۔

"خوب۔ تو یہ بھوت ووت نہیں ہے۔" میں نے سوچا۔

مگر ہیولا سکون سے گھوما۔ میں نے دو فائر اور کئے۔

وہ ہیولا لڑکھڑایا۔ دھماکے کی آوازیں بہت زوردار تھیں۔

"ٹھیک ہے۔ اب میں تم کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔" ہیولے نے پرسکون آواز

میں کہا اور ایک دم سے غائب ہو گیا۔

اب دھندلے کمرے میں کوئی ہیولا نہیں تھا۔

میں نے اچھل کر بجلی روشن کر دی۔ میں نے ریوالور لئے لئے باتھ روم میں جھانکا۔ الماریاں دیکھیں مگر فضول --- وہ غائب ہو چکا تھا۔ میری کھڑکی بند تھی اور دروازہ مقفل۔ یہ میری زندگی کا انوکھا تجربہ تھا۔ میں الجھتا رہا۔ یکایک میرے دروازے کو پیٹا جانے لگا۔ میں نے دروازہ کھولا تو آنند ملازمین کے ساتھ کھڑا تھا۔ میرے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر وہ بے حد متعجب ہوا۔ اس کا لباس ملگجا تھا اور بال الجھے ہوئے۔ وہ بستر سے نکل کر آیا تھا۔

"کیا ہوا؟" اس نے گھبراہٹ سے پوچھا۔

میں نے اسے تمام باتیں بتا دیں۔ آنند نے کہا۔ "شکر ہے تم بچ گئے۔ حیرت ہے کہ تمہاری گولیوں نے ویمپائر پر اثر کیا تھا۔"

"بات دراصل یہ ہے۔" میں نے کہا۔ "ویمپائر والی بات سن کر بس احتیاطاً" میں نے کچھ اقدامات کر لئے تھے حالانکہ مجھے یقین نہ تھا۔ دراصل میں ذرا محتاط آدمی ہوں۔ میں نے یہاں آنے سے قبل بطور خاص کچھ ایسی گولیاں بنوائی تھیں جن کی نوز پر کچھ چاندی لگائی گئی تھی۔ دراصل یہ حرکت میں نے ویمپائروں کی تاریخ پڑھنے کے بعد کی تھی۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ بدروحوں کے اس مخصوص قبیلے میں پائے جانے والے کئی قسم کے ویمپائر ہوتے ہیں۔ بعض دن میں سوتے ہیں رات میں جاگتے ہیں۔ بعض قبروں میں رہتے ہیں مگر بعض ان سب چیزوں سے ماورا ہوتے ہیں۔ ان کے مارنے کے سب سے مناسب طریقے دو ہی ہیں۔ چاندی کی گولیاں یا لکڑی کی میخ ان کے دل میں گاڑی جائے۔ لہٰذا میں نے چاندی کی گولیاں بنوالی تھیں' تبھی یہاں آیا تھا۔"

ابھی میں اتنا ہی کہہ سکا تھا کہ ایک ہراساں نوکر نمودار ہوا اور آتے ہی بولا۔

"جلدی چلیں صاحب۔ میم صاحب بلا رہی ہیں۔ وہ --- وہ وجے بابو۔"

وجے آنند کا چھوٹا بھائی تھا۔

جب ہم لڑکے کے کمرے تک پہنچے تو دروازہ توڑا جا رہا تھا۔ دروازہ ٹوٹا تو ہم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے بستر پر خون پڑا ہوا دیکھا اور بے چارہ نوجوان وجے ایک لاش کی صورت پڑا تھا۔ اس کا نرخرہ ادھڑا ہوا تھا۔

گویا ویمپائر نے یہ بات ثابت کر دی تھی کہ وہ ہمارا واہمہ نہ تھا۔

وہ رات بڑی لمبی تھی اور بڑی مشکل سے ختم ہوئی۔ ہم سب نے جاگتے گزاری تھی۔ وجے کی ماں بالکل ساکت ہو گئی تھی۔ ایک ڈاکٹر لایا گیا اور اس کے بعد پولیس آئی۔ مجھ سے بھی بہت سے سوالات کئے گئے۔ میرے ریوالور اور بلٹ کو دیکھا گیا۔ میرا لائسنس اور شناخت نامہ چیک ہوا۔

یہ کیس غالباً" آنند کی ایما پر دبا دیا گیا یا پھر غالباً" پولیس کچھ سوچ بچار میں تھی۔ کیونکہ ان کے حلق سے ویمپائر والی بات تو اترنے والی نہ تھی۔

آج صبح انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں جا سکتا ہوں۔ مجھ سے یہ بھی کہا گیا کہ میں اس کیس کو پبلک میں نہ لاؤں۔ آنند اپنے بقیہ اہل خانہ کے ساتھ اسی روز ایک سرکاری مکان میں چلا گیا تھا۔ اب اس گھر میں رہنے کی کسی کو جرات نہیں تھی۔"

دلیپ نامی وہ مسافر جب تک یہ کہانی سناتا رہا' میں نے درمیان میں بہت کم مداخلت کی۔ صرف تعجب کا اظہار کرتا رہا۔ ایک جگہ ہم نے چائے ضرور پی تھی اور بس۔

بڑی ہی عجیب اور ناقابل یقین تھی یہ کہانی۔ میں نے تبصرہ کیا۔ "واقعی تم مقدر کے اچھے تھے کہ بچ کر جا رہے ہو۔"

"ہاں۔" دلیپ نے کہا۔ "بس میری احتیاط کام آ گئی تھی۔ اگر میں نے سپیشل قسم کی گولیاں نہ استعمال کی ہوتیں تو وہ ویمپائر میرا نرخرہ ادھیڑ دیتا۔"

شام ہو چلی تھی اور اب کمپارٹمنٹ میں اندھیرا ہو رہا تھا۔ ہماری گاڑی سنسان میدانوں سے گزر رہی تھی۔ میں باہر دیکھتے دیکھتے اور بور ہو چلا تھا۔

"ذرا بجلی جلا دو۔" دلیپ نے مجھ سے کہا۔

"ابھی جلاتا ہوں۔" میں نے کہا مگر اٹھا نہیں پھر میں نے پوچھا۔ "ذرا ایک بات تو بتاؤ۔ تم نے کہا تھا۔ ویمپائر بالکل عام آدمی جیسا تھا۔ عام سے کپڑوں میں۔

پھر آخر تم نے یہ کیسے جانا کہ وہ ایک ویمپائر ہے؟"

"اس کی چمکتی ہوئی۔ خون کبوتر جیسی آنکھوں سے۔" دلیپ نے کہا۔ "کسی نارمل انسان کی آنکھیں ایسی نہیں ہوتیں۔"

میں نے اپنا سیاہ چشمہ ہٹایا اور پہلی بار میں نے پوری طرح اس کی جانب دیکھا۔ میں نے گھورتے ہوئے اپنی آنکھوں کی سمت اشارہ کیا اور پوچھا۔

"کیا وہ آنکھیں ایسی تھیں؟"

اس کی نگاہیں میرے چہرے پر پڑیں اور خوف سے اس کے نقوش مسخ ہو کر رہ گئے۔ پھر قبل اس کے کہ اس کے کھلتے ہوئے منہ سے کوئی چیخ ابھر سکتی۔ میں نے اس پر چھلانگ لگا دی اور اس کا نرخرہ ادھیڑ کر رکھ دیا۔

☆☆☆

سٹاکسٹ :

مکتبہ قابل- اردو بازار لاہور

کتب خانہ مقبول عام- فیصل آباد

ممتاز پبلشرز- اردو بازار کراچی

وحید بک ڈپو- ڈونگہ بونگہ

Ph : (0691)-560176-560076

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناگ نگر

کئی برس پہلے جوناڑ کا علاقہ ایک بنجر میدان تھا۔ دور دور تک بے جان زمین نظر آتی تھی۔ اس زمانے میں جوناڑ کے ارد گرد چند میل کے فاصلے پر ہندوؤں کی بہت سی بستیاں آباد تھیں۔ ان بستیوں میں بسنے والے لوگوں نے شاید کبھی سوچا بھی نہ ہو گا کہ کبھی جوناڑ بھی ہنستے بستے علاقے میں بدل جائے گا۔

انہی دنوں کی بات ہے کہ ان بستیوں میں رہنے والوں پر ایک عجیب مصیبت نازل ہوئی۔ سبز رنگ کے باریک باریک لمبے سانپوں نے ان بستیوں پر حملہ کر دیا۔ جس شخص کو یہ سانپ ڈس لیتے وہ پلک جھپکتے میں تڑپ کر بے جان ہو جاتا اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد اس مرنے والے کے جسم سے ویسے ہی ہرے سبز رنگ کے باریک باریک لمبے لمبے سانپ نکل کر بستی میں پھیلنے لگتے۔ کوئی نہ سمجھ پاتا کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ بستی میں مرنے والوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔

ایک روز نہ جانے کہاں سے ایک بہت بوڑا شخص انہی بستیوں میں آیا۔ وہ عجیب پراسرار سا آدمی تھا۔ اس کے سارے بدن پر لمبے لمبے سفید بال تھے اور اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ اس نے بتایا کہ یہ سبز سانپ نوناڑ سے آئے ہیں۔ ان میں سے ہر سانپ کی زندگی زیادہ سے زیادہ دو دن ہوتی ہے۔ ان کی تعداد کم کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ جس شخص کو یہ ڈس لیں' اس کی لاش کو جوناڑ کے میدان میں چھوڑ آیا جائے۔ تاکہ اس کی لاش سے نکلنے والے سانپ بستی میں نہ آ سکیں۔

اس پراسرار شخص نے ایک حیرتناک بات یہ بھی بتائی کہ ان سبز سانپوں میں کوئی زہر ہوتا ہے نہ مادہ۔ بلکہ ان کا زہر جونہی ان کے جسم سے باہر نکلتا ہے ایک سانپ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس پراسرار شخص نے اسی قسم کی اور بھی بہت سی باتیں بتائیں جن پر شاید آج کے لوگ قطعاً" یقین نہ کریں گے۔

بستی والوں نے بوڑھے کی ہدایت پر عمل کیا اور یوں کسی حد تک ان زہریلے سانپوں سے نجات پا لی۔

تقریباً" سولہ برس بعد ایک زبردست زلزلہ آیا۔ جوناڑ کے اردگرد ساری بستیاں بالکل تباہ ہو گئیں۔ کچھ بھی باقی نہ بچا' نہ انسان نہ حیوان۔ ہاں' وہ سفید قبر اس زلزلے سے بھی متاثر نہ ہوئی۔

جوناڑ کے میدان کے بالکل درمیان میں ایک سفید قبر تھی۔ اس قبر پر نہایت قیمتی سفید پتھر لگا ہوا تھا۔ جب دھوپ پڑتی تو یہ قبر دمک اٹھتی۔ اب یہ معلوم نہیں کہ وہ' واقعی کوئی قبر تھی یا کچھ اور۔ بہرحال' بظاہر وہ ایک قبر ہی لگتی تھی۔ کسی شخص کو بھی نہیں معلوم تھا کہ یہ قبر اس میدان میں کب سے ہے۔

وقت گزرتا گیا۔ جوناڑ کے میدان میں کبھی مندر بن جاتا اور کبھی قبرستان' ایک زمانے میں اردگرد کے علاقوں میں بسنے والے لوگ اپنے مردے بھی یہاں لا کر جلایا کرتے تھے۔ مگر ہر زمانے میں وہ سفید سنگ مرمر کی قبر بالکل صحیح سلامت قائم رہی۔ لگتا تھا جیسے اسے ابھی ابھی بنایا گیا ہو۔

پھر حکومت نے جوناڑ کے علاقے کو چھوٹے چھوٹے پلاٹوں میں تقسیم کر کے غریب اور کم آمدنی والے لوگوں سے آباد کر دیا۔ سو برس پہلے والا بنجر جوناڑ بھری پری بستی میں بدل گیا۔ یہاں رہنے والے لوگوں کی تعداد کا تعلق غریبوں کے سب سے نچلے طبقے سے تھا۔ جس طرف نظر اٹھاؤ' کچے پکے مکان دکھائی دیتے تھے۔ یہ جگہ بڑی گنجان آباد تھی مگر اس سفید قبر کے اردگرد تقریباً" چار کنال زمین بالکل خالی پڑی تھی۔ کسی بھی شخص نے یہاں مکان بنانے کی کوشش نہ کی۔

ایک روز نہایت حیرت انگیز طور پر قبر کے اردگرد والی زمین پر ایک بہت قیمتی مکان کی تعمیر شروع ہوئی۔ شہر سے ٹرالیوں پر اینٹیں' مٹی اور دوسرا عمارتی سامان لایا گیا۔ مکان کی تعمیر کا کام ایک ٹھیکیدار کروا رہا تھا۔ اس کے پاس کوئی پچاس کے قریب مزدور تھے جو ہر لمحے کام کرتے رہتے تھے۔ چھوٹی چھوٹی سیاہ چمکیلی آنکھوں والے یہ مزدور کئی روز مسلسل محنت کرتے رہے۔ آخر مکان مکمل ہو گیا۔ مکان کیا تھا۔ ایک محل تھا۔ سفید محل۔ جس کے اندر باہر ہر طرف سفید سنگ مرمر لگا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس مکان میں بہت سے کمرے تھے۔ درمیان والے کمرے کے بالکل وسط میں وہی سفید قبر تھی جو نہ جانے کب سے موجود تھی۔ کچے پکے مکانوں کی بستی میں اس قدر قیمتی مکان کی تعمیر ایک عجیب سی بات تھی۔ مگر کبھی کسی موقع پر بستی کے کسی شخص نے اس بات پر کسی طرح کا اظہار حیرت نہ کیا۔ کبھی کبھی تو لگتا جیسے وہ اس نئے مکان کی تعمیر سے بہت خوش ہیں۔ بستی والوں کو بظاہر' نہ یہ معلوم تھا کہ یہ نیا مکان کس کا ہے اور نہ یہ کہ اس میں کون رہے گا؟ مگر کبھی کبھی یوں لگتا جیسے وہ سب کچھ جانتے ہوں۔

جوناڑ کی اس بستی میں تمام ہندو رہتے تھے۔ دو شخص عیسائی بھی تھے۔ جیمسن اور ڈیوڈ۔ یہ دونوں باپ بیٹا تھے اور بستی کے گھروں کی چوکیداری کا کام کیا کرتے تھے۔

کچھ عرصہ پہلے جوناڑ اور ارد گرد کے دوسرے علاقوں میں چوروں نے اپنی سرگرمیاں کچھ زیادہ ہی تیز کر دیں۔ راتوں رات گھروں کے گھر لوٹ لئے جاتے۔ مگر پولیس اپنی تمامتر کوشش کے باوجود کسی چور کو نہ پکڑ پائی۔ حالات خراب ہوتے جا رہے تھے۔ آخر علاقے کی اہم شخصیات نے مل بیٹھ کر فیصلہ کیا کہ بستی میں دو چوکیدار متعین کر دیئے جائیں تاکہ وہ رات کو پہرہ دے سکیں۔ اس سلسلے میں حکومت سے مدد لی گئی۔ ہر بستی کے لئے دو چوکیداروں کا انتظام کیا گیا۔ گو کہ جوناڑ میں چوری کی واردات نہیں ہوئی تھی مگر پھر بھی احتیاط کے طور پر یہاں بھی دو چوکیدار متعین کر دیئے گئے۔

کئی برس بیت گئے۔ چوروں کی سرگرمیاں ماند پڑ گئیں۔ لوگ آرام اور اطمینان سے رہنے لگے۔ جوناڑ کے سفید محل میں رہنے کو کوئی بھی نہ آیا۔ وہ حسین عمارت یونہی ویران پڑی رہی۔ جنگلی بیلیں' اس سفید عمارت کے اردگرد اگتی گئیں۔ خودرو درختوں نے عمارت کو گھیر لیا۔ اور ایک وقت ایسا آیا کہ سفید عمارت سبز بیلوں اور درختوں میں چھپ گئی۔

سردیوں کی آمد آمد تھی۔ بارشوں کا موسم تھا۔ وہ رات بہت اندھیری تھی۔ سارا دن پانی برستا رہا تھا۔ رات کو کچھ توقف ہوا۔ جیمسن اور ڈیوڈ بستی کے دونوں

چوکیدار بستی کا چکر لگانے باہر نکلے۔ آسمان اب بھی بادلوں کی چادر اوڑھے ہوئے تھا۔ کبھی کوئی بوند اس چادر کو چیر کر زمین پر آ پڑتی۔ پانی میں نہائے ہوئے درختوں سے قطرہ قطرہ پانی ٹپک رہا تھا۔ جیمسن نے لالٹین تھام رکھی تھی اور اس کے بیٹے ڈیوڈ نے لاٹھی سنبھالی ہوئی تھی۔ وہ دونوں اس خاموش ماحول میں دھیرے دھیرے قدم بڑھاتے اس سفید عمارت کی طرف بڑھ رہے تھے۔ سفید عمارت بستی کا آخری کونہ تھی۔ اس کے بعد اور کوئی مکان نہ تھا۔ اچانک ہوا کا ایک زوردار جھونکا آیا اور لالٹین کو بجھا گیا۔ سرد ہوا کے اس اچانک جھونکے نے جیمسن اور ڈیوڈ کے جسم سن کر دیئے۔

جیمسن نے جیب سے ماچس نکال کر بیٹے کو پکڑائی اور بولا۔ "ڈیوڈ۔ لالٹین روشن کرو۔"

اس نے دیاسلائی ڈبیا سے نکالی۔ وہ اسے جلایا ہی چاہتا تھا کہ اچانک سامنے سے کیلاش کے گھر کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ دونوں باپ بیٹا چونک گئے۔ اندھیرے میں انہیں کچھ بھی صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ انہیں یوں محسوس ہوا کہ جیسے کوئی مکان سے نکل کر سفید عمارت کی طرف گیا ہے۔

"یہ کون ہو سکتا ہے؟" جیمسن نے سرگوشی کی۔

"آؤ بابا۔ چل کر دیکھیں۔" ڈیوڈ نے باپ سے کہا۔

وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتے سفید عمارت کی طرف چل پڑے۔ ان کا شک صحیح تھا۔ کیلاش کے مکان سے کوئی عورت نکل کر سفید عمارت کی طرف جا رہی تھی۔ سبزے میں ڈھکی ہوئی سفید عمارت کے دروازے پر پہنچ کر وہ عورت ایک لمحے کو ٹھہری۔ ڈیوڈ نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ پہچان گیا۔ وہ گیتا تھی۔ کیلاش کی منجھلی بیٹی۔ ڈیوڈ نے اسے کئی بار چوری چھپے نظر بھر کر دیکھا تھا۔ وہ کئی مرتبہ ساری ساری رات اس کے پاس رہی تھی' خواب کی وادی میں۔ گیتا عمارت میں داخل ہو گئی۔ جیمسن اور ڈیوڈ بھی سہمے سہمے اس کے پیچھے پیچھے عمارت میں داخل ہو گئے۔

گیتا عمارت کے مختلف کمروں میں ایسے گھوم رہی تھی جیسے وہ اس جگہ سے بہت اچھی طرح واقف ہو۔ وہ درمیان والے کمرے میں پہنچ گئی۔ قبر والے کمرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔ جیمسن اور ڈیوڈ اس کمرے سے باہر ہی ٹھہر گئے۔ گیتا نے قبر کو بوسہ دیا۔ قبر جگمگانے لگی۔ وہ کمرہ روشن ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ قبر ایک طرف سے کھل گئی۔ سبز رنگ کا ایک ناگ باہر نکلا اور گیتا سے لپٹ گیا۔

کانتا عجیب مستی کے عالم میں تھی۔ چند لمحوں بعد ناگ اس کے بدن سے الگ ہو گیا۔ کمرے میں کچھ ساعتوں کے لئے اندھیرا ہو گیا اور پھر خود بخود ایک بار پھر ہر طرف روشنی پھیل گئی۔

ڈیوڈ نے بالکل وہی منظر دیکھا جو وہ کئی بار خواب میں دیکھ چکا تھا۔ گیتا بالکل عریاں کھڑی تھی۔ مگر ایک عجیب بات تھی کہ اس کے سارے بدن پر سبز رنگ کی لمبی لمبی باریک لکیریں نقش تھیں۔ لگتا تھا جیسے اس کے مرمریں بدن پر بہت سے سانپ رینگ رہے ہوں۔

وہ سبز ناگ اپنی جگہ سے ہلا اور ایک بار پھر گیتا کے بدن سے لپٹ گیا۔ اسی لمحے سفید عمارت بین کی آواز سے گونجنے لگی۔ گیتا اور ناگ بے خودی کے عالم میں رقص کرنے لگے۔

وہ ناچتے رہے اور جیمسن سوچتا رہا کہ یہ سب کیا ہے؟

ڈیوڈ کی نظریں گیتا کے چکنے بدن پر پھسلتی چلی گئیں۔ یہ سب کچھ بہت دیر تک یونہی ہوتا رہا۔ پھر اچانک' نہ جانے کیسے ناگ کی نظر ڈیوڈ اور جیمسن پر پڑ گئی۔ اس نے قہر آلود نگاہوں سے ان دونوں کو گھورا اور وحشت ناک آواز میں پھنکارا۔ بین کی آواز بند ہو گئی۔ گیتا نے بھی ان دونوں کو دیکھ لیا۔ اس نے فوراً" اپنے ہاتھ اپنے عریاں بدن کے گرد لپیٹ لئے۔ شاید وہ اپنا حسن عام نہیں کرنا چاہتی تھی۔

ناگ کی پھنکار میں عجیب تاثیر تھی۔ وہ جونہی پھنکارا' جیمسن اور ڈیوڈ کے بدن میں سوئیاں سی چبھنے لگیں۔ ان دونوں کو نہ تو کچھ دکھائی دے رہا تھا نہ سنائی دے رہا تھا۔ انہوں نے آپس میں بات کرنے کی کوشش کی مگر زبانیں ہل نہ سکیں۔ تھوڑی دیر تڑپنے کے بعد ڈیوڈ اور جیمسن کے جسم ساکت اور خاموش ہو گئے۔

صبح ہوئی تو نہ جانے کہاں سے چھوٹے بڑے لمبے لمبے اور باریک سبز سانپ سفید عمارت میں آنا شروع ہو گئے۔ وہ سب جیمسن اور ڈیوڈ کے بے جان جسموں

کے گرد جمع ہو گئے۔

کچھ دیر بعد سفید قبر ایک جگہ سے شق ہو گئی۔ وہی سبز ناگ باہر نکلا۔ پھر وہ سب مل کر جیمسن اور ڈیوڈ کے مردہ جسموں کو ڈسنے لگے۔ سفید عمارت بین بجنے کی آواز سے ایک بار پھر گونج اٹھی۔

ایک اور عجیب بات ہوئی۔ جیمسن اور ڈیوڈ کے جسم پر جس جگہ بھی کوئی سانپ ڈستا' وہیں سے ایک اور سبز سانپ نکل آتا۔

ڈیوڈ اور جیمسن کی روحیں' اپنے جسموں کو پامالی سے بچانے کے لئے شاید بستی والوں کو پکار رہی ہوں۔ مگر بستی والے تو وہیں موجود تھے --- یا وہی تو ان کے جسم پامال کر رہے تھے۔

ناگ نگر کے باسی --- انسانوں کا ساتھ کیسے دے سکتے تھے؟

☆☆☆

بدروحوں کا مسکن

☆.....ایک ڈاکٹر کی کہانی جو اپنی منگیتر کے غائب ہونے پر پاگل ہو گیا۔

☆.....جستجو اُسے ایک ایسی جگہ لے گئی جو بدرُوحوں کا مسکن تھا۔

☆.....اس کی منگیتر بھی بدرُوح بن چکی تھی اور پوری بستی کے مُردے بھی وہاں زندہ لاشوں کی صورت میں موجود تھے۔

☆.....ان کو غلام بنانے والا کون تھا؟

حیرت اور اسرار میں ڈوبی ہوئی ایک طویل داستان اور دیگر خوفناک کہانیاں

قیمت: 100-00 روپے

فیضان اکیڈمی راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

قبر میں ملاقات

جب ایک دن میرے قریبی دوست جوزف نے مجھے بتایا کہ لندن کے ایک محلے میں ایک مکان آسیب زدہ ہے اور اس میں رہنا تو درکنار' کوئی اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتا تو یہ سنتے ہی میں اچھل پڑا۔ میں نے تفصیلات معلوم کیں۔ پتا چلا کہ میرا یہ دوست اس آسیب زدہ مکان میں ایک دو دن گزار کر بھاگ نکلا اور اب وہاں ایک بوڑھی عورت کے سوا کوئی نہیں رہتا۔ اس بڑھیا کو مالک مکان مسٹر کلیمنٹ نے وہاں رہنے کا حکم دے رکھا ہے تاکہ مکان کی دیکھ بھال کرتی رہے۔

میں اسی وقت نائس سٹریٹ کی طرف روانہ ہوا کہ یہ آسیب زدہ مکان یہیں واقع تھا۔ نائس سٹریٹ کے بارے میں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہاں شریف اور معزز لوگ رہتے ہیں۔

مجھے یہ مکان ڈھونڈنے میں کچھ زیادہ دقت نہیں ہوئی۔ اس کے درودیوار پر کائی کی گہری تہہ جمی ہوئی تھی۔ جابجا پلستر اکھڑ چکا تھا اور خستہ اینٹیں جھانک رہی تھیں۔ دروازہ بند تھا اور مکان کے اندر ایک ہولناک خاموشی طاری تھی۔ میں نے تین چار مرتبہ دروازے پر دستک دی مگر کوئی جواب نہ آیا۔ میں نے سوچا مالک مکان مسٹر کلیمنٹ کا اتاپتا معلوم کروں' اس کے بعد اسے کرائے پر لینے کی کوشش کروں گا۔

یہ سوچ کر میں وہاں سے پلٹا ہی تھا کہ سامنے ہی ایک چھوٹے سے ٹی سٹال پر کھڑے لڑکے نے مجھ سے پوچھا۔

"کہئے جناب۔ میں آپ کی کوئی خدمت بجا لا سکتا ہوں؟"

"بھئی میں اس سامنے والے مکان کے بارے میں کچھ جاننا چاہتا ہوں۔ سنا ہے یہ مکان ان دنوں کرائے کے لئے خالی ہے؟"

لڑکے نے حیرت اور خوف سے آنکھیں نکال کر جواب دیا۔ "آپ یہ مکان

کرائے پر لیں گے؟ معلوم ہوتا ہے کسی نے آپ کے ساتھ دشمنی کی ہے جو اس کا پتا بتا دیا۔ جناب والا۔ شاید آپ نہیں جانتے کہ ایک بڑھیا جو یہاں رہتی تھی۔ چند روز قبل پراسرار حالات میں مردہ پائی گئی۔ لوگ کہتے ہیں اسے آسیب نے مار ڈالا۔"

"اچھا؟" میں نے بھی مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کیا۔ "بہرحال یہ بتاؤ کہ اس مکان کا مالک کہاں ملے گا؟"

"آپ مسٹر کلیمنٹ کا پتا پوچھتے ہیں۔ اس گلی کا آخری مکان ان کا ہے لیکن میں آپ کو خبردار کئے دیتا ہوں کہ مکان کرائے پر لینے کا ارادہ چھوڑ دیجئے' یہاں کوئی بھی مستقل طور پر نہیں رہ سکا۔ آپ بھی چند دن بعد نکل جائیں گے۔ آگے آپ خود سمجھ دار ہیں۔"

میں نے لڑکے کے اس پرخلوص مشورے کا شکریہ ادا کیا اور مسٹر کلیمنٹ سے ملنے چلا۔ خوش قسمتی سے وہ مکان پر موجود تھے۔ وہ سن رسیدہ اور خوش مزاج آدمی ثابت ہوئے۔ میں نے ان سے اپنا نام عرض کیا اور آنے کی مفصل وجہ بیان کی کہ میں نے سنا ہے آپ کے اس مکان میں آسیب ہے۔ میرا بہت جی چاہتا ہے کہ آسیب کی اصلیت معلوم کروں۔ نہایت کرم ہو گا اگر آپ یہ مکان مجھے کرائے پر دے دیں۔ کرایہ جو آپ طلب فرمائیں گے' میں حاضر کروں گا۔

مسٹر کلیمنٹ نے نہایت انکساری سے کہا۔ "ارے صاحب۔ یہ آپ کیا فرماتے ہیں۔ مکان آپ کا ہے جب تک جی چاہے' اس میں رہئے۔ کرائے کا کیا ذکر۔ میں الٹا آپ کی خدمت میں کچھ نذرانہ پیش کرنے کو تیار ہوں کہ آپ کی وجہ سے مکان کی بدنامی دور ہو جائے' ورنہ ادھر کا رخ کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا۔ تاہم میں آپ کو دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں اگر آسیب وغیرہ کا کوئی وجود ہے تو میں واضح طور پر کہے دیتا ہوں کہ اس مکان میں آسیب کا گزر ہے۔ اس کی تاثیر رات کے علاوہ دن کے وقت بھی ہوتی ہے۔ تاہم رات کو ڈر زیادہ لگتا ہے۔ ایک بڑھیا اس مکان میں رہتی تھی۔ چند روز ہوئے وہ مر گئی۔ اس کے مرنے سے لوگ خائف ہیں۔ اب اس میں مفت رہنا تو ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف' کچھ لے کر بھی کوئی رہنے کو تیار نہیں۔"

میں نے پوچھا۔ "آخر کتنے عرصے سے اس مکان کا یہ حال ہے؟"

مسٹر کلیمنٹ کہنے لگے۔ "صحیح یاد نہیں مگر اتنا کہہ سکتا ہوں کہ تیس چالیس برس سے زائد ہی ہو گئے ہوں گے۔ قصہ یہ ہے کہ جب میرے چچا نے وفات پائی اور ان کی تمام جائیداد میرے قبضے میں آئی' تو میں یہاں آیا۔ یہ مکان پہلے چچا کی ملکیت میں تھا اور میں نے اسے اسی ہیئت میں پایا۔ تب لوگوں نے مجھ سے کہا تھا کہ اس میں آسیب ہے اور یہاں کوئی نہیں رہ سکتا۔ یہ سن کر مجھے ہنسی آئی اور میں نے کہا۔ کیا بیہودہ بات ہے۔ دنیا میں بھوت پریت کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ سب وہم ہے۔ بہرحال میں نے مکان کی مرمت وغیرہ کرائی اور اس میں ایسے اضافے بھی کئے جو پہلے یہاں نہ تھے۔ ایک کرائے دار بھی سال بھر کے لئے ٹھہرایا۔ یہ شخص فوج میں کرنل تھا جو پنشن لے کر آیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک لڑکا' ایک لڑکی اور پانچ نوکر تھے۔ لیکن یہ لوگ ایک ہی رات اس مکان میں رہنے کے بعد دہشت زدہ ہو کر نکل بھاگے۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے تجربات اور مشاہدات الگ الگ نوعیت کے بیان کئے۔ اس کے بعد کئی کرائے دار آئے اور گئے۔ کوئی جی دار ہی ایسا ہو گا جو دو دن سے زیادہ اس میں رہ پایا ہو' ورنہ ہوتا یہ تھا کہ ادھر کوئی آیا اور اگلے ہی روز فرار ہو گیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ دو آدمیوں نے ایک کیفیت کبھی نہیں دیکھی بلکہ ہر ایک کے مشاہدات الگ تھے۔ بہرحال اب آپ بھی اس میں رہ کر دیکھ لیں۔"

"اب تو میں ضرور رہوں گا۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "مگر یہ تو بتایئے کہ آپ خود بھی اس مکان میں رہے ہیں؟"

"جی ہاں۔" مسٹر کلیمنٹ نے اثبات میں گردن ہلائی۔ "ایک دن تین چار گھنٹے تک رہنے کا اتفاق ہوا تھا۔ لیکن میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ ان تین چار گھنٹوں ہی نے میری طبیعت صاف کر کے رکھ دی اور مجھے یقین ہو گیا کہ مکان ضرور آسیب زدہ ہے اسی لئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس مکان میں رہنے سے باز آ جائیں۔"

لیکن میں باز آنے والا نہ تھا۔ لہٰذا تھوڑے سے بحث مباحثے کے بعد مسٹر کلیمنٹ نے مکان کی کنجی نکال کر میرے ہاتھ پر رکھ دی اور میں نے ان کا شکریہ ادا کر کے اپنے گھر کا راستہ لیا۔ آتے ہی میں نے اپنے پرانے نوکر جونز کو بلایا۔ وہ نہایت قوی ہیکل اور نڈر آدمی تھا اور اس قسم کی بے شمار آسیب زدہ مہموں میں میرا ساتھ دے چکا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔

"جونز۔ تمہیں یاد ہو گا جرمنی کے اس اجاڑ اور ویران قلعے میں ہم نے کیسا کیسا اس بھوت کو ڈھونڈا تھا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ بڑا ظالم اور بے سر کا ہے' مگر کچھ پتا نہ لگا۔ آج لندن کے اندر ایک مکان دیکھنے میں آیا ہے جس کی شہرت آسیب کے باعث بہت پھیلی ہوئی ہے۔ میرا ارادہ ہے آج رات وہاں رہ کر ذرا دیکھوں کہ کیا ہوتا ہے۔ خود مالک مکان کا کہنا ہے کہ اس میں آسیب موجود ہے۔ بولو وہاں چلتے ہو؟"

اس نے خوش ہو کر کہا۔ "جناب۔ اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے' جان تک آپ سے عزیز نہیں۔"

میں نے آسیب زدہ مکان کی کنجی جونز کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے تم سے یہی امید تھی۔ یہ کنجی لو اور نائس سٹریٹ چلے جاؤ۔ آسیب زدہ مکان کا پتا کسی سے بھی پوچھ لینا۔ دروازہ کھول کر اندر چلے جانا اور ایک کمرہ رات بھر رہنے کے لئے پسند کر لینا۔ روشنی وغیرہ کا سامان بھی اپنے ساتھ لے جانا۔ تلوار اور طمنچہ بھی لیتے جاؤ۔ اچھی طرح مسلح رہنا اور یاد رکھو' کوئی آسیب اور بھوت انسان کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

جونز کو ادھر روانہ کر کے میں مختلف کاموں میں مصروف ہو گیا اور آسیب زدہ مکان کا خیال بھی ذہن میں نہ رہا۔ شام کو کھانے سے فارغ ہو کر میں نے اپنی کتابوں کے ذخیرے میں مکالموں کی ایک کتاب اٹھائی جو انسانی ذہن کے اسرار پر تصنیف کی گئی تھی۔ معلوم ہوا کہ آسیب زدہ مقامات پر مکالمے کے حکیمانہ خیالات کا استحضار بہت مفید رہے گا۔ چنانچہ وہ کتاب بھی بغل میں دبائی اور رات ساڑھے نو بجے کے قریب خراماں خراماں اس مکان کی طرف روانہ ہوا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے اپنے پالتو کتے کو بھی ساتھ لے لیا جو بہت ہوشیار اور بڑے بڑے ہولناک ویرانوں میں میرے ساتھ رہ چکا تھا۔ گرمیوں کی سہانی رات تھی آسمان پر ہلکا ہلکا ابر چھایا ہوا تھا۔ چاند نکلا تو ضرور تھا مگر اس نے اس کی روشنی دبا رکھی تھی تاہم احساس ہوتا تھا کہ پچھلی شب چاندنی کا سماں دیکھنے کے لائق ہو گا۔

☆○☆

میں نے آسیب زدہ مکان پر پہنچتے ہی دروازہ کھٹکھٹایا۔ جونز نے فوراً" دروازہ کھولا اور کہنے لگا۔ "ابھی تک تو سب خیریت ہے۔ کوئی آسیب نظر نہیں آیا۔ حالانکہ میں اس کا منتظر ہوں۔"

میں نے کہا۔ "یہ تو بہت افسوس کی بات ہے کہ تم نے کوئی خوفناک بات نہیں دیکھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا وقت بیکار جائے گا۔"

"میرا خیال ہے یہاں کچھ نہ کچھ ہے ضرور۔" جونز کا لہجہ سنجیدہ تھا۔ بلاشبہ میں نے ابھی تک کچھ دیکھا نہیں مگر پہلے کسی کے پاؤں کی آہٹ مجھے سنائی دی پھر یوں لگا جیسے میرے کان میں کوئی چپکے چپکے کچھ کہتا ہے۔"

"بہت خوب۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔ "تمہیں ڈر ور تو نہیں لگا؟"

"مطلق نہیں۔" جونز نے مسکرا کر جواب دیا۔ "آپ جانتے ہیں ہم ایسی باتوں سے گزر چکے ہیں۔"

ابھی ہم آپس میں یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ باہر کا دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ میرا پالتو کتا پہلے تو ادھر ادھر خوب دوڑا' پھر دروازے کو پنجوں سے کھرچنے لگا۔ گویا یہاں سے بھاگ جانا چاہتا ہے۔ میں نے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور چمکارا' پھر دوڑ کر میرے اور جونز کے پیچھے پیچھے ہی مکان کے اندر آیا۔

اب ہم نے نیچے کے کمرے دیکھنے شروع کئے۔ باورچی خانہ اور پھر تہہ خانہ ذرا غور سے دیکھا۔ تہہ خانے میں بہت سی خالی بوتلیں پڑی تھیں اور جابجا مکڑیوں نے جالے تان رکھے تھے۔ ہوا بھی خاصی کثیف اور ناگوار تھی۔ اندازہ ہوتا تھا کہ برسوں سے ادھر کوئی نہیں آیا۔ تہہ خانے کے قریب ہی ایک چھوٹی سی کوٹھڑی تھی۔ اس کی دیواریں بلند تھیں۔ تعجب ہوا کہ کوٹھڑی کی دیواریں نم آلود ہیں اور

فرش بھی کسی قدر گیلا تھا۔ جونہی میں نے اس فرش پر قدم رکھا میرا پاؤں پھسلا۔ کیا دیکھتا ہوں میرے عین سامنے فرش پر کسی نادیدہ ہستی کے پاؤں کا خود بخود ایک نشان بن گیا۔

یہ تماشا دیکھتے ہی میں رک گیا اور جونز کا ہاتھ پکڑ کر میں نے پاؤں کا وہ پراسرار نشان اسے دکھایا۔ دفعتہ" دوسرا نشان آپ ہی آپ فرش پر نمودار ہوا۔ ہم نے بڑھ کر اسے بھی دیکھا اور چاہا کہ رک کر اسے اچھی طرح دیکھیں لیکن رک نہ سکے کیونکہ جوں جوں ہم آگے بڑھ رہے تھے' ویسے ہی نت نئے نشان بنتے چلے جاتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی ہمارے آگے آگے چل رہا ہے۔

پاؤں کے یہ نشان بتاتے تھے کہ کوئی چھوٹا بچہ ہے۔ بہرحال جب ہم دیوار کے قریب پہنچے' تو یہ نشان غائب ہو گئے اور واپس پلٹتے ہوئے بھی ظاہر نہ ہوئے۔

تہ خانے سے نکل کر ہم دونوں اس عمارت کی دوسری منزل میں آئے اور ایک ایک کمرے کا معائنہ شروع کیا۔ ایک کمرہ کسی قدر صاف ستھرا اور روشن نظر آتا تھا۔ یہاں ایک دو کرسیاں بھی موجود تھیں اور خستہ سی میز بھی پڑی تھی۔ میں ایک کرسی پر دم لینے بیٹھ گیا اور جونز نے شمع روشن کر کے میز پر رکھ دی۔ میں نے اس سے کہا۔

"دروازہ بند کر دو۔"

یہ سن کر جونز جیسے ہی دروازہ بند کرنے چلا' ایک کرسی دیوار کے پاس سے خود بخود کھسک کر میرے قریب آئی اور تین فٹ کے فیصلے پر پہنچ کر رک گئی۔ یہ شعبدہ دیکھتے ہی کتا کان کھڑے کر کے بھونکنے لگا۔ جونز کو خود بخود کرسی کے کھسکنے کا علم نہ تھا' وہ پلٹ کر کتے کو خاموش کرانے لگا لیکن میں غور سے کرسی کی طرف دیکھتا رہا۔ چند لمحے بعد مجھے اس پر ایک زرد دھندلی دھندلی سی صورت بیٹھی ہوئی دکھائی دینے لگی' مگر اس کے خال و خط اس قدر موہوم تھے کہ مجھے اس کے وجود میں شک ہونے لگا اور خیال کیا کہ شاید نظر کا فریب ہے۔

کتا بھونک بھونک کر چپ ہوا تو میں نے کہا۔ "یہ کرسی اٹھا کر دیوار کے پاس رکھ دو۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جونز نے فی الفور کرسی اٹھا کر وہیں رکھ دی مگر پھر گھوم کر بولا۔ "کیا آپ نے میرے شانے پر تھپکی دی تھی؟"

میں نے نفی میں جواب دیا اور کہا۔ "بھلا مجھے کیا ضرورت پڑی تھی اور تم دیکھ رہے ہو کہ میں تو یہاں بیٹھا ہوں۔ غالباً" یہ وہی آسیب ہے اور ہمیں ڈرانے دھمکانے کی کوشش کر رہا ہے مگر تم جانتے ہو ہم ڈرنے والے نہیں ہیں۔"

اس کمرے میں ہم زیادہ دیر نہیں ٹھہرے کیونکہ یہاں ہمیں سردی کچھ زیادہ ہی لگنے لگی تھی۔ باہر نکل کر ہم نے اس کا دروازہ اچھی طرح بند کر دیا۔ جونز نے میری خواب گاہ کے لئے جو کمرہ چنا تھا وہ سب سے عمدہ تھا۔ اس میں گلی کی طرف دو کھڑکیاں کھلتی تھیں اور ایک دروازہ برابر والے کمرے کی جانب تھا جس میں جونز نے اپنا بستر لگایا تھا۔ اس کمرے میں ایک دروازے کے سوا دوسرا دروازہ نہ تھا۔

میرے بستر کے قریب ہی آگ جل رہی تھی جو اس وقت تک بہت صاف اور اچھی طرح روشن تھی۔ اس کمرے میں دو الماریاں بھی تھیں جنہیں کھولنے پر پتا چلا کہ ان میں کپڑے لٹکانے والی کھونٹیوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نے دیواروں کو ٹھونک بجا کر دیکھا' سب ٹھوس تھیں۔ اس کے بعد تھوڑی دیر دم لے کر میں سگار پیتا ہوا جونز کو ہمراہ لے کر مکان کے گشت کو چلا۔

جیسے ہی کمرے سے باہر آیا ایک بند دروازے پر نگاہ پڑی۔ جونز نے حیرت سے کہا۔

"ذرا اس دروازے کو دیکھئے۔ جب میں اس مکان میں آیا تھا تو میں نے سب کمرے کھول کھول کر دیکھے تھے' مگر یہ دروازہ شاید...."

ابھی اس کا جملہ ناتمام تھا کہ دروازہ خود بخود کھل گیا۔ ہم نے انتہائی حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ جونز بلند آواز سے کہنے لگا۔

"آسیب صاحب آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان باتوں سے ہم لوگ بھاگنے والے نہیں۔ ایسے ایسے تماشے بہت دیکھ چکے ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ کمرے میں گھس گیا۔ میں اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ کمرہ اندر سے سخت بوسیدہ اور ابتر حالت میں تھا۔ وہاں خالی دیواروں کے سوا کچھ نہ تھا اور نہ ایسی

جگہ جہاں سے چھپ کر کوئی شخص کارروائی کر سکے۔

ابھی ہم کھڑے ادھر ادھر کا جائزہ لے ہی رہے تھے کہ دروازہ پھر اسی طرح آہستہ آہستہ بند ہو گیا جس طرح کھلا تھا۔ گویا میں اور جونز اس بھیانک اور تاریک کمرے میں بند ہو چکے تھے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مجھ پر ہیبت طاری ہونا شروع ہوئی لیکن جونز ابھی تک اپنے حواس میں تھا۔ اس نے بڑھ کر دروازے پر ایک زور دار لات رسید کی مگر دروازہ نہ کھلا۔ تب اس نے پلٹ کر مجھ سے کہا۔

"فرمایئے' اب میں کیا کروں؟ دروازہ توڑ دوں؟"

ظاہر ہے اس کے سوا ہمارے پاس کوئی چارہ نہ تھا' چنانچہ جونز نے دروازے کے ساتھ زور آزمائی کا آغاز کیا۔ پھر میں بھی اس کی مدد کرنے لگا۔ لیکن آپ ہماری حیرت اور خوف کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ اتنی جدوجہد کے باوجود دروازے نے جنبش نہ کھائی۔ اب تو جونز کی آنکھوں میں بھی وحشت جھانکنے لگی اور وہ نڈھال ہو کر فرش پر بیٹھ گیا۔

دفعتاً" میں نے محسوس کیا کہ کمرے میں عجیب قسم کی بو پھیل رہی ہے۔ رفتہ رفتہ یہ بو اس قدر بڑھی کہ سانس لینا دشوار ہو گیا۔ جونز نے ایک بار پھر دیوانہ وار دروازہ کھولنے کی کوشش کی کہ یکایک دروازہ آپ ہی آپ کھل گیا۔

ہم دونوں لپک کر باہر نکل آئے۔ اب ایک ہلکی سی روشنی ہمارے آگے آگے چلی۔ جب ہم ایک کمرے میں داخل ہونے لگے تو وہ روشنی ایک گولے کی شکل میں بدل کر کمرے کے ایک گوشے میں ٹھہر گئی۔ ہم نے قریب جا کر دیکھا تو کچھ بھی نہ تھا۔ اس کے نزدیک ہی الماری میں ایک رومال پڑا دکھائی دیا۔ رومال میں سوئی اور دھاگا بھی لگا ہوا تھا اور دو خط ایک زرد دھاگے میں لپٹے رکھے تھے۔ میں نے وہ خط اٹھا لئے۔ اس کے بعد اور کوئی خاص بات ظاہر نہ ہوئی۔ وہ روشنی بھی دوبارہ دکھائی نہ دی لیکن کسی نادیدہ شخص کے قدموں کی چاپ وقفے وقفے سے برابر سنائی دیتی رہی۔

ہم نے مکان کے باقی برآمدوں کو بھی گھوم پھر کر دیکھا۔ مگر کوئی غیر معمولی چیز نہ پائی۔ میں وہ دونوں خط ہاتھ میں لئے ایک زینے سے اتر رہا تھا کہ کسی نے آہستہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے میری کلائی پکڑ کے چاہا کہ وہ خط چھین لے مگر میں نے خطوں کو مضبوطی سے پکڑے رکھا۔ اسی وقت نادیدہ ہاتھ نے میری کلائی چھوڑ دی۔ میں نے واپس اپنی خواب گاہ میں آکر دیکھا تو پتا چلا کہ اس مرتبہ کتا ہمارے ساتھ نہیں گیا تھا۔ بلکہ وہ آگ کے پاس بیٹھا بری طرح کانپ رہا تھا۔

مجھے ان خطوں کے دیکھنے کی جلدی تھی اس لئے انہیں کھول کر پڑھنا شروع کیا۔ جونز نے میرے ہتھیار بستر کے برابر میز پر رکھ دیئے' پھر کتے کو چمکارنے لگا لیکن کتے کی حالت خوف سے بری تھی۔

میں نے دیکھا کہ دونوں خط نہایت مختصر ہیں۔ ان کے آغاز میں لکھنے والے نے تاریخ بھی ڈال دی تھی جس سے معلوم ہوا کہ پچیس برس قبل کے لکھے ہوئے ہیں۔ ان کے مضمون سے پتا چلتا تھا کہ کسی چاہنے والے نے اپنی محبوبہ کو یا شوہر نے بیوی کو لکھے ہوں گے۔ طرز تحریر سے اتنا اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی ملاح ہے اور جاہلانہ املا کی غلطیاں واضح کرتی تھیں کہ لکھنے والا جاہل آدمی ہے۔ خطوں میں جو اظہار الفت کیا گیا تھا' اس سے پتا چلتا تھا کہ یہ محبت پاک صاف نہ تھی اور بعض باتیں بڑی واہیات لکھی تھیں۔ مثلاً" --- "ہمیں راہ الفت سے منہ نہ موڑنا چاہئے اور نہ راز کو افشا ہونے دینا چاہئے۔ دیکھو۔ ہر ایک سے تعلق نہ رکھنا۔ جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ اب جب تک دم میں دم ہے' تمہاری یاد ہے اور ہم ہیں۔"

میں ان خطوں کے مضمون پر غور کرنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی خیال آیا کہ ایسا نہ ہو یہ تصورات بڑھتے بڑھتے توہمات بن جائیں اور کچھ اثر پیدا کریں۔ یہ سوچ کر میں نے اپنے خیالات درست کئے اور مستعد ہو گیا کہ خواہ کیسا ہی ڈراؤنا واقعہ پیش آئے مگر میں ہرگز نہ ڈروں گا۔ اس کے بعد میں نے اٹھ کر آگ ذرا تیز کی اور مکالے کی کتاب دیکھنے لگا۔

ساڑھے گیارہ تک میں اطمینان سے کتاب میں گم رہا' پھر آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں' تو یونہی کپڑے پہنے پہنے پلنگ پر جا لیٹا اور جونز سے کہا کہ وہ دوسرے کمرے میں جا کر آرام کرے لیکن بالکل غافل نہ ہو اور ہوشیار رہے۔ میں نے تاکید کی کہ درمیان کا دروازہ کھلا رکھنا۔ اب میں تنہا اس کمرے میں لیٹا ہوا

تھا۔ سرہانے میز پر دو شمعیں روشن تھیں۔ ہتھیار اور ان کے برابر ہی گھڑی رکھی تھی۔ کتا آگ کے قریب ہی اس طرح پڑا تھا جیسے سو رہا ہے۔

کوئی بیس منٹ گزرے ہوں گے کہ میرے چہرے کے پاس ایک سرد ہوا چلتی محسوس ہوئی۔ میں نے خیال کیا شاید باہر کا دروازہ کھلا رہ گیا ہے' مگر غور کیا تو دروازہ بند پایا۔ بائیں طرف جو دیکھا تو شمع کی لو اس طرح جھلملا رہی تھی جیسے تیز ہوا سے بھڑک کر بس گل ہونے والی ہے۔ گھڑی پر نگاہ گئی' تو وہ میز پر سے کھسک رہی تھی اور میرے دیکھتے دیکھتے گھڑی غائب ہو گئی۔ میں نے جلدی سے طمنچہ اٹھا لیا اور کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا' لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔ سرہانے کی طرف تین مرتبہ پاؤں کی آہٹ سی سنائی دی۔ اتنے میں جونز کی آواز آئی۔

"کیا آپ ادھر آئے تھے؟"

میں نے جواب دیا۔ "میں یہاں اپنے کمرے میں ہوں لیکن ذرا ہوشیار رہنا۔"

اتنے میں ہمارا کتا بھی جھرجھری لے کر اٹھ بیٹھا۔ اس کے جسم کا رواں رواں کانپ رہا تھا اور اس کی صورت سے اندازہ ہوتا تھا کہ بے حد خوفزدہ ہے اور اس ہیئت سے میری طرف دیکھنے لگا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اس کے بعد وہ آہستہ سے اٹھا' عین اسی لمحے جونز اپنے کمرے سے آیا۔ میں نے زندگی بھر میں کبھی کسی کو اتنا دہشت زدہ نہیں دیکھا۔ خدا کی پناہ۔ جونز کی صورت ایسی بدل گئی تھی کہ اگر میں اسے راہ میں کہیں دیکھتا تو ہرگز پہچان نہ پاتا۔ وہ میرے پاس سے یہ کہتا ہوا نکل گیا۔

"بھاگئے۔ وہ میرے پیچھے آ رہا ہے۔"

اس نے جھٹکے سے دروازہ کھولا اور پلک جھپکتے میں یہ جا وہ جا۔ ہر چند میں نے اسے بہت پکارا لیکن جونز نے ایک نہ سی۔

اب میں اس ہولناک مکان میں اکیلا رہ گیا۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ان حالات میں یہاں رکا رہوں یا چلا جاؤں۔ آخر کار ہمت مردانہ نے مشورہ دیا کہ یوں بھاگنا ٹھیک نہیں۔ دل کو حوصلہ دے کر میں نے کمرے کا دروازہ اچھی طرح بند کر لیا اور جونز کے خوف زدہ ہو کر بھاگنے کا خیال ذہن سے جھٹک دیا۔ اس کے بعد میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے کمرے کی دیواروں کو دیکھا بھالا کہ شاید ان میں کوئی پوشیدہ راز ہو' مگر وہاں کسی اور دروازے کا نام و نشان نہ تھا' بلکہ ہلکی سی درز تک دکھائی نہ دی۔ میں بہت تعجب میں تھا کہ آخر یہ کیا معاملہ ہے؟ جونز نے کسے دیکھا اور کیونکر بھاگ نکلا؟

میں نے دیکھا کہ کتا کمرے کے ایک کونے میں اس طرح پنجوں سے زمین کھود رہا ہے گویا فرش کے اندر سے نکل بھاگنا چاہتا ہے۔ میں اٹھ کر اس کے پاس گیا اور اسے چمکارنے لگا مگر کتا مجھے پہچاننے سے قاصر رہا۔ اس کے دانت نکلے ہوئے تھے اور منہ سے کف جاری تھا۔ خدشہ ہوا کہ اگر میں نے کتے کو چھوا تو وہ مجھے بھنبھوڑ ڈالے گا۔ چنانچہ میں نے کتے کو اس کے حال پر چھوڑا اور اپنے ہتھیار میز پر رکھ کر آگ کے قریب بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ اب تک اس مکان میں جو کچھ میں نے دیکھا اور سنا' وہ بلاشبہ ایسا نہ تھا کہ میں زیادہ تعجب کرتا۔ ایسی ایسی بہت سی حالتیں مجھ پر گزر چکی تھیں۔ تاہم جہاں تک میرا تجربہ اور مشاہدہ ساتھ دیتا ہے' میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ فوق المخلوقات دنیا میں کوئی چیز نہیں ہے۔ جسے لوگ فوق المخلوقات کہتے اور سمجھتے ہیں' وہ ضرور قانون فطرت ہی میں سے کوئی ایسا قانون ہے جسے سمجھنے سے ہم اس وقت عاجز ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہمارے سامنے کوئی عجیب و غریب ہیئت یا ہیولا نمودار ہو تو ہمیں اسے بھوت پریت یا مافوق الفطرت نہیں سمجھ لینا چاہیے' بلکہ یقین کر لینا چاہیے کہ یہ کوئی ایسی مخلوق ہے جو اس سے پہلے ہماری نگاہ سے نہیں گزری۔ سچ کہتا ہوں میں نے آج تک جتنی پراسرار چیزیں یا ہیولے دیکھے' ان سب کا مخرج کسی نہ کسی موجودہ انسانی طاقت ہی کو پایا۔

اکثر عامل دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ روحوں کو بلاتے ہیں' ان سے باتیں کرتے ہیں اور کام لیتے ہیں۔ ایک لمحے کے لئے فرض کر لیجئے کہ ایسا ہی ہوتا ہے' تب بھی اس دلیل کو رد کرنے کی کیا وجہ کہ جس طاقت کے تحت عامل ایسا کام کرتا ہے' وہ انسانی طاقت نہیں ہے۔

یہی کیفیت مسمریزم اور ہپناٹزم وغیرہ کی ہے۔ ان علوم اور مشقوں میں بھی تاثیر اور قدرت پیدا کرنے کے لئے انسانی طاقت ہی کی ضرورت ہے۔ غرض اس بوسیدہ اور تاریک مکان میں بیٹھے ہوئے اس وقت بھی میرے قلب پر یہ حقیقت نقش تھی

کہ جو کچھ میں دیکھتا ہوں یا سنتا ہوں' اس کا سبب بھی کوئی نہ کوئی انسانی طاقت ہے اور میں نہایت دل جمعی سے یہ حیرت انگیز تماشا دیکھنے کو موجود تھا۔ جس قدر میں اپنے خیالات اور تصورات کو پاک صاف کرتا' اسی قدر میری دلجمعی بڑھ رہی تھی اور اسی باعث میں مکالے کی کتاب اطمینان سے دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً" مجھے معلوم ہوا کہ روشنی اور کتاب کے درمیان کوئی چیز حائل ہو رہی ہے۔ کتاب کے صفحے پر اندھیرا چھا گیا۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو نہایت عجیب الخلقت شکل نظر آئی جس کا بیان کرنا مشکل ہی نہیں' غیر ممکن ہے۔

اگرچہ وہ انسان کا سایہ معلوم نہ ہوتی تھی' مگر اس سے خاصی مشابہہ تھی۔ میں دیر تک ٹکٹکی باندھے اس کی طرف دیکھتا رہا یہاں تک کہ مجھ پر ایک قسم کی سردی طاری ہونے لگی۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر برف کا ڈھیر بھی میرے قریب پڑا ہوتا تو ایسی ہی سردی محسوس ہوتی' لیکن اس بات کا یقین کامل ہے کہ یہ سردی خوف کی وجہ سے نہ تھی۔ آہستہ آہستہ مجھے اس سائے کے اندر دو انسانی آنکھیں دکھائی دینے لگیں۔ وہ مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد یہ آنکھیں غائب ہو گئیں اور اس اندھیرے میں روشنی کی دو شعاعیں معلوم ہونے لگیں' گویا یہی شعاعیں پہلے آنکھیں بن کر سامنے آئی تھیں۔ ہرچند میں نے چاہا کچھ کہوں' مگر منہ سے آواز ہی نہ نکلی۔ میں اپنے دل میں کہتا تھا' میرے خدا' یہ کیا کیفیت ہے' لیکن کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ غور کیا تو دہشت اور خوف بھی نہ تھا۔ میں نے کوشش کی کہ اٹھ بیٹھوں' مگر ہاتھ پاؤں قابو میں نہ تھے محسوس ہوتا تھا کہ ہزاروں من بوجھ مجھ پر لدا ہوا ہے۔

رفتہ رفتہ خوف کی ابتدائی حالت مجھ پر طاری ہونے لگی پھر بھی میں خود کو سنبھالے رہا اور اپنے دل میں کہتا تھا کہ میں ابھی تک بے حواس نہیں ہوں اور جب تک میرے حواس بجا ہیں' مجھے کسی قسم کا صدمہ نہیں پہنچ سکتا۔

پوری قوت جمع کر کے میں نے ہاتھ بڑھا کر چاہا کہ میز پر رکھے اپنے ہتھیار اٹھا لوں' لیکن معلوم ہوا کہ میرا بڑھا ہوا ہاتھ کسی نے جھٹک دیا ہے۔ اتنے میں ایک اور دلچسپ معاملہ پیش آیا۔ شمعوں کی روشنی خود بخود کم ہونے لگی۔ میں دیکھ رہا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ ان کی لو آہستہ آہستہ گھٹ رہی ہے' پھر یہی کیفیت اس آگ کی ہوئی جو کمرے میں جل رہی تھی۔ یوں کمرے میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔ ان سب باتوں نے مل جل کر مجھ پر ایک ایسی حالت طاری کر دی جو جلد بدحواس کر دیتی' مگر میں نے اسی حالت میں کہا کہ میرا دل ابھی تک مضبوط ہے اور مجھے کچھ خوف نہیں۔ جیسے ہی میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے دفعتاً" وہ حالت جاتی رہی جو مجھ پر چند لمحے پیشتر غالب تھی۔

میں فوراً" اٹھ بیٹھا اور اٹھتے ہی ایک کھڑکی کے پاس جا کر پردہ نوچا اور باہر پھینک دیا' پھر کھڑکی کھول دی' کیونکہ روشنی کے بغیر واقعی میرا دم گھٹ رہا تھا۔ کھڑکی کھلتے ہی جب میں نے ماہتاب کا نورانی چہرہ آسمان کی نیلگوں چادر میں سے چمکتے دیکھا تو جان میں جان آئی۔ گلی میں چاندنی پھیلی ہوئی تھی اور جابجا گیس لیمپ جل رہے تھے۔

اطمینان قلب کے ساتھ میں کھڑکی سے ہٹ کر اپنے پلنگ کی طرف آیا۔ چاندنی کی کرنیں کھڑکی میں سے گزر کر کمرے کے اندر آ رہی تھیں۔ روشنی ہوتے ہی وہ تاریک صورت غائب ہو گئی۔

اب میں میز کی طرف متوجہ ہوا۔ اس میں سے ایک انسانی ہاتھ کہنی تک باہر نکلا معلوم ہوا۔ کسی ضعیف سن رسیدہ دبلی پتلی عورت کا ہاتھ تھا۔ اس ہاتھ نے میز پر رکھے ہوئے دونوں خطوں کو پنجے میں دبایا اور غائب ہو گیا۔ پھر تین مرتبہ پیروں کی آہٹ سنائی دی جیسی کہ اس حالت کے طاری ہونے سے پہلے سنائی دی تھی۔ اس آواز کے بند ہوتے ہی کمرہ اس طرح جنبش میں آیا کہ فرش کانپتا ہوا محسوس ہوا۔ ایک گوشے سے آگ کی بے شمار چنگاریاں نکلیں اور سرخ' زرد اور نیلے گولے کے گولے نظر آنے لگے۔ ایسا لگتا تھا تمام کمرے میں جگنو چمک رہے ہیں۔ ایک کرسی دیوار کے پاس سے خود بخود سرک کر میز کے قریب آ گئی۔

اب میں نے دیکھا کرسی پر ایک بدہیئت عورت بیٹھی ہے۔ اس کی صورت ایسی خوفناک تھی کہ موت کی تصویر آنکھوں میں پھر گئی۔ عورت کے چہرے سے آثار جوانی کے ساتھ ہی کچھ کچھ رنج بھی پایا جاتا تھا۔ شانے اور گلا بالکل ننگا اور باقی جسم

ایک سفید کپڑے میں پوشیدہ تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس عورت نے اپنے لمبے بھورے بالوں میں تیل لگانا شروع کیا۔ اس کی آنکھیں دروازے کی طرف یوں جمی تھیں جیسے کسی کے آنے کی منتظر ہے۔

یکایک چاند بادلوں کی اوٹ میں چلا گیا اور کمرہ دوبارہ تاریکی میں ڈوب گیا۔ پھر اوپر کی جانب سے دو آنکھیں نظر آئیں جو غور سے اس عورت کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ اب ایک اور صورت دکھائی دی گویا اسی دروازے سے نکلی ہے۔ حالانکہ دروازہ بند تھا۔ یہ شکل ایک نوجوان مرد کی تھی اور پہلی شکل کی طرح دکھائی دیتی تھی۔ لیکن بالکل غیرہادی۔ اس کا لباس گذشتہ صدی کے طرز لباس سے ملتا جلتا تھا۔ مرد کی یہ شکل جونہی پہلی صورت کے قریب پہنچی' ایک تاریکی دیوار پر سے اترتی معلوم ہوئی اور اس نے آتے ہی ان دونوں شکلوں کو ڈھانپ لیا۔ اس کے بعد ہلکی ہلکی روشنی کمرے میں نمودار ہوئی اور وہ تاریکی ایک ستون کی صورت میں ان دونوں شکلوں کے درمیان نظر آئی۔ عورت کے سینے پر گہرے زخم کا داغ تھا اور اس میں سے لہو رس رہا تھا۔ مرد کا لباس بھی خون سے رنگین نظر آیا۔ یکایک اس تاریکی میں دونوں شکلیں غائب ہو گئیں اور روشنی کے گولے دوبارہ کمرے میں گھومتے دکھائی دیئے۔ بڑھتے بڑھتے ان کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی کہ کمرے میں کوئی جگہ باقی نہ رہی۔

اب آتش خانے کے دائیں طرف کا دروازہ خود بخود کھل گیا۔ ایک سن رسیدہ عورت نمودار ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں وہی دونوں خط تھے۔ اس کے عقب میں ایک اور پیر کی آہٹ معلوم ہوئی۔ عورت نے ادھر ادھر مڑ کے دیکھنا شروع کیا' پھر خط پڑھنے لگی۔ اس کے شانے پر ایک اور بدہیئت سا چہرہ بھی دکھائی دیا۔ پاؤں کے پاس ایک لاش اور ہڈیاں نکلا ہوا ایک چھوٹا سا لڑکا بھی کھڑا تھا۔ عورت کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس کے چہرے سے جھریاں غائب ہو گئیں اور وہ جوان نظر آنے لگی۔ تاریکی نے پھر اسی طرح دیوار پر سے اتر کر ان شکلوں کو ڈھانک لیا اور سوائے اس تاریکی کے کمرے میں کچھ معلوم نہ ہوتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد پھر وہ آنکھیں اس تاریکی میں نمودار ہوئیں اور روشنی کے وہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رنگ برنگے گولے گردش کرنے لگے۔

یہ تماشا عجیب لطف دے رہا تھا۔ کہاں خوف کی ابتدائی حالت تھی اور کہاں یہ کیفیت کہ جی چاہتا تھا یہ شعبدہ کبھی ختم نہ ہو۔ عجیب و غریب کرتب ہو رہے تھے کبھی ایک نے دوسرے کو دھکا دے دیا' کہیں کوئی کسی کو نگل گیا' کبھی کسی نے کسی کو اٹھا کر دے مارا۔ میرے ذہن میں کوئی چیز نہیں آتی جس سے اس کیفیت کو اپنے قارئین تک پہنچاؤں۔ ہاں' اگر کسی شخص نے پانی کے قطرے کو خوردبین سے دیکھا ہے' تو وہ کسی قدر یہ کیفیت سمجھ سکے گا۔

یہ سب چیزیں میرے گرد کثرت سے رقص کرنے لگیں۔ کچھ سر کے پاس اور کچھ شانوں کے قریب لڑھک رہی تھیں۔ یہ بھی احساس ہوتا تھا کہ میرے جسم کو کسی نے چھوا ہے۔ ایک مرتبہ پتہ چلا کہ کسی نے ٹھنڈے ٹھنڈے ہاتھ میرے گلے پر رکھ دیئے' مگر میں اس وقت تک باحواس تھا اور سمجھتا تھا کہ ذرا بھی ڈرا' تو ضرور خطرے میں پھنسوں گا۔ غرض میں نے اپنا قلب خوب مضبوط رکھا۔

اتنے میں کمرے کے اندر ایک عجیب و غریب سرخی سی پھیل گئی اور پھر رفتہ رفتہ سب چیزیں اس سرخی میں غائب ہو گئیں۔ گویا اسی سے نکلی تھیں اور اسی میں سما گئیں۔ تاریکی بھی مدھم پڑنے لگی۔ شمع کی لو اور آگ بھی دکھائی دینے لگی۔ کمرہ ایک مرتبہ پھر اپنی اصلی حالت میں ظاہر ہوا۔ دروازے بند کے بند تھے اور وہ دروازہ جو دوسرے کمرے میں تھا' اسی طرح مقفل رہا۔ کونے میں دیوار کے پاس میرا پالتو کتا مرا پڑا تھا۔ میں نے اسے آواز دی' مگر اس نے جنبش بھی نہ کی۔ قریب جا کر دیکھا' تو زبان باہر نکلی ہوئی' منہ میں کف اور جسم بے جان تھا۔ میں نے رنج سے بے حال ہو کر اسے اٹھایا' لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ کتا دہشت کی وجہ سے مرا ہے' لیکن جب غور سے اس کا جائزہ لیا' تو پتا چلا کسی نے اس کا گلا گھونٹ کر مارا ہے۔

اس سے بھی زیادہ ایک تعجب خیز بات یہ سامنے آئی کہ میری گم شدہ گھڑی پھر اسی مقام پر آ گئی جہاں سے غائب ہوئی تھی' لیکن بند اور ہمیشہ کے لئے بیکار۔

اس کے بعد رات کا بقیہ حصہ کسی تماشے کے بغیر کٹ گیا اور کوئی خاص بات

دیکھنے میں نہیں آئی۔ صبح کے بعد میں زیادہ ٹھہرا بھی نہیں۔ دن نکل آیا' تو میں نے مکان سے نکلنے کی تیاری کی۔ باہر آنے سے پہلے ایک مرتبہ اس کمرے میں گیا جس میں ہم بند ہو گئے تھے۔ یہاں پہنچتے ہی مجھ پر ایک ایسی حالت طاری ہوئی کہ یقین کامل ہو گیا کہ ان ساری باتوں کی اصلیت اسی کمرے میں پوشیدہ ہے۔ اگرچہ سورج اس وقت تک اچھی طرح نکل آیا تھا اور خاصی روشنی چاروں طرف پھیل چکی تھی' تاہم اس کمرے میں مجھے اس طرح کا ڈر لگا جیسا کہ گذشتہ رات لگا تھا۔

جب میں زینے سے اتر رہا تھا' تو اسی طرح کسی نادیدہ ہستی کے قدموں کی آہٹ بھی سنائی دی اور جونہی دروازہ کھول کر باہر نکلا' تو کسی کے چپکے چپکے رونے کی آواز کان میں آئی۔

بہرحال جوں توں کر کے میں وہاں سے سیدھا اپنے مکان پر آیا۔ گمان تھا کہ جونز بھی بھاگ کر وہیں پہنچا ہو گا مگر معاملہ اس کے برعکس پایا۔ وہ بندہ خدا ایسا غائب ہوا کہ کہیں اس کا پتا نہ لگا۔ جونز کی یوں گمشدگی پر بڑا پریشان ہوا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ بدبخت کہاں چلا گیا۔ تیسرے روز اس کا خط آیا' تو معلوم ہوا کہ وہ صحیح سلامت ہے۔ اس نے آئندہ کے لئے میرا ساتھ دینے سے معذرت کی تھی اور لکھا تھا کہ وہ اپنے کسی عزیز کے پاس ملبورن جا رہا ہے۔ آخر میں لکھا تھا' معاف کیجئے میں آپ کو چھوڑ رہا ہوں۔ اب بھی مجھے اس منحوس مکان کا دھیان آتا ہے' تو کلیجہ کانپنے لگتا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے جیسے آسیب میرے پیچھے دوڑا آتا ہے۔

میں شام کو پھر اس مکان پر گیا اور اپنا سامان بستر وغیرہ کتے کی لاش سمیت گاڑی پر لدوا لایا۔ تعجب کہ اس بار کوئی خوفناک بات پیش نہ آئی' البتہ زینے پر آتے جاتے پاؤں کی آہٹ ضرور سنائی دی تھی۔ اس کام سے فرصت پا کر میں مسٹر کلیمنٹ سے ملنے گیا۔ وہ تپاک سے ملے۔ میں نے کنجی ان کی طرف بڑھائی اور چاہتا تھا کہ شب کی کچھ کیفیت بیان کروں کہ مسٹر کلیمنٹ کہنے لگے۔

"معاف فرمایئے میں یہ واقعات نہیں سنوں گا جن کی ماہیت کوئی نہ بیان کر سکے۔"

میں نے کہا۔ "آپ صحیح فرماتے ہیں' تاہم ایک دو باتوں کی وضاحت درکار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔"

اس کے بعد میں نے ان دونوں خطوں کا ذکر کیا اور پوچھا کہ یہ خط اسی عورت کے نام لکھے گئے تھے جو اس مکان میں رہتی تھی اور حال ہی میں مری ہے؟ اور ان خطوں میں جو کچھ لکھا ہے اس کا تعلق اس عورت کی عمر کے کس دور سے ہے؟

یہ سن کر مسٹر کلیمنٹ سنبھل کر بیٹھ گئے اور خاصی دیر سوچنے کے بعد گویا ہوئے۔

"مجھے اس عورت کی ابتدائی زندگی کا زیادہ علم نہیں' لیکن اگر ہم فرض کرلیں کہ اس مکان میں کسی بدکار شخص کی روح آتی ہے' تو میں اس عورت کو کوئی الزام نہ دوں گا' کیونکہ اس کے مرنے سے بھی پہلے اس مکان میں آسیب کا اثر تھا۔"

میں نے کہا۔ "کوئی خواہ کچھ کہے' لیکن میری رائے میں اگر راز سے پردہ اٹھایا جائے' تو ضرور کوئی نہ کوئی انسانی طاقت اس امر کی محرک نکلے گی۔ فرض کیجئے میں دفعتاً" بے خبر سو جاؤں اور اس قدر گہری نیند مجھ پر طاری ہو کہ کوئی جگا نہ سکے اور اس کیفیت میں ہر سوال کا جواب دینے لگوں۔ مثلاً" کوئی پوچھے تمہاری جیب میں کیا ہے؟ اور میں فوراً" بتا دوں یا جو کچھ میرے دل میں ہے سب کہہ دوں۔ اب اس میں کوئی فریب یا جادو نہیں' حالانکہ لوگوں کی نگاہ میں یہ عمل فوق العادت ہو گا' مگر حقیقت یہ ہے کہ مسمریزم کی طاقت نے مجھے بے خود کر دیا اور یہ طاقت کسی پر دور سے بھی موثر ثابت ہو سکتی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ان باتوں کو سمجھتا ہوں۔" مسٹر کلیمنٹ نے کہا۔ "لیکن مسمریزم تو صرف جاندار اشیا پر اثر کر سکتا ہے یا بے جان چیزوں کے لئے بھی موثر ہے؟ مثلاً" خالی جگہ میں سے عجیب عجیب آوازیں آنے لگیں یا طرح طرح کی حیرت انگیز چیزیں دکھائی دینے لگیں۔"

"نہیں۔ مسمریزم میں فی الحال یہ اثر ثابت نہیں ہوا' البتہ ایک قوت اس سے بھی اعلیٰ درجے کی ہے۔ اگلے زمانے والے شاید اس کو جادو وغیرہ کہا کرتے ہوں گے۔ میں نہیں کہتا کہ یہ قوت ہر بے جان شے پر اثر رکھتی ہے' لیکن اگر ایسا ہو تو اسے خلاف فطرت بھی نہیں کہا جا سکتا۔ بعض تجربات موجود ہیں جن سے اندازہ ہوتا

ہے کہ یہ قوت انسان کے مرنے کے بعد بھی فنا نہیں ہوتی اور بعض حرکات و سکنات پر موثر ہو سکتی ہے۔ یہ وہ حرکات ہیں جن سے روح کو کچھ تعلق نہیں کیونکہ روح انسانی اختیار سے باہر ہے۔ تاہم میں اسے خلاف فطرت نہ کہوں گا۔ ایک ماہر روحانیات کا قول ہے کہ اگر پھول جلا ڈالا جائے' تو اس کے اجزا بالکل فنا ہو جاتے ہیں اور آپ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کیا ہوئے؟ نہ وہ دوبارہ جمع ہو سکتے ہیں اور نہ ان کا سراغ لگ سکتا ہے۔ لیکن اس پھول کے خاک سے علم کیمیا کی بدولت پھول کی ویسی ہی صورت دوبارہ بن سکتی ہے جیسا کہ وہ پہلے تھا۔ انسان کی حالت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ انسانی روح بھی پھول کے اصلی اجزا یا جوہر کی طرح بالکل جاتی رہتی ہے' تاہم ایک شکل قائم ہو سکتی ہے۔ لیکن اس خیالی صورت کو روح نہ سمجھنا چاہیے جیسا کہ اکثر جاہل لوگ سمجھتے ہیں۔ سب سے زیادہ کیفیت کی بات یہی ہے کہ ان میں انسانی روح نہیں ہوتی۔ وہ کسی خاص کام میں نہیں آتیں۔ اول تو وہ آتی نہیں اور اگر آتی بھی ہیں تو بہت کم بولتی ہیں اور ان کا کلام زندہ انسان کے کلام سے کچھ مختلف نہیں ہوتا۔ بہرحال یہ صرف تصورات ہیں جو کسی نہ کسی ذریعے ایک ذہن سے دوسرے ذہن تک پہنچائے جاتے ہیں۔ بعض طبائع میں ایک فطری خاصیت کیمیا کی ہوتی ہے اور اس کے ذریعے وہ بہت سی ایسی حیرت انگیز باتیں کر سکتے ہیں جن کا تعلق علم کیمیا سے ہے۔ بعض طبیعتوں میں برقی فطرت ہوتی ہے اور ایسے لوگ وہ باتیں آسانی سے کر سکتے ہیں جو برقی قوت سے متعلق ہوں' لیکن یہ فطری صفتیں چونکہ خاص علوم سے بظاہر مطابقت نہیں رکھتیں' اس لئے بیکار اور طفلانہ سمجھی جاتی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ لوگ ان کی کچھ پروا نہیں کرتے اور جنہیں خدا نے عقل سلیم عطا کی ہے' وہ کبھی بھوت پریت اور آسیب پر توجہ نہیں دیتے۔ مجھے یقین کامل ہے کہ وہ تمام کیفیت جو اس رات میں نے آپ کے مکان میں دیکھی اور سنی' اس کے پیچھے بھی کوئی نہ کوئی انسانی طاقت ہے۔ اگر یہ کیفیت کسی خاص بناوٹ سے ہوتی' تو لازم تھا کہ ہمیشہ ایک ہی طرح وقوع میں آتی یا اگر دنیا میں فوق العادت اور خلاف فطرت کوئی چیز ہوتی' تو ضروری تھا کہ ان کا انجام ہمیشہ یکساں ہو' لیکن یہ کیفیت ان میں سے ایک کی بھی نہیں' اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ آسیب کا اصل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سبب ایک انسانی دماغ ہے۔ بے شک وہ یہاں سے دور ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی مرضی کوئی خاص بات ظاہر کرنے کی نہیں ہے۔ صرف اپنی قوت سے ان خیالات کو ظاہر کر کے دکھا دیتا ہے جو دوسرے دماغ میں ہوتے ہیں اور جس تک اس کی تاثیر پہنچ سکتی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ کسی مادی قوت نے میرے پالتو کتے کو ہلاک کیا ہے اور یہ قوت مجھے بھی مار ڈالتی بشرطیکہ ویسا ہی خوف مجھ پر طاری ہوتا۔"

مسٹر کلیمنٹ نے نہایت توجہ اور غور سے میری طویل تقریر سنی اور جب آخر میں میں نے اپنے کتے کے ہلاک ہونے کا ذکر کیا تو خوف سے ان کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ کانپتی ہوئی آواز میں وہ بولے۔

"کیا کہا آپ نے؟ کتے کو مار ڈالا؟ خدا کی پناہ' کس قدر خوفناک بات ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس مکان میں کوئی جانور نہیں ٹکتا۔ بلی اور چوہے تک وہاں نہیں رہ سکتے۔"

"آپ صحیح فرماتے ہیں۔" میں نے کہا۔ "جانوروں کی عقل پر ایسی خوفناک باتیں بہت جلد اثر کر سکتی ہیں' جو ان کی زندگی کے لئے مضر ہوں' لیکن انسانی عقل میں ایک قوت ہے جو ایسی بھیانک حالتوں میں انسان کو بڑی مدد بہم پہنچاتی ہے۔ میں نے یہی قوت استعمال کی اور آپ کے سامنے صحیح سلامت موجود ہوں۔"

"ہاں۔ اب تو مجھے ماننا ہی پڑے گا' مگر جناب سوال یہ ہے کہ مکان کی حالت کس طرح بدلوں؟"

"میں آپ کو بتاتا ہوں۔ اگر آپ اس تدبیر پر عمل کریں تو مجھے یقین ہے آپ کا مکان بھوت پریت اور اس نام نہاد آسیب کے اثرات سے بہت جلد پاک ہو سکتا ہے۔ جس کمرے میں میں نے ایک شب کاٹی ہے' اس کے دائیں جانب برابر میں ایک چھوٹا سا کمرہ اور ہے اور میرا خیال ہے آسیب وغیرہ جو کچھ ہے' وہ اسی کمرے میں ہے۔ اگر آپ اس کمرے کی دیواریں کھدوا ڈالیں' تو آسیب دور ہو جائے گا۔ اگر آپ اس کام کے لئے مجھے اجازت دیں تو میں اپنے خرچ سے یہ دیواریں کھدوا دوں گا اور یقین رکھئے آپ کے مکان کو کوئی صدمہ نہ پہنچے گا۔"

مسٹر کلیمنٹ نے چند لمحے غور کرنے کے بعد کہا۔ "بہتر ہے۔ میں ذرا سوچ

لوں' پھر آپ کو اطلاع دوں گا۔"

دس روز کے بعد مجھے مسٹر کلیمنٹ کا خط ملا۔ لکھا تھا آپ کے جانے کے بعد میں ایک مرتبہ اس مکان میں گیا اور جن خطوں کا آپ نے ذکر کیا تھا' ایک الماری میں رکھے پائے۔ میں نے اس عورت کا حال معلوم کیا' تو پتا چلا کہ ساٹھ برس پہلے اس نے اپنے والدین کی اجازت کے بغیر ایک آوارہ امریکی باشندے سے شادی کر لی تھی۔ کہا جاتا ہے یہ شخص ایک بحری قزاق تھا اور یہ عورت ایک معزز سوداگر کی بیٹی تھی۔ اس عورت کا ایک بھائی بھی تھا جس کی بیوی چھ برس کا ایک لڑکا چھوڑ کر مر گئی تھی۔ اس عورت کی شادی کے ایک ماہ بعد اس کے بھائی کی لاش دریائے ٹیمز کے پل کے قریب بہتی ہوئی پائی گئی۔ تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ اس شخص کو گلا دبا کر دریا میں ڈبویا گیا ہے۔ وصیت کے مطابق یہ عورت اپنے بھائی کے لڑکے کی سرپرست قرار پائی اور اگر لڑکا دنیا میں نہ رہے' تو وہی کل جائیداد کی مالک تھی۔ کہتے ہیں چھ ماہ بعد یہ لڑکا بھی مر گیا۔ اندازہ ہے کہ بچے کے ساتھ نہایت بے رحمی کا سلوک کیا گیا۔ اسے کھانے کے لئے کچھ نہ دیا جاتا تھا اور کمرے میں بند کر کے بے تحاشا پیٹا جاتا تھا۔ مرنے کے بعد جب ڈاکٹر نے بچے کی لاش کا معائنہ کیا تو فاقوں کے مارے اس کی ہڈیاں نکلی ہوئی تھیں اور بدن پر کثرت سے چوٹوں اور زخموں کے نشان تھے۔

بعض بیانات سے پایا گیا کہ سردیوں میں ایک رات لڑکے نے فرار ہونے کی کوشش کی اور دیوار پر سے کود گیا لیکن نقاہت اور ٹھنڈ کے باعث وہ زیادہ دور نہ جا سکا اور رات بھر سردی کھا کر صبح کے وقت دم توڑ گیا۔ بعد میں اس عورت اور اس کے شوہر نے پولیس کو بیان دیا کہ لڑکا پاگل تھا' بہرحال لڑکے کے مرنے پر کل جائیداد اس عورت کو مل گئی۔ شادی کو ابھی ایک سال بھی نہ ہوا تھا کہ اس کا شوہر لندن سے بھاگ گیا اور پھر کبھی صورت نہ دکھائی۔ دو برس بعد خبر آئی کہ وہ ایک جہاز کے ساتھ سمندر میں ڈوب کر مر گیا۔ یہ بیوہ طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار ہوئی۔ جس بنک میں اس کی دولت جمع تھی' اس کا دیوالیہ نکل گیا۔ سوداگروں کی جس جماعت میں یہ شریک تھی' اس نے نقصان اٹھایا۔ اس کے پاس ایک چھوٹی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوڑی نہ رہی۔ مجبور ہو کر اس نے نوکری کی' لیکن کوئی اسے اپنے پاس رکھنے کا نہ معلوم کیوں روادار نہ تھا۔ حتیٰ کہ برسوں خیرات خانے میں پڑی رہی۔ وہاں سے اسے میں لے آیا اور اسی مکان میں لا کر رکھا جہاں وہ برسوں رہ چکی تھی اور جو کبھی اس کی ملکیت تھا۔

اب آیئے اس کمرے کی طرف جس کی دیواریں کھدوا دینے کا آپ کی مشورہ دیا ہے۔ میں آدھ گھنٹے وہاں ٹھہرا' ہرچند کوئی خوفناک چیز وہاں دیکھنے میں نہیں آئی' تاہم میں اس کی دیواریں کھدوانے کے لئے تیار ہوں اور جس روز آپ کہیں' مزدور لگا دیئے جائیں۔"

یہ خط پا کر میں مسٹر کلیمنٹ سے ملنے گیا اور ہم نے اسی روز مزدور لگا کر اس خاص کمرے کی دیواریں کھدوانی شروع کیں۔ مسٹر کلیمنٹ کے تعجب کی انتہا نہ رہی جب دو فٹ دیواریں کھود لینے کے بعد ایک چور دروازہ ظاہر ہوا جس میں سے ایک آدمی بخوبی نکل سکتا تھا۔ اس دروازے میں داخل ہوئے تو ایک کمرے میں پہنچے جس کا ہونا اس وقت تک نامعلوم تھا اس کمرے میں ایک کھڑکی اور روشندان تھا جن کو اینٹیں چن کر بند کر دیا گیا تھا۔ ہم نے شمع روشن کر کے جائزہ لینا شروع کیا۔ تین ٹوٹی پھوٹی کرسیاں اور شاہ بلوط کی ایک میز پائی' لیکن یہ سب اسی برس پیشتر کی بنی ہوئی تھیں۔ دیوار سے لگی ہوئی ایک الماری رکھی تھی۔ اس میں کسی رئیس کی پوشاک کے گلے سڑے ٹکڑے بھرے ہوئے تھے۔ ایک چھوٹی سی تلوار اور ایک کوٹ جو امتداد زمانہ کے باعث سیاہ ہو چکا تھا۔ کوٹ کی جیب میں پانچ اشرفیاں اور ایک دعوت نامہ ملا۔ اصل چیز جو ذکر کرنے کے قابل ہے' لوہے کی ایک الماری تھی۔ اس کے کھولنے میں بہت وقت لگا' بہرحال جوں توں کر کے یہ الماری کھولی گئی۔ اس میں تین بڑے اور دو چھوٹے خانے تھے۔ ان خانوں میں بلور کی بوتلیں دھری تھیں جن کے منہ مہربند تھے۔ معلوم ہوا کہ بوتلوں میں ایک عجیب قسم کا خوشبودار عرق بھرا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ شیشے کی بعض عجیب و غریب چیزیں اور لوہے کی ایک نوک دار سلاخ جس پر ایک بلور اور لوہے کا لٹو لگا تھا۔ ایک سنگ مقناطیس بھی دکھائی دیا۔ ایک خانے میں ایک تصویر پڑی تھی۔ حیرت ہوئی کہ رنگ

روغن بوسیدہ نہ ہونے پایا' حالانکہ نصف صدی سے زائد عرصہ ہوا تصویر وہاں پڑی تھی۔ یہ تصویر ایک ایسے شخص کی تھی جو اپنی عمر سے تجاوز کر چکا تھا۔ اس کا چہرہ نہایت ہیبت ناک تھا۔ معلوم ہوتا تھا سانپ نے انسانی ہیئت میں جنم لیا ہے۔ چوڑا منہ' بدنما جبڑے' لمبی لمبی بے رونق سبز آنکھیں۔ میں نے دیکھتے ہی تصویر پہچان لی کہ کس کی ہے؟

ایک معزز اور اعلیٰ درجے کا آدمی تھا۔ ہرچند کہ وہ برطانیہ کے شاہی خاندان سے نہ تھا' مگر اپنے زمانے میں بہت شہرت پا چکا تھا۔ تاریخ اس کے بارے میں خاموش ہے' البتہ اس دور کے بعض مصنفوں کی تحریروں سے اس شخص کی وحشیانہ دلاوری' شرارت آمیز جرات' بے چین طبیعت اور پوشیدہ علوم کی طرف رغبت کا بہت کچھ سراغ ملتا ہے۔ بسیار تحقیق کے بعد صرف اتنا معلوم ہوا کہ جوانی کے زمانے ہی میں یہ شخص راہی ملک عدم ہوا اور کسی اجنبی سرزمین میں دفن ہے۔ وہ ایسے وقت میں مرا کہ قانونی گرفت سے بچ گیا' ورنہ ایک نہ ایک دن اپنے بھیانک جرائم کی پاداش میں جلاد کے حوالے ضرور کیا جاتا۔ اس کے مرتے ہی وارثوں نے اس شخص کی تمام تصویریں خرید خرید کر برباد کر ڈالیں' کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ اس کا نام بھی ان کے خاندان سے مٹ جائے' تو اچھا ہے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ اس آدمی کی صرف ایک ہی تصویر بچی ہے جو کسی بڑے آدمی کے قبضے میں ہے۔ بلاشبہ یہ تصویر میں نے بھی دیکھی تھی اور اس کے دیکھنے سے مجھ پر عجیب حالت طاری ہوئی جو شاید اس تصویر کے ہر دیکھنے والے پر طاری ہوتی ہو گی۔

اور اب وہی شکل اس تصویر میں جو اس وقت میرے ہاتھ میں تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس تصویر میں خدوخال نہایت واضح اور روشن تھے اور میرا خیال تھا کہ اس شخص کے زمانہ عروج کو اب تک کم از کم دو سو برس ضرور گزر چکے ہیں۔

میں انہی خیالات میں محو بغور یہ تصویر دیکھ رہا تھا کہ مسٹر کلیمنٹ نے بھی اس پر نگاہ ڈالی اور دہشت سے اچھل کر پیچھے ہٹ گئے۔ میں نے پوچھا۔

"کیا بات ہے؟ آپ اس شخص کو جانتے پہچانتے ہیں؟"

وہ کہنے لگے۔ "خدا رحم کرے' اس بدمعاش کی یہ تصویر یہاں کیسے آئی؟ میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اسے خوب جانتا ہوں۔ جس زمانے میں میں ہندوستان میں تھا تو یہ شخص وہاں گیا تھا اور ایک ریاست کے راجہ کا اس نے ایسا تقرب حاصل کیا کہ باید و شاید۔ یہ ضرور وہی ہے' کیونکہ اس شکل و شباہت کے دو آدمی دنیا میں نہیں ہو سکتے' مگر تعجب ہے یہ تصویر سو برس ادھر کی معلوم ہوتی ہے۔"

میں نے تصویر کو احتیاط سے الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پشت پر پانچ خانے کی ایک شکل بنی ہوئی پائی۔ بیچ کے خانے میں ایک زینہ بنا تھا۔ اس کے تیسرے قدمچے پر جب ذرا غور سے دیکھا تو تصویر کی پشت پر کچھ کھٹکا سا محسوس ہوا۔ اسے کھولا تو پشت کا پردہ بطور ڈھکنے کے کھل گیا۔ ڈھکنے کے اندر یہ الفاظ درج تھے۔

"حیات اور ممات میں میرا تابع رہ۔"

اب مجھے اس پراسرار شخص کے بارے میں چند اور باتیں یاد آنے لگیں۔ بچپن میں میں نے اپنے آباؤ اجداد سے سنا تھا کہ یہ شخص بہت بڑا جادوگر تھا اور انتہائی سفاک آدمی۔ اس نے اپنی بیوی اور رقیب کو قتل کیا اور لندن سے بھاگ گیا۔ کچھ عرصے بعد یہ واپس آیا اور پھر ایسی ہی وارداتیں کرنے کے بعد غائب ہو گیا۔ میں نے مسٹر کلیمنٹ سے مصلحتہً ان باتوں کا ذکر نہ کیا اور تصویر ایک طرف رکھ کر الماری کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کا دوسرا خانہ مقفل تھا جو سخت کوشش کے باوجود نہ کھل سکا۔ آخر ناخن گیر سے اسے بمشکل سرکایا اور الماری سے باہر نکالا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس میں بعض چیزیں مناسب ترتیب اور طرز سے رکھی ہوئی ہیں۔

ایک چھوٹی سی نیلی کتاب یا نقشہ جس پر چینی کی ایک نازک پلیٹ میں نہ جانے کس قسم کا صاف عرق رکھا تھا۔ اس عرق پر عجیب و غریب طرز کا قطب نما جس کی ایک سوئی بڑی تیزی سے گھوم رہی تھی۔ اس قطب نما میں عام قطب نما کے برعکس کچھ نرالے نشان بنے تھے اور ان نشانوں سے بڑی حد تک مشابہ تھے جو ماہرین فلکیات' ستاروں کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اس خانے سے جس کے کنارے باریک ترشی ہوئی لکڑی کے تھے' ایک ایسی خوشبو دفعتاً اٹھی کہ پاؤں کے تلوے سے لے کر گردن اور کانوں تک بدن میں تھرتھری سی چھوٹ گئی۔ میں نے دیکھا کہ دونوں مزدور جو نہایت دلچسپی سے تماشا دیکھ رہے تھے۔ تھرا گئے۔ اس نقشے یا کتاب

کو غور سے دیکھنے کے اشتیاق میں میں نے چینی کی پلیٹ وہاں سے ہٹائی۔ پلیٹ کے ہٹتے ہی قطب نما کی سوئی برق رفتاری سے گردش کرنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی میرے تمام بدن میں ایسی سنسناہٹ ہوئی کہ پلیٹ ہاتھ سے چھٹ کر زمین پر جا پڑی۔ عرق زمین پر بکھر گیا اور پلیٹ ریزہ ریزہ ہو گئی۔ قطب نما لڑھک کر دور ایک گوشے میں جا گرا۔ اس کے گرتے ہی کمرے کی دیواریں جنبش میں آئیں۔ معلوم ہوتا تھا کسی دیو نے کمرے کو ہلا دیا۔ دونوں مزدور دہشت زدہ ہو کر بھاگ نکلے۔

جب یہ زلزلہ تھما' تو میں نے وہ نقشہ کھولا۔ اس کی جلد عمدہ سرخ چمڑے کی اور پشتہ چاندی کا تھا۔ اس کے ایک صفحے پر لاطینی زبان میں یہ عبارت درج تھی۔

"جو شخص ان دیواروں میں داخل ہو۔ جاندار ہو یا بے جان۔ زندہ ہو یا مردہ۔ جوں ہی سوئی گھومے میرے کرتب کا اثر اس پر ظاہر ہو۔ لعنت ہو اس مکان پر اور اس میں رہنے والے ہمیشہ بے چین رہیں۔"

اس کے سوا ہم نے اس الماری میں اور کچھ نہ پایا۔ مسٹر کلیمنٹ نے یہ نقشہ جلا ڈالا۔ اس کمرے کو مکمل کھدوا دیا' پھر ایک مہینے تک اس مکان میں خود رہے' بعد ازاں کرائے پر دے دیا اور پھر کبھی کسی کو آسیب نہ دکھائی دیا۔ بظاہر یہ کہانی یہاں ختم ہو گئی' لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے بعد ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

مسٹر کلیمنٹ جب اس مکان میں رہنے کے لئے آئے تو ایک دن میں ان سے ملنے گیا۔ ہم اسی موضوع پر گفتگو کرنے لگے کہ آسیب کی کیفیت کا مخرج کوئی انسانی طاقت تھی اور میں اپنے دلائل دے رہا تھا۔ مسٹر کلیمنٹ کہہ رہے تھے کہ کیا یہ طاقت صاحب طاقت کی عدم موجودگی میں بھی اثر کر سکتی ہے؟ اور کیا یہ تاثیر اس کی وفات کے بعد بھی قائم رہ سکتی ہے؟ یقینی بات ہے کہ اگر وہ کمرہ ستر اسی برس قبل بنایا گیا اور اس میں ایک طلسم رکھا گیا' تو اس کا بنانے والا اب تک مر کھپ چکا ہو گا۔

ابھی میں مسٹر جوزف کے اس سوال کا جواب دینے نہ پایا تھا کہ ایک خوش وضع شخص سامنے گلی میں آن کھڑا ہوا اور اسی مکان کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ چونکہ میرا رخ کھڑکی کی طرف تھا اور مسٹر کلیمنٹ بھی گلی میں آنے جانے والوں کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھ رہے تھے' اس لئے اس شخص کا چہرہ دیکھتے ہی ہم متحیر ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ یہ تو وہی آدمی ہے جس کی تصویر ہم نے آسیب زدہ مکان کے خفیہ کمرے میں دیکھی تھی' لیکن---

"خدا کی پناہ۔ یہ تو وہی آدمی ہے جسے میں نے اپنی جوانی کے زمانے میں ہندوستان میں دیکھا تھا۔" مسٹر کلیمنٹ نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "بخدا سرمو فرق نہیں۔ مگر یہ ماجرا کیا ہے؟ اگر یہ وہی آدمی ہے تو ابھی تک جوان کیسے ہے؟ اس کی عمر---"

اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکے۔ میں نے جلدی سے مسٹر کلیمنٹ کا ہاتھ تھاما اور ہم دونوں تیزی سے زینہ اترتے ہوئے گلی میں آئے۔ دیکھا کہ وہ پراسرار آدمی آگے آگے جا رہا ہے۔ میں لپک کر اس کے نزدیک پہنچا' اس نے غالباً" میرے قدموں کی آہٹ پا کر گردن موڑ کر مجھے دیکھا اور ایسا معلوم ہوا جیسے میرا بدن پتھر کا ہو گیا۔ نہ جانے اس کی نظروں میں کیا تاثیر تھی کہ مجھے اپنی ساری قوت سلب ہوتی محسوس ہوئی۔ اس کے چہرے پر شان و شوکت کے آثار کے ساتھ ہی ایسا رعب و جلال تھا کہ ہر ایک کو دفعتاً" اس سے بات کرنے کی جرات بھی نہ ہوتی تھی۔ میں بے حس و حرکت اپنی جگہ کھڑا رہا' اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایک لمحے دیکھا' مسکرایا اور پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا دوسری گلی میں مڑ گیا۔ ایک خدمت گار' گھوڑا گاڑی لئے منتظر تھا۔ یہ شخص اطمینان سے گاڑی میں سوار ہوا اور روانہ ہو گیا۔

اس کے جاتے ہی میری گمشدہ بدلی قوت واپس آ گئی۔ مسٹر کلیمنٹ اپنے مکان کے آگے کھڑے تھے' ان سے پتا چلا کہ یہ پراسرار شخص گلی میں پوچھتا پھر رہا تھا کہ اس مکان میں اب کون رہتا ہے؟ ہم دونوں دیر تک اسی کے بارے میں باتیں کرتے رہے اور میں نے ارادہ کر لیا کہ اس شخص کا پتا نشان معلوم کر کے رہوں گا۔

اب اتفاق دیکھیے کہ اسی شام مجھے ایک دوست کے ساتھ لائبریری جانے کا اتفاق ہوا۔ یہاں اکثر اہل علم اور مشاہیر سے ملاقات کا اتفاق ہو جاتا ہے۔ کیا دیکھتا

ہوں کہ سامنے ہی ایک میز پر وہی شخص بیٹھا میرے ایک دوست جارج سے باتیں کر رہا ہے۔ اس نے بھی مجھے دیکھا اور خوش دلی سے مسکرایا جیسے کہہ رہا ہو کہ میں نے تمہیں پہچان لیا۔ اس وقت اس کے سر پر ہیٹ نہ تھا' مگر دو سو سال پرانی اس تصویر سے اس کی مشابہت انتہائی حیرت انگیز تھی۔ جارج نے اسے مسکراتے دیکھا تو گردن گھمائی اور میرے پاس آیا۔ میں نے دبی دبی زبان میں اس سے پوچھا۔

"یہ صاحب کون ہیں؟ اور کہاں سے آئے ہیں؟"

جارج نے جواب دیا۔ "یہ نہایت خاندانی آدمی ہیں اور اہل علم و فضل میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ تم جانتے ہو میں آثار قدیمہ کا ماہر ہوں' پچھلے سال میں پیٹرا کے غاروں کا معائنہ کرنے گیا تھا۔ وہیں ان سے ملاقات ہوئی۔ یکایک لٹیروں نے ہم پر حملہ کر دیا۔ ان صاحب نے کمال مردانگی اور استقلال سے لٹیروں کا مقابلہ کیا اور تم یہ جان کر حیران ہو گے کہ لٹیرے اس تنہا آدمی کے مقابلے کی تاب نہ لا کر بھاگ نکلے۔ اس کے بعد یہ صاحب مجھے اپنے مکان پر لے گئے جہاں میں نے ایک روز قیام کیا۔ ان کا مکان دمشق میں ہے اور وہاں صدہا قسم کے گلابوں کے تختے بچھے ہوئے ہیں۔ وہیں مجھے معلوم ہوا کہ اس شخص میں بہت سے ہنر اور کمالات جمع ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ ہر شخص ان سے مرعوب اور سہما سہما نظر آتا ہے۔ مکان کی زیبائش اور آرائش سے اندازہ ہوا کہ بے انتہا دولت مند آدمی ہے اور ایک ایک کمرہ دنیا بھر کے نوادر سے بھرا پڑا ہے۔

ایک دن ان سے طلسم اور مسمریزم پر بات چھڑ گئی۔ میں نے کہا طلسم اور مسمریزم کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ سن کر کہنے لگے۔

"میں آپ کو ایک شعبدہ دکھاتا ہوں جس سے معلوم ہو گا کہ مسمریزم کیا چیز ہے؟"

چنانچہ انہوں نے مجھ سے کہا۔ "اگر آپ کی جیب میں کوئی کاغذ ہے' تو اسے کمرے کے پرلے گوشے میں پھینک دیجئے۔"

میں نے جیب سے ایک خط نکال کر وہاں پھینک دیا۔ ان صاحب نے ایک لمحہ اس کاغذ پر نگاہ جمائی اور فولادی لہجے میں کہا۔ "اے کاغذ' میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرے قریب آ جا۔"

۲۲۲ خدا جانتا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ وہ بے جان کاغذ پہلے یوں تھرتھرایا جیسے ہوا کے جھونکے سے کانپتا ہے' پھر آہستہ آہستہ سرکتا ہوا ان کے قدموں پر آن گرا۔ اس کے بعد اور کئی ایسے کمالات دکھائے جن کو اگر میں خود نہ دیکھتا' تو کبھی یقین نہ کرتا۔ حال ہی میں یہ صاحب انگلستان آئے۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ بہت مدت بعد یہاں آئے ہیں۔ آؤ تم سے تعارف کراؤں۔"

میں نے کہا۔ "اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ صاحب انگریز ہیں۔ ان کا نام کیا ہے؟"

"ہاں انگریز ہی ہیں اور نام ہے مسٹر گرین۔"

"کس خاندان سے ان کا تعلق ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے معلوم نہیں' مگر چال ڈھال اور اطوار سے خاندانی آدمی لگتا ہے۔"

جارج مجھے لے کر مسٹر گرین کے پاس گیا اور تعارف کرایا۔ اس نے مہذب طریق سے مصافحہ کیا' میری خیر و عافیت دریافت کی اور خاموش ہو گیا۔ میں نے محسوس کیا اس کی زبان' لب و لہجہ اور انداز خاصا قدیم ہے۔ میں کہنے ہی کو تھا کہ آپ کے لب و لہجے سے قدامت کی بو آتی ہے کہ وہ خود مسکرا کر کہنے لگا۔

"آپ جو کچھ سوچ رہے ہیں' وہ درست ہے۔ میں مدت بعد اپنے وطن آیا ہوں' اس لئے انگریزی کا جدید لہجہ اختیار نہیں کر سکا۔"

اس کے بعد ہمارے مابین مختلف موضوعات پر باتیں ہونے لگیں۔ میں نے دیکھا کہ جدید انگلستان کے بارے میں مسٹر گرین کی معلومات کچھ زیادہ تسلی بخش نہیں ہیں' البتہ وہ سو دو سو برس پہلے کے انگلستان اور بعض مشاہیر کے بارے میں اس روانی سے باتیں کر رہا تھا جیسے ان کا شناسا رہا ہو۔ دفعتاً" میں نے دل میں ایک فیصلہ کر کے کہا۔

"معاف کیجئے مسٹر گرین۔ میں نے آپ کی ایک تصویر نائس سٹریٹ کے اس مکان میں دیکھی ہے جس مکان میں کبھی آپ رہ چکے ہیں اور مجھے یقین کامل ہے کہ اس مکان میں ایک خفیہ کمرہ بھی آپ کا بنوایا ہوا ہے۔ براہ کرم یہ فرمایئے کہ اس

کمرے کا راز کیا ہے؟ اور آج صبح آپ کس مقصد کے لئے ادھر آئے تھے؟"

میرا یہ جملہ اس کے لئے انتہائی غیر متوقع تھا کہ ایک ٹالنے کے لئے اس کا اطمینان و استقلال رخصت ہوتا نظر آیا مگر اس نے فوراً" ہی اپنی کیفیت پر قابو پا کر جواب دیا۔

"میں اتنی دیر سے منتظر تھا کہ آپ اصل موضوع کی طرف کیوں نہیں آ رہے' بہرحال میں آپ کو ہر بات بتانے کے لئے تیار ہوں کہ جانتا ہوں آپ بھی بے پناہ استقلال اپنی طبیعت میں رکھتے ہیں اور آپ کو ٹالا نہیں جا سکے گا۔"

"اس کرم کے لئے میں شکر گزار ہوں۔" میں نے کہا۔ "حقیقت یہ ہے مسٹر گرین کہ میں نے فطرت اور انسانی زندگی کے بہت سے راز دریافت کئے ہیں اور بڑے بڑے ماہرین سے بھی مل چکا ہوں۔ اب میں آپ سے بھی کچھ اسی سلسلے میں پوچھنا چاہتا ہوں اور یقین رکھیے آپ جو کچھ جواب دیں گے' وہ بھی مجھی تک محدود رہے گا۔"

مسٹر گرین نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ "اجازت ہے' جو جی چاہے پوچھیے۔"

"یہ فرمایئے انسان کی خواہش اور آرزو کہاں تک پہنچ سکتی ہے؟"

"جہاں تک اس کا خیال پہنچ سکتا ہے۔ خیال کرو اور تم خود کو ملک چین میں پاؤ گے تصور کرو اور خود کو تبت میں دیکھو گے۔"

"بجا فرمایا۔ مگر میرے خیال میں میرے اندر ابھی اس قسم کی قوت نہیں ہے۔"

"اس کے لئے آپ کو مشق کرنا ہو گی۔ مشق کے بعد جہاں تمہارا خیال جائے گا تم خود کو روحانی اور اکثر حالتوں میں جسم کے ساتھ وہیں پاؤ گے۔ قوانین فطرت کیا ہیں؟ صرف خیالات۔ اس سے ظاہر ہے کہ خیالات کی کوئی انتہا نہیں اور ان میں بڑی زبردست قوت پنہاں ہے اور اسی لئے خیالات کی نیک و بد تاثیر قائم ہوتی ہے۔"

"بالکل درست۔" میں نے کہا۔ "میں بھی ایسا ہی سمجھتا ہوں کہ ایک انسان اپنے خیالات دوسرے انسان کے دماغ میں باطنی ذریعے سے پہنچا سکتا ہے جیسا کہ ان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی تاثیر سے ظاہر ہے جو مرنے کے بعد بھی قائم رہتی ہے' لیکن یہ کہے کہ کیا زندہ آدمی مردہ آدمی کی روح تک اپنے خیالات پہنچا سکتا ہے؟"

مسٹر گرین نے چند لمحے سوچنے کے بعد کہا۔ "میں اس سوال کا فی الحال جواب نہیں دوں گا' کیونکہ یہ ایک دوسری بات ہے بہرکیف آپ اپنی بات جاری رکھئے' میں دلچسپی لے رہا ہوں۔"

"شکریہ۔ میں مانتا ہوں کہ خیالات میں بڑی طاقت ہے اور وہ انسانی اجسام پر بجلی کی طرح اثر کر سکتے ہیں یا معمول کے خیالات عامل کے خیالات سے مغلوب ہو جائیں تو اسے ہلاک بھی کر سکتے ہیں۔ کیسا ہی طاقتور جانور ہو' اگر خوف اس پر غالب ہو جائے تو خیالات کی قوت اسے ضرور ہلاک کر ڈالے گی' لیکن کمزور سے کمزور آدمی اگر اپنے حواس درست رکھے' تو یہ قوت اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ اس سے ظاہر ہوا کہ قوت متخیلہ پر عامل شخص انہی لوگوں کو اپنی مرضی کے مطابق نقصان پہنچا سکتا ہے جن سے اسے کسی قسم کی باطنی مناسبت ہو یا جن پر اس کا عمل ہو' مگر ایسے عامل میں راستبازی کے بجائے کج روی اور طبیعت میں سفاکی پیدا ہونی ناگزیر ہے۔ اول تو تجربہ اسے بتا دیتا ہے کہ اس کا قوی علم کہاں تک دوسروں پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ خود اپنی جسمانی قوتوں پر کس قدر موثر ہے۔ اس کے علاوہ قدرتی تحقیقات اس کی طاقت اور بڑھا دیتی ہیں۔ ایسا شخص زندگی کو بہت عزیز رکھتا ہے۔ مرنے سے ڈرتا ہے' اس کی آرزو یہ رہتی ہے کہ زندہ رہے۔ وہ عمل کے ذریعے خود کو نوجوان رکھ سکتا ہے نہ موت کو روکنے پر قادر ہے۔ لے دے کے یہی تدبیر ممکن ہے کہ اپنے جسم کو فنا نہ ہونے دے۔ وہ اعضائے جسمانی کو برباد ہونے سے کچھ مدت تک کے لئے روک سکتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس کے قوائے جسمانی میں ایک سال کے اندر اتنا ہی فرق پڑتا ہے جتنا کسی عام شخص کے قویٰ میں ایک گھنٹے کے اندر پڑ سکتا ہے۔ اس کی شرارت آمیز خواہش جس میں علمی مدد سے ایک قسم کی طاقت پیدا ہو جاتی ہے' خود اپنی بربادی پر بھی اثر انداز ہو سکتی ہے۔ غرض وہ مدت تک زندہ رہ سکتا ہے۔ یہ خیال کر کے کہ لوگ اسے جادوگر یا آسیب نہ سمجھ لیں' بظاہر مر جاتا ہے لیکن اپنے زندہ رہنے کی کوئی نہ کوئی تدبیر کر کے وہ دنیا کے

ایک گوشے سے غائب ہو کر دوسرے میں جا رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ لوگ اس کے بعد اس کی تکفین و تدفین کی رسمیں ادا کریں۔ وہ دنیا میں ایسی جگہ ظاہر ہوتا ہے جہاں اسے کوئی نہیں پہچانتا اور جب تک اس کے پہچاننے والے زندہ رہتے ہیں' پھر اس مقام پر نہیں آتا جہاں سے جاتا ہے۔ وہ اپنے سوا کسی سے محبت نہیں رکھتا۔ اگر ایسا کرے' تو اسے بڑی دقت ہو۔ وہ اپنا راز کسی نیک یا بد سے نہیں کہتا۔ ایسے آدمی کا وجود ممکن ہے۔ اس وقت میرے سامنے ایک ایسا ہی شخص موجود ہے جس نے لندن میں اپنی بیوی اور اپنے رقیب کو قتل کیا' پھر انگلستان سے بھاگ کر ہندوستان جا پہنچا۔ وہاں ایک ریاست کے راجہ سے دوستی گانٹھی' دن رات نفسانی خواہشیں پوری کیں۔ کیمیاگری اور افسوں کے کمالات سیکھے' سفلی علوم جانے' دنیا بھر میں گھوما پھرا اور اب پھر اپنی نفسانی خواہشوں میں ڈوبا ہوا لندن میں آیا' جبکہ گذشتہ زمانے کے لوگوں سے کوچہ و بازار خالی ہو گئے۔ اب آپ اخلاقی قوانین کے احاطے سے باہر اور موت و زیست سے مل جل کر ایک عجیب مکروہ شکل اختیار کر گئے ہیں۔ میری رائے ہے کہ اس وقت آپ کی عمر تین سو برس سے کسی طرح کم نہیں۔ بہتر ہے آپ شائستہ لوگوں کے درمیان میں سے چلے جائیں اور دور دراز ویرانوں میں اپنا مسکن بنا لیں۔"

گرین کسی تغیر و تبدیلی کا اثر دکھائے بغیر اپنی کرسی پر بیٹھا رہا۔ آخر اس نے کہا۔

"میں پچھلی ایک صدی سے تم جیسے آدمی کی تلاش میں تھا۔ شکر ہے آج تم مجھے مل گئے۔ اب جو کچھ مجھے جاننا ہے' جانے بغیر نہ رہوں گا۔ اس وقت تم میں ایسی صلاحیت ہے جو گذشتہ اور آئندہ حالات سے بہت آگاہی رکھتی ہے۔"

اس آواز کے کان میں پہنچتے ہی مجھے احساس ہوا کہ میں لائبریری میں نہیں ہوں اور کسی عقاب کے پروں میں بیٹھا ہوں۔ میرے جسم کا تمام وزن یک لخت جاتا رہا۔ کمرہ میری نظروں سے بے چھ اور مکان ایک وسیع میدان تھا۔ مجھے کچھ خبر نہ رہی کہ کہاں ہوں۔ یکایک گرین کی آواز میرے کان میں آئی۔

"تم نے میرے بارے میں جو کچھ کہا' حرف بہ حرف درست کہا۔ میں نے اپنی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طاقت سے بے شمار فطرتی راز معلوم کئے ہیں اور اپنی علمی طاقت کے ذریعے رفتار زمانہ کی ان تاثیروں کو جو جسم پر موثر ہوتی ہیں' میں بخوبی روک سکتا ہوں' لیکن موت کا باعث صرف عمر کی زیادتی نہیں ہے۔ کیا ہم اتفاقی حادثات کو بھی روک سکتے ہیں جو موت کا باعث بن جاتے ہیں؟"

"نہیں روک سکتے۔" میں نے جواب دیا۔ "یہ واقعات' حادثات قدرت کی طرف سے ہوتے ہیں اور ان کے وقوع سے پہلے ہی قدرت ہر انسانی عزم و استقلال کو بے قابو کر دیتی ہے۔ لہٰذا کوئی نہیں جانتا کہ کس وقت کونسا حادثہ نمودار ہو اور وہ موت کی ابدی خاموشی میں لے جائے۔"

یک لخت میں نے پھر خود کو لائبریری کے اسی کمرے میں پایا۔ دیکھا کہ گرین غائب ہے اور جارج میرے قریب کھڑا مسکرا رہا ہے۔ میں نے اس سے گرین کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا کہ وہ میرے بیہوش ہوتے ہی یہ کہہ کر چلے گئے تھے کہ تمہارے دوست ایک گھنٹے تک ہوش میں نہ آئیں گے۔ جارج نے یہ بھی بتایا کہ مسٹر گرین بلومون ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ جب ہم دونوں بھاگم بھاگ وہاں پہنچے تو پتا چلا کہ بیس منٹ پہلے مسٹر گرین ہوٹل کا حساب کتاب کر کے چلے گئے۔ قیاس ہے وہ بحری جہاز میں سوار ہو کر کہیں گئے ہیں۔

وہاں سے ہم بندرگاہ گئے اور ایک شخص سے مسٹر گرین کا حلیہ بیان کر کے دریافت کیا کہ وہ کس جہاز میں سوار ہوئے ہیں؟ اس نے بتایا کہ وہ جزائر مالٹا کی جانب جانے والے ایک جہاز میں سوار ہوئے تھے۔ ہم اس کمپنی کے دفتر کی طرف روانہ ہوئے۔ مینیجر نے ہمیں دیکھتے ہی اپنی میز کی دراز سے ایک کاغذ نکالا اور میرے سامنے رکھتے ہوئے بولا۔

"مسٹر گرین نے یہ رقعہ مجھے دیا تھا اور کہا تھا کہ ٹھیک دس بجے دو آدمی آئیں گے۔ انہیں یہ رقعہ دے دینا۔" میں نے گھڑی پر نگاہ ڈالی پورے دس بجے تھے۔ رقعہ حسب ذیل تھا۔

"میں نے چاہا کہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے تم سے معلوم کروں اور تم نے ایسا ہی کیا' اس لئے میں نے اپنی طاقت تم پر مسلط کی۔ آج سے تین ماہ تک تم کسی

آدمی سے وہ کیفیت بیان نہ کر سکو گے جو ہمارے تمہارے درمیان گزری۔ تم یہ واقعہ اپنے دوست جارج کو بھی نہیں دکھا سکتے جو اس وقت تمہارے برابر میں بیٹھا ہے۔ یہ تین ماہ کی خاموشی خاص میرے کہنے اور حکم سے ہے۔ اگر تمہیں میری طاقت کے مسلط ہونے میں شک ہے تو اس کے خلاف کوئی بات کہنے کی کوشش کرو۔ تیسرے مہینے کے آخر میں یہ اثر جاتا رہے گا۔ باقی زمانے کے لئے میں تمہیں معاف کرتا ہوں' البتہ تمہارے مرنے کے دوسرے روز تمہاری قبر میں آن کر تم سے ملوں گا۔"

اس واقعے کو کئی برس بیت گئے ہیں۔ تین ماہ تک وہ راز کوشش کے باوجود میری زبان پر نہیں آ سکا اور نہ وہ واقعہ میں اپنے دوست جارج کو دکھانے پر قادر ہوا جو میرے قریب ہی موجود تھا۔

اب خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ گرین آج کل کہاں ہے اور کس بھیس میں ہے۔ میرا خیال ہے اس کے آخری الفاظ بھی ضرور پورے ہوں گے اور جب میں مروں گا تو وہ دوسرے روز میری قبر میں ضرور آئے گا۔

---- لیکن یہ کون جانتا ہے کہ میں کب مروں گا؟

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سو سال پہلے

اس ڈبے کی تہ میں سوکھے ہوئے چند پتے سے پڑے تھے' جو بظاہر تمباکو معلوم ہوتا تھا۔ ان سے بو بھی تمباکو کی آتی تھی اور وہ محسوس بھی تمباکو کی مانند ہوتے تھے۔ تمباکو کی یہ مقدار نصف اونس سے بھی کچھ کم ہی تھی۔

وولف ایک مستقل اور صاحب ذوق پائپ نوش تھا' اس لئے ان پتوں کو دیکھتے ہی غیرارادی طور پر اس نے چند سوکھے پتوں کو اپنی انگشت شہادت اور انگوٹھے سے تھاما اور انہیں ناک کے قریب لاکر چند لمحے سونگھتا رہا۔

"ٹرکش۔" اس نے بلند آواز سے اور بڑے اعتماد سے کہا۔ اسے اپنے فیصلے کی صداقت پر پورا پورا یقین تھا۔ یہ تمباکو ترکی کا بنا ہوا تھا اور پائپ پینے والوں میں اس کی ایک خاص شہرت تھی۔

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔ وولف نے تمباکو کو دوبارہ ڈبے میں رکھا اور ڈبے کو کچن کے غیر مستعمل سامان کی اسی الماری میں رکھ دیا' جہاں سے اٹھایا تھا۔ پھر وہ اپنے ملاقاتی کے استقبال کے لئے دروازے کی طرف بڑھا اور اسی کے ساتھ اس ڈبے کا خیال اس کے دل سے نکل گیا۔

☆○☆

جان وولف کو دیہی علاقے کے اس مکان میں آئے تقریباً" ایک ماہ ہوا تھا۔ اس مکان کے سابقہ مالک کرنل ہاورڈ نے سیب کے ایک درخت سے لٹک کر خودکشی کرلی تھی اور اس معاملے نے وولف کے لئے اس مکان کی خریداری کا مسئلہ بہت آسان کردیا تھا۔ وولف نے پراپرٹی ایجنٹ کو ایک مضحکہ خیز حد تک کم رقم کی پیشکش کی' جسے قبول کرلیا گیا۔

وولف کے لئے ہاورڈ ہاؤس کی واحد دلکشی اس کا الگ تھلگ واقع ہونا تھا۔ وہ اپنا کام مکمل کرنا چاہتا تھا اور اس کے لئے اسے تنہائی درکار تھی۔ شہری زندگی ایک

جدوجہد کرنے والے فنکار کے لئے تو گوناگوں مواقع اور ترغیبات کی حامل ہوتی ہے لیکن ایک کامیاب فنکار کے لئے یہی شہری زندگی مختلف قیود اور پابندیوں کا باعث بن جاتی ہے۔ اسے دوسروں کے ہاں جانا اور دوسروں کو اپنے ہاں مختلف تقریبات پر مدعو کرنا پڑتا تھی۔ اپنے بظاہر دلچسپ اور ہنگامہ خیز لیکن حقیقتاً" خشک' بے کیف اور اکتا دینے والی محفلوں' پارٹیوں اور فنکشنوں میں شرکت کرنا پڑتی تھی۔ اسے لوگوں سے میل جول رکھنا پڑتا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے سٹوڈیو کو اپنے فن کی نمو سے کہیں زیادہ اپنے پیچیدہ مجلسی اور رومانی تعلقات کی نمو کے لئے استعمال کرنا پڑتا تھا۔

ایسی دنیا میں جان وولف کے ادا کرنے کے لئے کوئی کردار نہیں تھا۔ اس کی عمر ۴۰ سال تھی۔ وہ کنوارا تھا۔ اس کی آمدنی معقول تھی اور وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ کسی وقت بھی زیر دام آ سکتا ہے۔ حال ہی میں چند جرات آزما عورتوں نے اس شاہین کو اپنے زیر دام لانے کی کوششیں کی تھیں اور وہ ان کی ان ہرچہ باداباد قسم کی کوششوں سے سخت گھبرا گیا تھا۔ ان ترغیبات سے اپنے آپ کو محفوظ و مامون کرنے کے لئے وہ شہر سے دیہات کی طرف نکل گیا اور اب آخرکار ایک بالکل الگ تھلگ جگہ اور مکمل تنہائی پاکر اپنے کام کی طرف پوری توجہ مبذول کرنے لگا تھا۔

اس مکان کے شمالی بیڈ روم کو وولف نے بڑی آسانی سے اپنے سٹوڈیو میں تبدیل کرلیا تھا۔ سرسراتے ہوئے ریشمی پردوں یا سرخ سرخ ہونٹوں کی درخشاں مسکراہٹوں کی اس سٹوڈیو میں عدم موجودگی کا اسے کوئی قلق نہیں تھا۔ اس جگہ اس کی ملاقات صرف ان لوگوں سے ہوتی تھی جن سے ملنا ضروری تھا اور یہ بھی بڑی حد تک وکاندار یا تجارت پیشہ لوگ تھے۔ وہ تنہا رہ رہا تھا اور تنہائی کی یہ زندگی اسے بیحد پسند تھی۔

ایک صبح ناشتے کے ذرا دیر بعد اس نے اپنے سٹوڈیو کا رخ کیا تاکہ اس تصویر پر کام جاری رکھ سکے' جسے اس کی اپنی نظروں میں ایک امیدوں بھرے حوصلہ مندانہ منصوبے کی حیثیت حاصل تھی۔ یہ تصویر ایک عورت کی تھی اور اس قسم کی عورت کی تصویر تھی' جس سے وولف اب تک کہیں متعارف نہیں ہوا تھا۔ ایسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عورت ابھی تک کہیں بھی اس کے دیکھنے یا سننے میں نہیں آئی تھی۔ اس کے لئے اسے کسی ماڈل کی ضرورت نہیں تھی۔ اس معاملے میں اس کی رہنمائی وہ بار بار نظر آنے والا خواب کر رہا تھا' جو متواتر ہونے کے باوجود انتہائی گریزپا ثابت ہوا تھا اور جس کے تیزی سے گزر جانے والے مگر گہرے نقوش اس کے ذہن کے پردے پر مرتسم ہوتے رہتے تھے۔

اس خاص صبح وہ تصویر کی آنکھیں بنانے کے انتہائی نرم و نازک مگر اہم کام پر اپنی توجہ مبذول کئے ہوئے تھا۔ تین بار اس نے کینوس پر سے رنگوں کو چاقو سے کھرچ دیا تھا۔ کمرے میں روشنی خوب اچھی تھی۔ اس کے حالات کار نہایت عمدہ تھے' اس کا موڈ بہترین حالت میں تھا مگر نہ جانے کیوں رنگوں میں وہ درخشانی نہیں تھی' جو اسے مطلوب تھی۔ وولف نے اپنی رنگوں والی تختی کی طرف ایک گونہ نفرت سے دیکھا۔ اس پر موجود رنگوں میں سے کوئی بھی اس کیفیت کا حامل نہیں تھا جو اسے درکار تھی۔ نیلے رنگ بھدے اور بے جان تھے اور ہرے رنگ ٹھس' دھندلے اور بے کیف تھے۔ ان سے وہ اس شفاف اور درخشاں فیروزی رنگ اخذ کرنے کی توقع کیسے کر سکتا تھا جو ان خالی خالی آنکھوں کو ایک پراسرار اور جداگانہ مستقل زندگی عطا کر دے۔

اس نے اپنے لاینحل مسئلے پر پوری توجہ دیتے ہوئے پائپ کا کش لگایا۔ پھر یکایک اسے احساس ہوا کہ اس کا پائپ تو ٹھنڈا ہو چکا ہے۔ ایک بڑی سی گالی اس کے ہونٹوں سے پھسلی اور اس کا ہاتھ تمباکو کے بٹوے کی طرف بڑھا اور ایسا کرتے ہوئے اسے یکایک یاد آیا کہ ناشتے کے بعد جب اس نے پائپ میں تمباکو بھرا تھا تو تمباکو کا بٹوا خالی ہو گیا تھا۔ اس پر اس نے طیش میں آکر اپنے آپ کو نصف درجن گالیاں دیں اور سنجیدگی سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا کہ شاید اسے کہیں تمباکو کا ڈبہ پڑا مل جائے۔

پانچ منٹ کے بعد ہی اس نے یہ تلاش ترک کر دی اور اس قریب ترین دکان کی شان میں لچھے دار معلقات پر مبنی قصیدہ پڑھنے لگا' جو قریب ترین ہونے کے باوجود کم سے کم دو میل دور تھی۔

اور یہی وہ وقت تھا جب وولف کو ترکیہ کا ڈبہ یاد آیا۔ وہ سیدھا کچن کی طرف بڑھا اور غیر مستعمل اشیا کی الماری کھول کر اس میں سے وہ ڈبہ نکال لیا۔ ڈھکنا اٹھا کر وہ تمباکو کے پتوں کو کسی قدر کراہت سے دیکھنے لگا۔

"نرا زہر ہے۔" وہ بڑبڑایا مگر اس لمحے وہ اس کے زہریلے دھوئیں سے اپنا گلا جلانے کے لئے بھی تیار تھا' اگر اس طرح اسے تصویر کی پراسرار آنکھوں کا مسئلہ حل کر لینے میں مدد مل سکتی۔

اس پرانے تمباکو کے ممکنہ مضر اثرات کو زائل کرنے کے لئے اس نے چائے تیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ چولہے پر پانی کی کیتلی رکھ کر وہ اس مکان میں اس تمباکو کی شکل میں کرنل ہاورڈ کی پہلی اور آخری نشانی کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ یہ سوچ سوچ کر حیران ہو رہا تھا کہ کرنل ہاورڈ جو ہر لحاظ سے فوجی آدمی تھا' اس نے اپنی زندگی کو ختم کرنے کے لئے خودکشی کا ڈرامائی انداز کیوں اختیار کیا؟

"شاید وہ یہ نامراد تمباکو بہت زیادہ پیتا رہا ہو گا۔" وولف نے سوچا۔ پھر جب کیتلی میں پانی ابلنا شروع ہوا تو اس کے دماغ میں یہ خیال آیا کہ عین ممکن ہے' ترکیہ کا یہ تمباکو ہاورڈ ہاؤس میں کرنل ہاورڈ کے آنے سے بھی بہت پہلے سے موجود رہا ہو۔

سٹوڈیو میں واپس آکر وولف نے ایسے تمام خیالات کو اپنے دماغ سے نکال دیا اور اپنی پوری توجہ کینوس پر مرکوز کر دی۔ کام کرتے ہوئے وہ چائے کی چسکیاں بھی لیتا جاتا تھا اور اپنے پائپ میں بھرے ہوئے تمباکو کے کش بھی لئے جا رہا تھا۔

جلد ہی اس تمباکو کی مخصوص خوشبو کمرے میں پھیلنے لگی اور کمرے کی خاموش فضا میں اس کے نیلگوں دھوئیں کے مرغولے رقص کرنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے دماغ میں اپنے لاینحل مسئلے کو حل کرنے کا ایک طریقہ آیا۔ وہ تیزی اور خاموشی کے ساتھ کام کرنے لگا۔

کچھ دیر بعد ہی دو سبزی مائل نیلگوں درخشاں آنکھیں کینوس پر سے بڑی سنجیدگی کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

☆○☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب وولف کی آنکھ کھلی تو حسینہ کرسی میں بیٹھی تھی اور ویسی ہی سبزی مائل نیلگوں درخشاں آنکھوں سے سنجیدگی کے ساتھ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

وولف کا دل جیسے اچھل کر اس کے حلق میں آگیا اور اس نے انتہائی کوشش کر کے کینوس کی طرف دیکھا۔ وہاں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا تھا۔ تو گویا تصویر کی اصل حسینہ اپنی سبزی مائل نیلگوں درخشاں آنکھوں کے ساتھ بہ نفس نفیس اس کے سامنے موجود تھی۔

وولف اٹھ کر پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گیا۔ اس کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ صورت حال کی حقیقت اور اصل کیفیت آہستہ آہستہ اس کے ذہن نشین ہونا شروع ہوئی۔ یہ اور بات ہے کہ اس کا ذہن ابھی تک خواب اور بیداری کی درمیانی دھند کی لپیٹ میں تھا۔

ایک اہم مسئلہ تو یہ معلوم کرنے اور جاننے کا تھا کہ وہ پلنگ پر آ کر کیسے سو گیا تھا مگر اس سے زیادہ اہم مسئلہ اس پراسرار حسینہ کی کہیں زیادہ پراسرار انداز میں وہاں موجودگی کا تھا۔

"خدا کے لئے یہ بتاؤ تم کون ہو؟" وولف نے کہا۔ اس کی آواز میں خوف کی لرزش تھی اور یہ خوف بھی عجیب اور پراسرار سا تھا۔ اس کی آواز نے خاموش اور سکوت کی فضا کا طلسم توڑا تو وہ اپنی آواز کی تندی اور شدت پر خود بھی حیران رہ گیا۔

وولف نے جب اس حسینہ کے لباس کو ذرا غور سے دیکھا تو ایک ناقابل بیان اور ناقابل توجیہہ خوف اسے اپنی رگ رگ میں اترتا محسوس ہوا۔ خوف کی یہ طوفانی لہر ایسی تند و تیز تھی کہ ہر معقول احساس، ہر معقول توجیہہ اور ہر معقول امکان اس کی رو میں بہہ گیا۔ اس کا لانبا چاک دار سکرٹ کسی نامعلوم اور غیر محسوس دھات کی طرح جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ اس کے نیم شفاف بلاؤز کی بنت کسی لکڑی کے جالے کی طرح تھی، جس پر عجیب و غریب وضع کے کئی بروچ جڑے تھے۔ اس کی کمر میں ایک چوڑی پیٹی تھی، جو خدا جانے کس چیز کی بنی ہوئی تھی۔

وولف کے ذہن میں حسینہ کے لباس کی یہ تفصیلات جیسے انگارے دہکا رہی

تھیں۔ اپنے دماغ کے اندر دہکتے ہوئے انگاروں کی یہ پراسرار کیفیت محسوس کرتے ہوئے اس نے یہ بظاہر غیر نمایاں بات بھی محسوس کی کہ گھڑی کی سوئیاں گیارہ بج کر بیس منٹ پر ساکت ہو چکی ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ پانچ منٹ سے بھی کم مدت کے لئے سویا ہے۔ لیکن اس کا ایک دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ چوبیس گھنٹے سے زیادہ دیر کے لئے سوتا رہا ہے۔

بیداری کے لمحے کی سہل انگاری اور آلکس کی کیفیت اب اس سے رخصت ہو چکی تھی۔ اب اسکا دماغ انتہائی تیز اور مخدوش رفتار سے کام کرتے ہوئے تمام امکانات کا ہمہ جہتی جائزہ لینے میں مصروف تھا تاکہ وہ حسینہ کے جواب دینے سے قبل کسی نتیجے پر پہنچ سکے۔

حسینہ نے وولف کی بات کا جواب دیا تو اس کی آواز بلا کی شیریں، مترنم اور رس میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وولف کے کھولتے ہوئے دماغ، دہکتے ہوئے ذہن اور غیر معقولیت کے تپ سے جلتے ہوئے وجدان کے لئے یہ آواز انتہائی مسکن تھی۔

"تمہارا خوفزدہ ہونا ایک بالکل قدرتی بات ہے۔" حسینہ بولی۔ "اسی لئے میں چاہتی تھی کہ تم آہستہ آہستہ بیداری کی حالت میں آؤ تاکہ دھچکا ذرا کم ہو سکے۔ ہاں، ذرا میری آنکھوں میں جھانک کر تو دیکھو۔"

یہ حسینہ کی طرف سے نہ تو درخواست تھی اور نہ حکم، مگر وولف نے فوراً ہی اس کی پذیرائی یا تعمیل کی جس کا اسے خود بھی یقین نہیں تھا۔

ایک لمحے کے لئے وولف کو یوں محسوس ہوا، جیسے حسینہ کی اس طرف جمی ہوئی نگاہوں کی گہری درخشانی نے سارے کمرے کو تاریک کر دیا ہے۔ جیسے اس درخشانی نے خود اسے کسی عظیم الجثہ دریائی عفریت کی طرح سموچا نگل لیا ہے۔ اسے یوں محسوس ہوا، جیسے وہ تاریکی کے غیر شفاف گھومتے ہوئے بھنور میں ڈوبتا اور چکر کھاتا جا رہا ہے مگر پھر جیسے ہر طرف روشنی ہی روشنی ہو گئی۔ اسے نہ تو خوف محسوس ہو رہا تھا اور نہ اس کا ذہن کسی ہیجان، تناؤ یا اضطراب کا شکار معلوم ہوتا تھا۔ خاموشی، سکون اور ہوشمندانہ انداز کے ساتھ وہ اس حسینہ کی طرف سے کسی وضاحت یا توجیہہ کا انتظار کر رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حسینہ ایک ادائے دلنواز کے ساتھ مسکرائی۔

"اب تمہاری حالت کچھ بہتر ہے۔ ہے نا؟"

اس نے اثبات میں سرہلا دیا۔ "تم کون ہو؟" اس نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا مگر اب خوف کا عنصر اس کی آواز سے رخصت ہو چکا تھا۔

"پہلے میں تمہیں تیار کر لوں۔" حسینہ اپنے عجیب و غریب مگر اطمینان بھرے انداز میں بولی۔ "میرے خیال میں تمہارے لئے یہ بہتر ہو گا کہ تم اس تجربے کو ایک واضح اور تفصیلی خواب سمجھ کر قبول کرو۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ دیکھو نا۔ تمہارا ذہن ابھی اس آہنگ تک نہیں پہنچا ہے کہ اس خاص واقعیت کا سامنا ایک شدید دباؤ اور تناؤ سے دوچار ہوئے بغیر کر سکے۔ کیا تم یہ یقین کر سکتے ہو کہ تم خواب دیکھ رہے ہو؟"

ایک بار پھر اس نے حسینہ کی پراسرار نگاہوں کی سحرانگیز کیفیت محسوس کی۔

"اگر تم سمجھتی ہو کہ ایسا ضروری ہے۔" وولف نے سکون سے جواب دیا۔

"تو میں یقین کر لوں گا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں۔" پھر اس نے ایک نگاہ کینوس کی طرف ڈالتے ہوئے کہا۔ "دیکھو نا۔ اس خواب نے مجھے بالکل ہی بے خبری میں نہیں آلیا ہے۔"

حسینہ نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا اور اس کے تبسم میں ایک شوخی' ایک شرارت کی کیفیت پیدا ہو گئی۔

"ہر خواب کے لئے لاشعوری تیاری اور آمادگی کی ایک خاص حد اور مقدار ایک قدرتی بات ہے۔" حسینہ نے جیسے وضاحت کی۔ "تمہارا مستور اور لاشعوری وجود اس تجربے کے لئے پہلے سے متوقع اور منتظر ہو گا' قبل اس کے کہ تمہارا شعوری وجود اس سے دوچار ہو۔"

وولف جیسے اس صورت حال کی خوابناک کیفیت کو دل سے قبول کر چکا تھا اور اب اس کا ردعمل گویا بالکل قدرتی انداز میں ظاہر ہو رہا تھا۔

"میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ میں تقدیر پر یقین رکھتا ہوں۔" اس نے ایک ہلکے سے تشکیک بھرے انداز میں کہا۔ "اور نہ مجھے غیب دانی یا روشن ضمیری

پر اعتماد ہے۔"

یوں لگتا تھا جیسے حسینہ اس کے جواب سے محظوظ ہوئی ہو۔ وہ بولی۔

"تم اس بات سے تو انکار نہیں کر سکتے کہ علت اور معلول یا سبب اور نتیجے کے درمیان ایک خاص تعلق ہے؟"

حسینہ کا احساس حظ و انبساط ایک طرح سے اثر آفریں اور سرایت کرنے والا معلوم ہوتا تھا۔ وولف سوچ رہا تھا کہ اگر یہ خواب ہے تو مفت میں ایسا مزے کا خواب کیا برا ہے۔ اور اگر یہ خواب نہیں بھی ہے تو کم از کم اس طرح کچھ تفریح اور دل بہلاوے کا سامان تو ہو ہی گیا۔

حسینہ کے سوال کے جواب میں اس نے اپنا سرہلایا اور کہا۔

"بہرحال اتنا تو میں اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ اختیار یا آزاد قوت ارادی نام کی ایک شے ضرور ہے۔"

پھر جیسے محض اتفاقاً" حسینہ کی نگاہیں وولف کے پائپ پر ٹکیں' جو فرش پر پڑا تھا۔ اس نے بھی پائپ کو فرش پر پڑے دیکھا اور اس کا دھیان پہلی بار ترکیہ کے تمباکو کی طرف گیا۔

"کیا اس کا اس معاملے سے کچھ تعلق ہے؟" اس نے جلدی سے دریافت کیا۔

حسینہ کی آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔ "شاید۔" اس نے مبہم انداز میں جواب دیا۔

وولف کو یوں لگا جیسے وہ اپنی تضحیک کا سامان خود ہی فراہم کر رہا ہے۔

پھر حسینہ یکایک سنجیدہ ہو گئی۔ "سب سے پہلے جو بات تمہیں ذہن نشین کرنی اور قبول کر لینی چاہیے' وہ یہ ہے کہ ہمارے وجود وقت کی مختلف نوعیتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔"

وہ خاموش ہو گئی۔ غالباً" صرف اس خیال سے کہ اس کی بات اور اس کی بات کا مفہوم وولف کے ذہن میں پوری طرح بیٹھ جائے۔ چند لمحوں کی اس خاموشی کے دوران وولف نے اپنے اندر ایک ناقابل توجیہہ شدید ٹھنڈک محسوس کی' جیسے اس کا وجود یک بیک منوں برف کے ڈھیر تلے دب گیا ہو۔ وہ حسینہ کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

طرف دیکھے جا رہا تھا اور یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچھا بھلا اپنے سٹوڈیو میں کام کرتے کرتے وہ خواب بیداری اور کابوس کے درمیان ایک تنی ہوئی رسی پر چلنے کی کیفیت میں کیسے مبتلا ہو گیا ہے؟

"کیا تمہارا مطلب یہ ہے کہ تم ماضی سے تعلق رکھتی ہو؟" اس نے گلوگرفتہ آواز میں پوچھا۔

اس سوال کو سن کر ایک لمحے کے لئے حسینہ جیسے حیران سی ہو گئی۔ پھر جیسے اس کی پراسرار آنکھوں میں چھپی ہوئی مخفی قوت ایک غیرمرئی انداز میں وولف کی طرف بڑھی اور اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔

"نہیں مسٹر وولف۔" وہ آہستگی سے بولی۔ "میرا تو نہیں' مگر تمہاری تعلق ضرور ماضی سے ہے۔ دیکھو نا۔" وہ انتہائی ملائمت لیکن ایک عجیب و غریب مجبوری یا بے بسی کے انداز میں کہنے لگی۔ "اتفاق سے میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ تمہیں مرے ہوئے تقریباً" سو سال ہو چکے ہیں۔"

☆○☆

وولف نے کھڑکی سے باہر جھانکا اور اسے معلوم ہو گیا کہ حسینہ کی بات کی صداقت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔

گیارہ بج کر بیس منٹ تک۔ یا بالفاظ صحیح تر اس کے نیند کی آغوش میں پہنچ جانے کے لمحے تک سٹوڈیو کی کھڑکی سے دکھائی دینے والا منظر ایک جنگل کا منظر تھا۔ اب اس کی جگہ ایک وسیع و عریض ہوائی اڈے کے رن وے نے لے لی تھی۔ دور کچھ فاصلے پر چمکتے ہوئے گنبدوں کا جھرمٹ نظر آ رہا تھا جو حسینہ کے قول کے مطابق جہازوں کے ہینگر تھے۔

وولف کا ذہن اس حسینہ کی بات کا یقین کرنے پر مائل تھا۔ خصوصاً" اس لئے کہ ایک بھاری بھرکم اور بغیر بازوؤں والا طیارہ ابھی اوپر سے ایک خوفناک خاموشی کے ساتھ گزرا تھا۔

اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے جھلملانے لگے تھے' مگر اس کے ہاتھ انتہائی طور پر سرد تھے۔ اپنے آپ کو اس حسینہ کے ساتھ باتوں میں مصروف رکھنا اس کے

لئے انتہائی اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ یہ ایک طرح سے اپنے وجود' اپنی ہستی کو منوانے کی ایک قابل صد رحم کوشش تھی۔ حسینہ اس کے قریب کھڑی اس کی طرف ایک پراسرار بے تکلفانہ لاتعلقی سے دیکھ رہی تھی۔

"یہ سب بکواس ہے۔" وہ اچانک پھٹ پڑا۔ "ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ کسی قسم کا واہمہ ہے۔ میں میں---"

"ایسا ہی ہے۔" حسینہ نے سادگی سے جواب دیا۔ اس کی آواز میں کچھ کچھ ہمدردی کا شائبہ بھی تھا۔ "مگر میں یہ تسلیم کرتی ہوں کہ تمہارے نزدیک یہ سراسر بکواس ہے۔ یہ تمہارے امور حوالہ سے سراسر ماورا ہے' جیسے کہ تمہاری اپنی دنیا میرے تجربے سے ماورا ہے۔"

"دیکھو۔" وولف نے درشتی سے کہا۔ "یہ بتاؤ اس سارے ملعون کابوس میں تم کہاں آتی ہو؟"

حسینہ نے اس کے اضطراب بھرے وجود کی طرف یوں دیکھا' جیسے وہ اسے اپنے سحر سے پھر مائل بہ سکون کرنا چاہتی ہو۔

"میں تمہیں پہلے ہی بتا چکی ہوں۔" وہ بڑے صبر و تحمل سے بولی۔ "میں وہ ہوں' جسے تم اپنے خیال کے مطابق ایک نفسیاتی کارکن کہہ سکتے ہو۔ میرا فرض یہ ہے کہ میں ان خاص اور چیدہ چیدہ تجربات کا مطالعہ کروں جنہیں تمہارے وقت میں محض واہمے قرار دیا جاتا تھا۔"

"اور میں؟" وولف نے کسی قدر طنز سے کہا۔ "میں ان چوہوں میں سے ایک ہوں' جن پر یہ تجربات کئے جا رہے ہیں۔"

"ہاں۔" حسینہ بولی۔ "بالکل ٹھیک سمجھے ہو تم۔ ہمارے پاس یہ باور کرنے کی وجوہ موجود ہیں کہ وقت یا تاریخ یا تجربہ --- اسے تم جو نام چاہو دے لو' اس مکان میں چند خاص قسم کی اور نہایت عجیب و غریب شرارتیں کرتا آ رہا ہے۔ میں --- یوں کہہ لو کہ معروف آسیب زدہ مقامات کی تحقیقات کر رہی ہوں۔"

پھر وہ اچانک مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

"اور اس سلسلے میں جو بات میرے مشاہدے میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ تم بہت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دلچسپ اور شریف قسم کی روح ہو۔"

حسینہ کا متبسم انداز اور ہلکا پھلکا بے تکلفانہ لہجہ ایسا نہیں تھا کہ وولف اس سے دھوکا کھا سکتا۔ وہ تیزی سے بولا۔ "تو کیا اور بھی ہیں؟"

حسینہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "کم از کم ایک ضرور ہے۔ شاید زیادہ ہوں' دیکھو نا۔ ہمیں یہاں ہونے والی گڑبڑ کا پتا چلانے میں کامیابی یہاں وارد ہونے والے گذشتہ مہمان کی آمد سے کچھ پہلے ہی ہوئی تھی۔"

وولف نے اندھیرے میں تیر چلایا۔ "کرنل ہاورڈ؟"

"تم اسے جانتے تھے؟" حسینہ نے جلدی سے کہا۔

وولف ایک تلخ ہنسی ہنسا۔ "اس نے خودکشی کر لی تھی۔ اسی کے نتیجے میں مجھے یہ مکان بالکل سستے داموں ہاتھ لگا۔"

"ہم اس کی موت کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں۔" حسینہ بولی۔ "بیچارا۔ وہ ذہنی دھچکا برداشت نہیں کر سکا۔ اس کے برعکس تم اس سے کہیں بہتر طور پر عہدہ برا ہو رہے ہو۔"

"جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نفسیات یا نفسیاتی علاج نے کچھ زیادہ ترقی نہیں کی ہے۔" وہ خشک لہجے میں بولا۔

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو مگر ٹیلی پیتھی نے ضرور ترقی کی ہے۔ ایک بات تمہیں یاد رکھنی چاہیے مسٹر وولف۔ جب تک تم یہ نہ ٹھان لو کہ مجھے یہاں سے چلے جانا چاہیے' تب تک تمہارے بیشتر خیالات کو پڑھ لینا میرے لئے بالکل آسان ہے۔"

وولف اس کی طرف گھور گھور کر دیکھنے لگا۔ پھر ایک ہلکا سا تبسم اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوا۔

"مجھے اس طرح گھورنے کا کوئی فائدہ نہیں۔" وہ انتہائی سکون اور اطمینان سے کہنے لگی۔ "تمہارے لئے یہ بالکل فطری امر ہے کہ تم مجھے گوشت پوست کی ایک عورت خیال کرو اور اپنے جذبہ تجسس کی تسکین کے لئے اپنے تخیل کی قوت کو بروئے کار لاؤ۔ میں اس تعریف و ستائش کو اسی جذبے سے قبول کرتی ہوں' جس جذبے سے یہ کی جا رہی ہے۔"

وولف نے اس کی آنکھوں میں ہلکی سی چمک دیکھی اور وہ اچانک خوش ہو گیا۔ پھر وہ ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا۔

"لوگ اس حیرت انگیز حد تک نئی دنیا سے خاصے نامانوس ہوں گے۔"

"ہونا ہی چاہیے۔" حسینہ نے جواب دیا۔

گھڑی کی سوئیاں اب بھی گیارہ بج کر بیس منٹ پر تھیں۔ تصویر ابھی تک ایزل پر تھی۔ ہوائی اڈا کھڑکی میں سے ابھی تک دکھائی دے رہا تھا اور حسینہ غائب نہیں ہوئی تھی۔ ابھی تک تو غائب نہیں ہوئی تھی۔

وولف اب اس حد تک ضرور اپنے آپ میں آ چکا تھا کہ آداب میزبانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے چائے کی پیش کش کر سکے۔ جس چائے دانی میں اس نے چائے بنائی تھی' وہ ابھی تک خاصی گرم تھی۔ اس نے ایک اور کپ اور پرچ لینے کے لئے کچن کا رخ کیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کیلتی کی ٹونٹی سے ابھی تک بھاپ نکل رہی ہے' حالانکہ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے سٹوو کی گیس بند کر دی تھی ---مگر یہ اس کے روح کی شکل میں آنے سے پہلے کی بات تھی۔

وہ کپ اور پرچ لئے واپس اپنے سٹوڈیو میں آیا اور چائے کا کپ بنا کر حسینہ کی طرف بڑھا دیا۔ حسینہ خاموشی سے اور ایک گہرے جذبہ تجسس کے ساتھ چائے کی چسکیاں لینے لگی۔ وولف مایوس سا ہو گیا۔ ابھی تک کچھ نہیں ہوا تھا۔

"یہ بتاؤ۔" وہ اچانک بولا۔ "میں گر پڑا تھا یا کسی نے مجھے دھکا دیا تھا؟"

حسینہ نے خیال انگیز انداز سے اس کی طرف دیکھا۔ پھر کہنے لگی۔

"میرا خیال ہے تم نے خود اپنے آپ کو دھکا دیا تھا مسٹر وولف۔ ہم' جن کا تعلق زمانہ حال سے یا آپ کے زمانہ مستقبل سے ہے' اس میں کسی طرح بھی ملوث نہیں تھے۔ اگر تم ان خطوط پر سوچ رہے ہو مسٹر وولف' تو میں واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ اس میں ہمارا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔"

وولف چند لمحوں کے لئے یوں خاموش رہا جیسے کچھ سوچ رہا ہو' پھر وہ کہنے لگا۔

"میرا خیال ہے شاید کرنل ہاورڈ بھی پائپ پینے کا عادی تھا۔" حسینہ نے یوں ظاہر کیا جیسے وہ اس سوال سے گھبرا سی گئی ہے۔ وہ بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" پھر جیسے اسے معاملے کی سمجھ آ گئی اور وہ کہنے لگی۔ "اوہ۔ میں سمجھی۔ تم شاید اس عجیب و غریب تمباکو کے متعلق سوچ رہے ہو' جو تم نے پیا ہے۔"

وولف ہنس دیا۔ "ترکیہ کا ڈبہ۔ ترکیہ کے تمباکو کے چند بظاہر بے ضرر پتے۔ ویانا کا رائی والا ڈبہ' جس میں تمباکو کے پتے ڈال کر کچن کی ایک پرانی چیزوں والی الماری میں ڈال دیئے گئے تھے۔ تم مستقبل کے لوگ اسرار اور چیستان کے کچھ زیادہ ہی شائق معلوم ہوتے ہو۔ مگر اس چیستان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"تم شاید مجھ سے یہ کہلوانا چاہتے ہو کہ یہ تمباکو عجیب و غریب خواص کا حامل ہے۔" وہ بڑے سکون سے بولی۔ "یعنی یہ تمباکو تمہیں سو سال آگے لے جا کر پھینک ڈالنے کا ذمہ دار ہے۔ لیکن میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی اور میرا خیال ہے کہ تم بھی کچھ نہیں جانتے ہو گے۔"

"میں جانتا ہوں۔" وولف نے کہا۔ "اور خوب اچھی طرح جانتا ہوں' مگر مجھے یہ معلوم کر کے ایک عجیب سی خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ اس نئی اور عظیم دنیا کے باسی اپنی عظیم الشان ترقیوں کے باوصف بہرحال ہمہ دان یا روشن ضمیر نہیں ہی۔ تم کو ٹیلی پیتھی کی ترقی پر ناز ہے لیکن دنیا میں اور بہت سی چیزیں ہیں' جن کی ہوا بھی تمہاری ٹیلی پیتھی کو نہیں لگی۔"

اور یہ کہتے ہوئے وہ بھرائی ہوئی سی آواز میں قہقہے لگانے لگا۔

حسینہ نے اس کے رخسار پر ایک ہلکی سی چپت لگائی تو اس کے قہقہے یک بیک یوں بند ہو گئے' جیسے گھڑی کے الارم کی چابی ختم ہوتے ہی الارم کی آواز بند ہو جاتی ہے اور وہ خالی خالی نگاہوں سے کھڑکی میں جھانکنے لگا۔

"شکریہ۔" چپت کھا کر جیسے خود بخود اس کے ہونٹوں سے آواز نکلی۔ اس آواز میں لرزش کی سی کیفیت تھی۔ "میں معذرت چاہتا ہوں۔"

"تم نے اپنی تصویر ترکیہ کے تمباکو کو ہاتھ لگانے سے بھی بہت پہلے شروع کی تھی۔" حسینہ اچانک کہنے لگی۔ "پھر یہ کیسے ممکن ہوا کہ تم نے میری تصویر بنا

ڈالی؟"

"یہ مجھے ایک خواب میں دکھائی دی تھی۔" اس نے جذبات سے عاری سرگوشی کے انداز میں کہا۔ "ایک ایسی حسینہ کی آنکھیں میرے ذہن کے پردوں پر نقش تھیں' جن سے میں کہیں متعارف نہیں ہوا تھا اور نہ مجھے اس کی توقع ہی تھی' مگر اب تم مل گئی ہو تو معاملہ یکسر مختلف ہو گیا ہے۔ مستقبل ایک ایسی چیز ہے جس سے کوئی پیار نہیں کر سکتا۔ اس سے تو خوف ہی کھایا جا سکتا ہے یا پھر اس کے بارے میں سوچ سوچ کر آدمی دیوانہ ہو سکتا ہے۔ ہاں تو میرا انتقال کب ہوا تھا؟"

حسینہ نے یوں ظاہر کیا جیسے ایک لمحے کے لئے وولف کے سوال نے اسے گڑبڑا دیا ہو۔ شاید وہ اس سوال کے لئے تیار نہیں تھی۔ وولف نے اچانک اس کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں اسے جذبہ ترحم کی ہلکی سی جھلک دکھائی دی' جیسے حسینہ کو اس کی حالت پر رحم آ رہا ہو۔

"اپنی زندگی کے اختتام پر۔" حسینہ نے آہستگی سے جواب دیا۔ "اور ہم میں سے ہر شخص کا انتقال اسی طرح ہوتا ہے' اپنی زندگی کے اختتام پر۔"

"سال بتاؤ۔" وولف نے اصرار کیا۔ "کونسا سال تھا؟ تم نے کہا تھا کہ تمہیں علم ہے۔"

"تم بتاؤ۔ تمہیں کیا چاہیے؟ تم نے اپنی دنیا کو کب خیرباد کہا تھا؟" حسینہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"ایک ہزار نو سو بانوے؟" وولف جلدی سے بولا "اس سال میرا انتقال ہوا تھا کیا؟"

وولف اس کی طرف دیکھ رہا تھا مگر حسینہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ شاید پہلی بار وہ اپنے اور اپنی بات کے بارے میں بے یقینی کی کیفیت سے دوچار تھی۔ "ایک ہزار نو سو اٹھانوے۔" وہ کچھ ہچکچاہٹ کے ساتھ بولی۔ "میرا جواب اتنا ہی احمقانہ ہے' جتنا کہ تمہارا سوال۔"

"جھوٹ۔" وولف نے جیسے خوش ہو کر کہا۔ "مجھے یہ جان کر بڑی تسکین ہوئی ہے کہ جھوٹ بولنے کا سلیقہ عورتوں کو اب تک نہیں آیا۔ تم نے ہاورڈ کو بے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وقوف بنا لیا ہو گا' مگر مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتیں۔ میں نے کینوس پر تمہاری آنکھیں بنائی ہیں۔"

"اور کیا نظر آیا تمہیں ان آنکھوں میں؟"

"سچائی۔ حقیقت۔ صداقت۔"

"بہت دیر ہو گئی ہے۔" وہ اچانک بولی۔ "اب تمہیں واپس چلے جانا چاہیے۔"

وولف نے دیوار پر نصب گھڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے وقت کو معدوم کر دیا ہے۔ وقت اس وقت تک ٹھہرا رہے گا' جب تک میں خود اس کے لئے تیار یا آمادہ نہیں ہو جاتا۔"

"تمہارا مزید ٹھہرے رہنا خطرے کی بات ہے۔"

"میں ہر خطرے کو خوش آمدید کہتا ہوں۔" وولف نے بے جگری سے کہا۔ "میں وقت کو مسخر کر کے اپنے خیالوں کی ملکہ اور تصورات کی حسینہ تک پہنچا ہوں اور اب مجھے واپس جانے کے لئے کہا جا رہا ہے۔ میری جان۔ تمہارا یہ رویہ خالصتاً" نسوانی ہے۔ تمہیں ایک بے خانماں روح کو اس طرح ورغلانا نہیں چاہیے تھا۔"

وولف کی نظریں دھندلانے لگی تھیں مگر حسینہ کی آنکھیں اب بھی اسے صاف طور پر دکھائی دے رہی تھیں۔ یہ آنکھیں جیسے دور' بہت دور سے' اسے اپنی زبان بے زبانی میں بہت کچھ کہہ رہی تھیں۔ اسے ان آنکھوں میں اپنے کہے ہوئے غیر محتاط الفاظ اور لاپروائی کے انداز کی سچائی اور صداقت صاف دکھائی دے رہی تھی۔ مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ معاملہ بہت آگے بڑھ چکا تھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

یہ سوال دریافت کرتے ہوئے وولف بظاہر اپنی جگہ ساکت کھڑا تھا' مگر ایک شرابی کی طرح کسی قدر جھوم سا رہا تھا۔ "جب ستاروں میں روشنی نہ ہو گی تو میں کسے پکاروں گا؟ اس خالی خولی کمرے میں میری نگاہیں کس کی تصویر کا طواف کریں گی؟"

اب خود کمرے کے خدوخال اس کی نظروں میں دھندلا گئے تھے۔ وہ حسینہ بھی

اب اسے دکھائی نہیں دے رہی تھی مگر جب اس نے زبان کھولی تو اس کی آواز مدھم مگر بالکل قریب سے آتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

"میں شائی ہوں۔" حسینہ نے سرگوشی کی۔ "اور تم وولف ہو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ میں اور تم "ہم" نہیں ہو سکتے کیونکہ میرے اور تمہارے درمیان وقت کی دیوار حائل ہے۔ تمہیں واپس جانا چاہیے۔ تمہیں ایک بار پھر اپنی دنیا میں واپس جانا ہو گا۔"

"شائی۔ تم کہاں ہو؟ تم مجھے بالکل دکھائی نہیں دے رہیں۔ اپنا ہاتھ تو دو مجھے۔"

تاریکی ایک بھنور کی شکل اختیار کر گئی اور یہ بھنور آہستہ آہستہ خاموشی اور سکوت کے سمندر میں ڈھل گیا۔

☆○☆

ہتھوڑے کی ضربوں کی بے رحمانہ دھمادھم کی آواز بار بار آ رہی تھی۔ وولف نے آہستہ آہستہ' نہایت آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں کھولیں اور ہتھوڑے کی آواز کے منبع کی طرف نگاہ اٹھائی۔ گھڑی کی سوئیاں گیارہ بج کر بیس منٹ پر تھیں ہتھوڑے کی ضربیں دھمادھم کی شدت سے کم ہوتے ہوتے گھڑی کی سوئیوں کی مسلسل ٹک ٹک میں تبدیل ہو گئیں۔

وولف نے حیرت اور خوف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اپنے گردوپیش دیکھا۔ شاید اسے کسی حد تک یہ توقع تھی کہ کسی بھی لمحے اس کا کمرہ اپنی تمام تر جنوں خیز خاموشی کے سارے لوازمات سمیت پھر کسی ماورائے وقت خواب میں تحلیل ہو جائے گا۔ مگر اس کی توقع کے بالکل برعکس اس کا کمرہ اپنے تمام سکوت' اپنی تمام بلاغت کے ساتھ تمام رازوں کو دامن میں لئے مہربہ لب رہا۔ اس عجیب و غریب سانحے کی واحد شہادت صرف اس ایک زاید پرچ اور کپ کی صورت میں موجود تھی' جو کرسی کے قریب پڑا تھا۔

کپ ابھی تک گرم تھا اور وولف ایک تلخ احساس کے ساتھ یہ سوچ رہا تھا کہ اس کپ پر اس حسینہ گریزپا کے گریزاں گریزاں ہونٹوں کا لمس ابھی تک موجود

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔

اسے ان گریزاں گریزاں ہونٹوں کی صدائے بازگشت سنائی دی۔ اس نرم و نازک آواز کی صدائے بازگشت جو اس سے سو سال' پوری ایک صدی آگے تھی۔

"میں شائی ہوں اور تم وولف ہو۔ کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ میں اور تم "ہم" نہیں ہو سکتے کیونکہ میرے اور تمہارے درمیان وقت کی دیوار حائل ہے۔ تمہیں واپس جانا چاہیے۔ تمہیں ایک بار پھر اپنی دنیا میں واپس جانا ہو گا۔"

"لعنت ہو مجھ پر۔" وہ یاس بھرے انداز میں چیخا۔ "میں واپس آ گیا ہوں۔ اپنی سکوت آمیز اور جنوں خیز دنیا میں واپس آ گیا ہوں۔"

اچانک اس کی نظریں کینوس پر پڑیں اور پھر وہیں جم کر رہ گئیں۔ صاف شفاف سبزی مائل نیلگوں اور کسی قدر درخشاں آنکھیں خالی خالی انداز سے جیسے اسے مسلسل تک رہی تھیں۔ ہونٹ بے حس و حرکت اور خاموش تھے اور وولف اچھی طرح جان اور سمجھ رہا تھا کہ وہ ان ہونٹوں کی آواز دوبارہ پھر کبھی نہیں سن سکے گا۔

"لعنت ہو مجھ پر۔ ہزار بار لعنت ہو۔" وہ یکایک چیخ اٹھا۔

اس کا جی چاہا کہ آگے بڑھ کر اس کینوس کو اس طرح جھنجھوڑ ڈالے کہ وہ پھر سے اس جیتی جاگتی حسینہ کا روپ دھار جائے۔ اس کی یہ خواہش ایک سراسر مجنونانہ خواہش تھی۔ وہ کمرے سے باہر نکل گیا کہ کہیں اس کا جوش و جنوں اس گریزپا خواب کی واحد نشانی کو بھی نیست و نابود نہ کر دے۔

کچن میں جاتے ہی وولف نے ترکیہ کا ڈبہ نکال لیا۔ ڈبہ اس کے کانپتے ہوئے ہاتھ میں تھا اور دوسرے ہاتھ کی کانپتی ہوئی انگلیاں اس میں پڑے ہوئے تمباکو کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کے اپنے اندازے کے مطابق اس تمباکو سے پائپ تین مرتبہ بھرا جا سکتا تھا۔ پہلے تو اس کے جی میں آئی کہ وہ اس منحوس ڈبے کو اس کے سراپا نحوست اور پراسرار تمباکو سمیت کھڑکی سے باہر پھینک دے' مگر پھر اس نے اسے احتیاط سے سنبھال کر رکھ لینے کا فیصلہ کیا تاکہ اس سے اس وقت کام لے سکے' جب اس کے دل میں وہ عزم' وہ جذبہ' وہ خوف دوبارہ پیدا ہو جائے' جو اس کے

سٹوڈیو میں دوبارہ وہی جنوں انگیز حالت و کیفیت پھر سے پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے۔

اس احساس کے ساتھ ہی وولف سر سے پاؤں تک لرز کر رہ گیا اور ترکیہ کے ڈبے کو دوبارہ اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے جھلملانے لگے تھے۔ کیونکہ وہ جان گیا تھا کہ اس کی قوت ارادی اب ختم ہو چکی ہے اور اب وہ دوبارہ اس کمرے میں داخل نہیں ہو سکے گا۔

اگلے دو روز اس نے انتہائی کرب و اضطراب کے عالم میں گزارے۔ بڑھے ہوئے شیو اور بے خواب آنکھوں کے ساتھ وہ برابر سوچتے اور غور و فکر کرتے ہوئے آخرکار وہ اس فیصلے پر پہنچا جو اس کے نزدیک واحد اور معقول فیصلہ تھا۔

یہ فیصلہ کر کے اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے۔ اس فیصلے کے ساتھ ہی اسے ایک انتہائی عجیب و غریب اور پراسرار سکون محسوس ہو رہا تھا۔

پھر ایک صبح لوگوں نے جان وولف کو اس حالت میں دیکھا کہ پائپ اس کے ہونٹوں میں دبا ہوا تھا اور اس کی جان اس کے جسم کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔

لوگ اس عظیم مصور کے انجام کے اسباب کے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں کر رہے تھے' جس نے نہایت خاموشی' سکون اور اطمینان کے ساتھ پائپ پیتے پیتے اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیا تھا۔

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وعدہ

وہ ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز سن کر چونکی۔ پھر اس نے زیر لب ایک مقبول گیت گنگناتے ہوئے ریسیور اٹھایا۔

"کلاڈیا۔" دوسری جانب سے آواز آئی۔ "میں جارج بول رہا ہوں۔ تمہارے شہر میں چند روز کے لئے آیا ہوں۔ تمہارے پاس آنے سے قبل میں نے سوچا کہ تمہیں فون کرلوں کہیں خواہ مخواہ پریشانی نہ ہو۔"

"جارج۔" کلاڈیا نے کہا۔ ریسیور اس کے ہاتھ سے پھسلنے لگا۔ "سنو جارج ---"

دوسری جانب سے فون بند کیا جا چکا تھا۔ کلاڈیا فون بند کرنے کے بعد نروس انداز میں انگلی میں پہنی ہوئی شادی کی انگوٹھی کو گھمانے لگی۔ پھر وہ اٹھ کر اپنی خواب گاہ میں آئی اور اس نے اپنی میز کھول کر خفیہ جگہ سے ایک کتاب نکالی جس کی ظاہری حالت سے اندازہ ہوتا تھا جیسے اسے بہت زیادہ پڑھا گیا ہو۔ اس کتاب کا عنوان تھا۔

ستارے اور آپ کی زندگی

کلاڈیا نے اس روز تاریخ کے خانے میں اپنے ستارے کے تحت اپنے متعلق پیشین گوئی کو پڑھا۔ کتاب میں لکھا تھا کہ

"وہ آج کے روز اجنبیوں کی جانب سے محتاط رہے۔"

جارج اس کے لئے اجنبی تو نہیں تھا لیکن موجودہ حالات کے تحت اسے اجنبی ہی کہا جا سکتا تھا۔ کلاڈیا نے آئینے میں اپنے سراپے کا جائزہ لیا۔

"سات سال ہو گئے ہیں کلاڈیا۔" اس نے خود کو آئینے میں مخاطب کیا۔ "وہ تمہارے لئے اجنبی تو نہیں ہے پھر اس سے خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟"

آئینے کے پاس سے ہٹ کر اس نے ایک ڈھیلا ڈھالا پرانی طرز کا لباس پہنا۔

کلاڈیا کے خیال میں جارج سے ملاقات کے لئے وہ لباس مناسب تھا جس نے اس کے جسم کے تمام سنسنی خیز نشیب و فراز چھپا لئے تھے۔

جارج ٹھیک تین بج کر دس منٹ پر آیا۔ حسب معمول اس کا لباس عمدہ تراش خراش اور جدید ترین فیشن کے مطابق تھا۔ اس کا ہر لباس اس کے جسم پر جچتا تھا۔

"میں یہاں پہلے بھی آتا رہا ہوں لیکن آج سے پہلے مجھے تمہارے پتے کا علم نہیں تھا۔" جارج نے کہا اور کلاڈیا کا گہری نظروں سے جائزہ لینے کے بعد وہ کمرے کے فرنیچر، کھڑکیوں کے پردوں اور کلاڈیا کی جمع شدہ خوبصورت گڑیوں کا معائنہ کرنے لگا۔

"تم کیا پیو گے جارج؟" کلاڈیا نے اسے گڑیوں کا معائنہ کرتے دیکھ کر جلدی سے کہا۔

"تم ابھی تک بڑی نہیں ہو سکیں کلاڈیا؟"

"جارج!" کلاڈیا نے احتجاج کیا اور پھر وہ احتیاط سے چلتی ہوئی چھوٹے سے بار میں داخل ہو گئی جہاں دو خانے تھے۔ ایک پر واضح لفظوں میں "ٹونی" لکھا ہوا تھا اور دوسرے خانے میں رکھی ہوئی بوتلوں پر "دیگر" لکھا ہوا تھا۔

کلاڈیا نے "دیگر" کے خانے سے ایک بوتل اٹھا کر دو گلاسوں میں شراب بھری۔

"کیا میرا شمار دیگران میں ہوتا ہے؟" جارج نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ٹونی۔ وہ صرف اپنی مخصوص شراب پیتے ہیں۔ بہت قیمتی اسکاچ۔" کلاڈیا نے وضاحت کی۔

"مجھے یاد ہے۔" جارج نے کہا۔ "ٹونی بہت پابندی سے اپنی زندگی گزارتا ہے جس طرح اسکول میں ٹائم ٹیبل کے مطابق کلاسیں لی جاتی ہیں اور وہ ہر چیز کو بس یونہی پسند کرتا ہے۔" اس نے اپنا گلاس فضا میں بلند کیا اور مسکراتے ہوئے کہا۔ "خیر کسی روز ٹونی کی پسندیدہ چیز بھی ضرور چکھوں گا۔"

کلاڈیا اس کا ذومعنی فقرہ سن کر شرما گئی اور وہ نروس انداز میں شادی کی انگوٹھی کو انگلی میں گھماتے ہوئے جارج کو دیکھنے لگی۔ "جارج کے ارادے خطرناک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔ اس نے سوچا وہ پرکشش خوبصورت اور خطرناک آدمی ہے۔" دوسری لڑکیوں کو اس کی ان خصوصیات کا علم وقت گزر جانے کے بعد ہوا لیکن وہ اس کے پھندے سے بال بال بچی تھی۔ اگر اس روز اس خانہ بدوش عورت نے اس کا ہاتھ دیکھ کر اسے خطرے سے آگاہ نہ کیا ہوتا تو جارج اسے بھی برباد کر دیتا۔ بس اس سے یہی عقل مندی ہو گئی تھی کہ وہ جارج کے پھندے میں پھنسنے سے پہلے اس خانہ بدوش عورت کے پاس چلی گئی تھی۔

"اور سناؤ تمہارے شوہر کا کیا حال ہے؟" جارج نے پوچھا۔

"ٹونی۔ وہ اچھے ہیں۔" کلاڈیا نے جواب دیا۔

"تم جانتی ہو میں ہمیشہ اسے پسند کرتا آیا ہوں۔ وہ بہت محنتی اور دھن کا پکا ہے۔ شاید وہ کچھ بور آدمی---"

"چپ ہو جاؤ جارج۔"

"لیکن ٹونی جیوپیٹر کے مطابق ایک عمدہ شوہر ضرور ہے۔" جارج بولتے بولتے رک گیا۔

"اس میں ایسی کون سی مضحکہ خیز بات ہے؟"

"سوری۔ میں معافی چاہتا ہوں۔"

"مجھے بتاؤ جارج۔ آخر ستاروں اور شگون پر اعتقاد رکھنے میں کیا خرابی ہے؟"

"واقعی۔ اب تمہارا کیا مستقبل ہے؟" جارج نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا اور پھر اس کی نظریں کلاڈیا کے لباس پر پھسلنے لگیں۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے جارج کی نظریں اس کے لباس کے اندر داخل ہونے میں کامیاب ہو گئی ہوں۔ وہ گھبرا کر اپنی شادی کی انگوٹھی کو دیکھنے لگی جسے وہ برابر انگلی میں گھما رہی تھی۔

کلاڈیا نے انگلی میں سے انگوٹھی نکالی۔ اسے پھر انگلی میں پہنا۔ اسے دوبارہ انگلی سے نکالا اور اس کے بعد اس کے پیچھے کندہ عبارت کو دیکھا۔

"جب تک موت ہمیں جدا نہ کر دے۔"

کلاڈیا نے اس جملے کو کئی مرتبہ پڑھا۔ کلاڈیا کو یہ جملہ بہت پسند تھا اور انگوٹھی پر اس جملے کو کندہ کرانے کا خیال بھی اسی کا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جس روز

انگوٹھی پر یہ جملہ لکھوایا گیا تھا اس نے رات کو چاند کی روشنی میں پائیں باغ میں گھاس پر گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر بچوں کی طرح اس انگوٹھی پر حلف اٹھایا تھا۔

"کچھ لکھا ہوا ہے؟" جارج نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہاں۔ لیکن تم سن کر ہنسو گے۔" کلاڈیا نے کہا اور پھر اس نے سرگوشیوں میں قطار میں کھڑی ہوئی گڑیوں سے کہا۔ "جارج مجھے نہیں چھو سکتا۔ میں اب شادی شدہ ہوں۔ میرا شوہر ایک بے مثال شوہر ہے اور میں نے قسم بھی کھائی ہے جب تک موت ہمیں جدا نہ کر دے۔"

جب جارج ساڑھے چار بجے اس کے مکان سے رخصت ہوا تو کلاڈیا نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لیا۔ پھر وہ اپنے شوہر کے لئے اس کا پسندیدہ کھانا تیار کرنے لگی۔

ٹونی ٹھیک ساڑھے پانچ بجے مکان میں داخل ہوا۔ کلاڈیا بے اختیار اس سے لپٹ گئی اور پھر اس کی حرکات و سکنات دیکھنے لگی۔ اسے اپنے شوہر کا معمول زبانی یاد تھا۔ اس کی عادات اس قدر پختہ تھیں جن میں اس نے شادی کے بعد کسی ایک روز بھی کوئی تبدیلی نہیں دیکھی تھی۔ اس نے حسب معمول پہلے اپنا ہیٹ اتارا اور پھر کوٹ۔

"آج ٹی وی پر میچ دکھایا جا رہا ہے۔" اس نے اپنی بیوی سے کہا اور بار کے اس شیلف میں رکھی ہوئی بوتل اٹھائی جس پر ٹونی لکھا ہوا تھا۔ وہ اس کی پسندیدہ شراب تھی۔ وہ اس کے علاوہ اور کوئی شراب نہیں پیتا تھا۔ اس خانے میں ہمیشہ ایک بوتل رکھی رہتی تھی۔ آفس سے آنے کے بعد اس کا پہلا کام شراب کا ایک گلاس ہوتا تھا۔

ٹونی نے برابر والے شیلف میں رکھی ہوئی بوتل کو دیکھا۔

"آج کوئی آیا تھا؟" ٹونی نے بوتل کو اٹھا کر غور سے اس کے اندر پڑی ہوئی شراب کی سطح کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ میری کچھ سہیلیاں۔" کلاڈیا نے جواب دیا اور پھر سوچنے لگی کہ آخر اس نے جھوٹ کیوں بولا کیونکہ جارج جس طرح آیا تھا اسی طرح چلا گیا تھا۔ اب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ اسے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں تھی۔

اس رات کلاڈیا نے اپنے شوہر کو ساڑھے نو بجے ہی بستر پر چلنے کی ترغیب دی لیکن یہ اس کے شوہر کے معمول کے خلاف تھا۔ وہ بستر پر سوا دس بجے سے پہلے نہیں جاتا تھا اس نے پون گھنٹے قبل بستر پر جانے پر ٹی وی پر فٹ بال کا میچ دیکھنے کو ترجیح دی۔

دوسری صبح پچھلے دن کی نسبت زیادہ گرم تھی۔ کلاڈیا نے ایک مختصر سا ہلکا پھلکا لباس پہنا اور گھر کی صفائی میں لگ گئی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد اس نے اپنی کتاب "ستارے اور آپ کی زندگی" کھولی اور اس روز کے متعلق جیوپیٹر کے خانے میں پیشن گوئی پڑھی۔ لکھا تھا۔

"آپ خود پر اعتماد رکھیں۔"

"مجھے خود پر اعتماد ہے۔" کلاڈیا نے اپنی پسندیدہ گڑیا سے کہا اور سرد کافی کی ایک چسکی لی۔

اچانک دروازے کی گھنٹی نے کسی کی آمد کا اعلان کیا اور اس سے پہلے کہ وہ احتجاج کرتی' جارج بے دھڑک اندر گھس آیا۔ اس کی نظر "ٹونی" والے خانے میں رکھی ہوئی قیمتی اسکاچ کی بوتل پر جمی ہوئی تھیں۔

"کسی روز۔" اس نے بلند آواز میں کہا۔ "کسی روز کلاڈیا میں ٹونی کی بوتل کا مزا ضرور چکھوں گا۔" پھر اس نے گہری نظروں سے کلاڈیا کے مختصر اور چست لباس کا جائزہ لیا۔

کلاڈیا کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اس کے سامنے برہنہ کھڑی ہو۔ وہ کیا کر سکتی تھی؟ اگر اسے معلوم ہوتا کہ آج جارج آجائے گا تو وہ کوئی ڈھیلا ڈھالا لباس پہنتی۔ اس مختصر اور چست لباس نے اس کے جسم کو نمایاں کیا ہوا تھا۔

"جارج۔" کلاڈیا نے مضبوط لہجے میں کہا۔ "میں چاہتی ہوں کہ آئندہ تم کبھی یہاں نہ آؤ۔"

"میں چند روز کے لئے آیا ہوں۔ شاید کل یہاں سے چلا جاؤں۔"

"میں تمہیں یہاں دیکھنا نہیں چاہتی۔" کلاڈیا نے دہرایا۔ اسے فوراً کتاب

میں لکھی ہوئی ہدایت یاد آئی۔ "خود پر اعتماد رکھیں۔"

"چھوڑو بھی کلاڈیا۔ ہم بہت پرانے دوست ہیں۔ آخر اس میں حرج ہی کیا ہے؟" جارج نے کہا۔ اس کی بے باک نظریں کلاڈیا کو چبھتی محسوس ہو رہی تھیں۔

کلاڈیا صوفے پر بیٹھی نروس انداز میں شادی کی انگوٹھی کو انگلی میں گھما رہی تھی اور گڑیوں کو دیکھ رہی تھی۔

"سات سال پہلے۔" جارج نے کہا۔ "میں نے تمہیں اپنے ساتھ بھاگنے کے لئے کہا تھا۔ تم آخری وقت میں کسی بے وقوف خانہ بدوش کے پاس پہنچ گئیں جس نے تم سے کہا کہ تمہیں ایسے آدمی سے بچنا چاہیے جو لانبے قد اور سیاہ بالوں والا ہو۔ بتاؤ کیا یہ احمقانہ بات نہیں تھی؟" چند لمحے توقف کے بعد جارج نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں آج بھی تم سے محبت کرتا ہوں کلاڈیا۔"

"جب تک موت ہمیں جدا نہ کر دے۔" کلاڈیا نے زیر لب کہا۔

"میں کل یہ شہر چھوڑ رہا ہوں کلاڈیا۔ اگر تم میرے جذبات کا اندازہ لگا سکو جس طرح شادی سے پہلے تم اندازہ لگا لیا کرتی تھیں تو --- تو ہم اپنا سفر وہیں سے دوبارہ شروع کر سکتے ہیں جہاں سے اسے چھوڑا تھا۔"

"میں نے چودھویں رات کے چاند کی قسم کھائی تھی۔" کلاڈیا نے سوچا۔

"پلیز کلاڈیا۔" جارج نے اپنی گفتگو جاری رکھی۔ "تم سنجیدگی سے میری بات پر غور کرنا۔ تمہیں خود اندازہ نہیں کہ تم کیا ہو کلاڈیا۔ تمہاری زندگی ایک پرسکون جھیل کی طرح ہے جبکہ تمہاری فطرت طوفانوں کی سی سرکشی کی متلاشی رہتی ہے۔ ایک بھرپور زندگی تمہارا حق ہے کلاڈیا۔ تم ستاروں کی زبانی اپنی زندگی گزارنا چھوڑ دو کلاڈیا۔" جارج نے کلاڈیا کے گداز بازو پر اپنی انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔

کلاڈیا ایک جھٹکے کے ساتھ اس سے علیحدہ ہو گئی۔

"میں شرمندہ ہوں کلاڈیا۔ میں کل اس شہر سے جا رہا ہوں لیکن جانے سے پہلے میں یہاں ضرور آؤں گا تاکہ آج میں نے اپنی سات سال پرانی جو پیش کش دہرائی ہے اس کا جواب لے سکوں۔ اگر اب بھی تم نے انکار کیا تو خیر --- میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تمہارا گھر تو دیکھ ہی لیا۔ میں دوبارہ آؤں گا۔ میں آتا رہوں گا کیونکہ میں خود کو یہاں آنے سے روک نہیں سکتا۔"

"نہیں۔" کلاڈیا نے کہا۔ "نہیں۔ نہیں۔"

"کل۔" اس نے مدہم لہجے میں کہا اور چلا گیا۔

شام کو اس کا شوہر ٹونی معمول کے مطابق ٹھیک ساڑھے پانچ بجے گھر آیا۔ اس نے سب سے پہلے ہیٹ اتارا اور پھر کوٹ اتار کر اپنی پسندیدہ شراب کا ایک گلاس پیا۔

"آج کوئی آیا تھا؟" ٹونی نے "دیگر" والے خانے میں رکھی ہوئی بوتل کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میری کچھ سہیلیاں۔" کلاڈیا نے بڑی صفائی سے جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔ کل کی طرح آج بھی وہ اپنے جھوٹ بولنے پر حیران رہ گئی۔ وہ غور کرنے کے باوجود جھوٹ بولنے کی وجہ سمجھنے سے قاصر رہی۔ اس کا شوہر ٹونی' جارج سے واقف تھا۔ اسے معلوم تھا کہ شادی سے پہلے اس کی بیوی کا اس سے معاشقہ چل رہا تھا پھر وہ اپنے شوہر سے کیوں جھوٹ بول رہی ہے؟

جب ٹونی معمول کے مطابق ٹھیک سوا دس بجے خواب گاہ میں داخل ہوا تو کلاڈیا جذبات کے طوفان پر قابو نہ رکھ سکی۔ اس کا شوہر کلاڈیا کے اس غیر متوقع طوفانی طرز عمل پر حیران رہ گیا۔ یہ سب کچھ اس کے معمول کے خلاف تھا۔

"میں نے قسم کھائی تھی ڈارلنگ۔" کلاڈیا نے سرگوشی میں ٹونی سے کہا۔ "میں نے قسم کھائی تھی میں اس پر قائم رہوں گی۔ دنیا کی کوئی طاقت مجھے اپنی قسم توڑنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔ تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ اسے بھی معلوم ہو جائے گا۔"

"کسے؟" ٹونی نے پوچھا۔

"کوئی نہیں۔" کلاڈیا نے سنبھلتے ہوئے کہا۔

"میرے خدا گیارہ بج گئے۔" ٹونی نے کہا اور فوراً ہی سو گیا۔ کلاڈیا اس کے برابر ساری رات بستر پر کروٹیں بدلتی رہی۔

دوسری صبح ٹونی کے آفس جانے کے بعد کلاڈیا نے میز کی خفیہ دراز میں سے

"ستارے اور آپ کی زندگی" نکالی اور جیوپیٹر کے خانے میں اس روز کے متعلق ہدایات پڑھیں۔ لکھا تھا۔

"جذبات کا اظہار ضروری ہے لیکن وعدوں کی پابندی بھی لازمی ہے۔"

کلاڈیا وہ ہدایت پڑھ کر ہنسنے لگی۔ اس کے حالات سے یہ ہدایت کس قدر مطابقت رکھتی ہے۔ کلاڈیا نے سوچا اور لباس تبدیل کر کے اس نے گاڑی نکالی اور ایک قریبی دکان سے اس نے پاؤڈر کی ایک چھوٹی سی بوتل خریدی جس پر دو ہڈیوں کے درمیان ایک کھوپڑی کا نشان بنا ہوا تھا۔ زہریلا پاؤڈر۔

گھر واپس آ کر وہ اپنے چھوٹے سے بار میں گئی اور یہ یقین کر لینے کے بعد کہ اس نے شراب کی صحیح بوتل اٹھائی ہے وہ سارا زہر اس بوتل میں ڈال کر بوتل کو اچھی طرح ہلا کر اسے اس کی جگہ رکھ دیا اور پھر وہ جارج کا انتظار کرنے لگی۔

ٹھیک تین بج کر بیس منٹ پر دروازے کی گھنٹی بجی۔ کلاڈیا نے دروازہ کھولا اور جارج نے اسے اپنی بانہوں میں جکڑ لیا۔ جب اس کی سانسیں اکھڑنے لگیں تب جارج نے اسے چھوڑا اور تعریفی انداز میں اس کا لباس دیکھنے لگا۔

"تو تم میرے ساتھ جانے کے لئے تیار بیٹھی ہو؟" جارج نے اس طرح کہا جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔

"ہاں۔ آج میں نے اپنی کتاب میں پڑھا تھا کہ آج اپنے جذبات کا اظہار ضرور کرو اور اس کے علاوہ تم نے کہا تھا کہ اگر میں نے تمہارے ساتھ بھاگنے سے انکار کر دیا تو تم ہمیشہ یہاں آتے رہو گے اگر تم اب بھی مجھ سے محبت کرتے ہو اور تم مجھے حاصل کرنا چاہتے ہو تو پھر جدوجہد سے فائدہ؟ جو کل یا ایک سال بعد یا تین سال بعد ہونا ہے وہ آج ہی ہو جائے تو کیا حرج ہے؟"

جارج یہ سن کر بے قابو ہو گیا اور بھوکے درندے کی طرح اس کی طرف لپکا۔ کلاڈیا پھسل کر اس کے بازوؤں سے نکل گئی۔ اس کے چہرے پر شرارت بھری مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"ابھی نہیں۔ صبر۔ صبر۔"

"تو پھر ہمیں چلنا چاہیے۔ ہم فوراً ہی یہ شہر چھوڑ دیں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نہیں جارج۔" کلاڈیا نے سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے ابھی اپنا سامان باندھنا ہے۔ میں شام کو پانچ بجے تمہیں ہارڈ سکوائر پر ملوں گی۔ تم وہاں پر میرا انتظار کرنا۔"

"میں تمہیں یہیں سے لے کر جاؤں گا۔" جارج نے اصرار کیا۔

"نہیں ڈارلنگ۔ سمجھا کرو۔ تمہارا یہاں آنا ٹھیک نہیں۔ ہم دونوں کا سامان سمیت یہاں سے ایک ساتھ جانا ٹھیک نہیں۔ کوئی دیکھ لے تو؟"

"چلو ٹھیک ہے۔" جارج نے کہا اور واپسی کے لئے مڑا۔ پھر وہ کچھ سوچ کر رک گیا۔

"کیوں نہ ہم آج ٹونی کی پسندیدہ شراب سے جشن منائیں۔" جارج نے تجویز پیش کی۔ کلاڈیا کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

"نہیں۔" کلاڈیا نے جلدی سے کہا۔ "ٹونی کو فوراً" اس کی کمی کا احساس ہو جائے گا اور وہ سمجھ جائے گا کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہے اس طرح ہمارے سارے منصوبے کا ستیاناس ہو جائے گا۔"

پھر کلاڈیا نے "دیگر" کے خانے سے بوتل اٹھائی۔ ایک بڑا گلاس بھرا اور بڑے سرسری انداز میں پوچھا۔

"کسی کو تمہاری یہاں موجودگی کا علم ہے جارج؟"

"نہیں۔"

"کیا کسی کو معلوم ہے کہ ہم لوگ کہاں جائیں گے؟ میرا مطلب ہے کہ اگر کسی کو معلوم ہوا اور ٹونی کو پتا چل گیا تو وہ ضرور ہمارا تعاقب کرے گا۔"

"نہیں۔ کسی کو ہمارے اس پلان کا علم نہیں۔"

"خوب۔" کلاڈیا دھیرے سے مسکرائی اور شراب کا گلاس جارج کی طرف بڑھا دیا۔ پھر وہ جیسے خود سے بولی۔

"صرف پانچ منٹ لگیں گے۔"

"کیا؟" جارج نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔" کلاڈیا نے جلدی سے کہا۔ "تم شراب پیو۔"

"تم نہیں پی رہیں؟" جارج نے پوچھا۔

"نہیں۔ ابھی موڈ نہیں ہو رہا۔"

"اوہ۔ بڑی تیز شراب تھی۔" جارج نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ "شاید گرمی کی وجہ سے ایسا لگ رہا ہے۔"

"شاید۔" کلاڈیا نے کہا۔

چلتے چلتے جارج نے اسے یاد دلایا کہ اسے پانچ بجے ہارڈ سکوائر پر پہنچنا ہے۔ جب جارج چلا گیا تو کلاڈیا اسے کھڑکی سے جاتا ہوا دیکھتی رہی۔ کونے پر مڑتے ہوئے جارج لڑکھڑایا۔

کلاڈیا ٹھیک پانچ بجے ہارڈ سکوائر پہنچ گئی۔

جارج بہت تیز گاڑی چلا رہا تھا۔ دونوں جلد ہی شہر سے باہر نکل کر ہائی وے پر آ گئے۔ ایک جگہ جارج نے گاڑی روک کر کلاڈیا کو اپنی بانہوں میں جکڑنا چاہا۔

"ابھی نہیں جارج۔ ابھی نہیں۔" کلاڈیا نے اسے پیچھے دھکیلتے ہوئے کہا۔ "میں اپنی قسم کبھی نہیں توڑوں گی۔ کبھی نہیں۔ جب تک موت ہمیں جدا نہ کر دے۔"

جارج گاڑی چلاتا رہا۔ کلاڈیا بے چینی سے بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔

"ساڑھے پانچ بجے۔ اب ٹونی گھر میں داخل ہوا ہو گا۔" کلاڈیا نے سوچا۔ "اس نے ہیٹ اتارا ہو گا۔ اب کوٹ اور اب وہ اپنی پسندیدہ شراب گلاس میں انڈیل رہا ہو گا۔ اب اس نے گلاس خالی کر دیا ہو گا۔" کلاڈیا کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

پانچ بج کر چالیس منٹ پر کلاڈیا کو جب یقین ہو گیا اب زہر مکمل طور پر اس کے شوہر ٹونی پر اثر دکھا چکا ہو گا تو وہ زور سے ہنسی اور جارج سے کہا۔

"اب تم جو چاہو کر سکتے ہو۔ اب میری قسم پوری ہو گئی۔"

☆☆☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سائیں

"اوئے۔" پولیس کے سپاہی نے کڑک کر کہا۔ پھر انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "ادھر آؤ۔"

بھولا بھالا سا دیہاتی پولیس کے رعب میں آ کر تھر تھر کانپنے لگا۔ پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا سپاہی کی طرف آتے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"حکم جی؟"

"تم کون ہو؟" لہجے میں وہی پولیس کا مخصوص کڑک پن تھا۔

"ساہو سائیں۔"

"کیا کرتے ہو؟"

"مجدوری سائیں۔"

"ادھر کیا کرنے آئے تھے؟"

سیدھے سادھے ساہو سائیں نے سیدھے ہاتھ کی مٹھی بند کر کے انگوٹھا سپاہی کے سامنے کر دیا۔ سپاہی اور اس کے ساتھیوں نے حیرت سے اس کا انگوٹھا دیکھا مگر ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ یہ الو کا پٹھا انگوٹھا کیوں دکھا رہا ہے؟

چند لمحوں تک گومگو میں رہنے کے بعد سپاہی نے کہا۔ "یہ تم مجھے انگوٹھا کیوں دکھا رہے ہو؟"

"سائیں! آپ نے پوچھا تھا نا کہ ادھر کیا کرنے آئے تھے؟"

"ہاں۔ میں نے پوچھا تھا۔" سپاہی حیرت سے بولا۔

"بس تو اس کے جواب میں' میں یہ انگوٹھا دکھا رہا ہوں۔"

"یعنی تم ادھر انگوٹھا کرنے گئے تھے۔" سپاہی زیر لب مسکرا دیا۔

"ہاں سائیں۔"

"یار یہ تو کوئی پاگل ہے۔" ایک سپاہی نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "اس کے

ساتھ کہاں سر کھپا رہے ہو۔ چھوڑو اس کو۔"

"نہیں سائیں! میں پاگل نہیں ہوں۔" کسی ساتھی سپاہی کے جواب دینے سے پہلے ہی ساہو بول پڑا۔

"آپ انگوٹھے کا مطلب نہیں سمجھے تو اس کا مطلب تو سمجھتے ہوں گے؟" اس مرتبہ اس نے اپنے ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی کھڑی کر کے ان لوگوں کو دکھائی۔

"ہاں ہاں۔ اس کا مطلب تو ہم سمجھتے ہیں۔ جب ہم سکول میں پڑھتے تھے تو آدھے گھنٹے میں کم از کم تین چار بار ٹیچر کو چھوٹی انگلی دکھا کر پیشاب کرنے کی اجازت طلب کرتے تھے۔"

دوسرا سپاہی بڑے زور سے ہنسا پھر ہنستے ہوئے بولا۔ "اس چھوٹی انگلی کی نسبت سے انگوٹھے کا مطلب نکال لو؟"

پہلا سپاہی مسکراتے ہوئے ساہو کی طرف ستائشی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اسے اس کی سادگی شاید پسند آئی تھی۔

"اس کا مطلب ہے تم ادھر روز ہی آتے ہو گے۔" سپاہی اس کی طرف بغور دیکھ کر بولا۔

"ہاں ہاں سائیں۔ زیادہ تر تو میں ادھر ہی آتا ہوں لیکن کبھی کبھی کسی اور طرف بھی چلا جاتا ہوں۔"

"تم نے کبھی ان جنگلوں میں کسی ڈاکو کو بھی دیکھا؟"

"نہیں سائیں! اللہ سائیں کبھی کسی ڈاکو کو نہ دکھائے۔ میرا دل بہت کمزور ہے۔ ڈاکو سائیں کو دیکھتے ہی میرا تو دم نکل جائے گا۔" دیہاتی سپاہیوں سے ابھی تک خوفزدہ تھا۔

"عجیب بزدل آدمی ہو؟" ایک سپاہی نے اسے گھورا۔

"ہاں سائیں! مجھ کو بڑا ڈر لگتا ہے ڈاکو واکو سے۔" اس نے کانپتی آواز میں کہا۔ پھر ایک دم پولیس والوں سے پوچھ بیٹھا۔ "پر سنتری سائیں! آپ لوگ ادھر کیوں آئے ہو؟"

"لنگل ڈاکو کو گرفتار کرنے۔ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ وہ انہی جنگلوں میں کہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہتا ہے۔"

ساہو' لنگل کا نام سنتے ہی تھر تھر کانپنے لگا۔ وہ کچھ بولنا چاہ رہا تھا مگر اس کی آواز حلق سے نکل نہیں رہی تھی۔ اس کو اس حال میں دیکھ کر ایک سپاہی نے پوچھا۔

"یہ تم کو کیا ہو گیا؟" سپاہی کا لہجہ تمسخرانہ تھا۔

"سنتری سائیں۔" ساہو نے بدقت تمام کہا۔ "ب۔ ب۔ لنگل ڈاکو تو بڑا کھترناک ڈاکو ہے۔"

"ہاں خطرناک تو ہے اسی لئے ہم اسے زندہ یا مردہ حالت میں گرفتار کرنے آئے ہیں۔"

"اب میں ادھر کو کبھی نہ آؤں سائیں۔" ساہو نے خوفزدہ ہوتے ہوئے جنگل کی طرف دیکھا اور پھر وہاں سے آہستہ آہستہ کھسکنے لگا۔ انداز ایسا تھا جیسے وہ چند قدم آگے جا کر دوڑ لگا دے گا --- مگر اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوتا۔ سنتری بادشاہ نے اسے مخاطب کیا۔

"تم نے لنگل ڈاکو کو دیکھا تو ہو گا؟"

"نہیں سائیں!" اس کے بڑھتے ہوئے قدم ایک دم رک گئے۔ "اللہ سائیں وہ وقت کبھی نہ لائے جب میں اس کو دیکھوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ اپنے کانوں کو ہاتھ لگا رہا تھا پھر اچانک سپاہیوں سے پوچھ بیٹھا۔

"سنتری سائیں! آپ لوگوں نے کبھی اس کھانہ کھراب کو دیکھا ہے؟"

"نہیں ساہو سائیں! ہم لوگوں نے بھی کبھی اسے نہیں دیکھا۔ نہ ہمیں آج تک اس کا صحیح حلیہ ہی معلوم ہو سکا ہے۔ وہ مختلف وارداتوں کے وقت مختلف حلئے میں آیا ہے۔ اس لئے ہمارا خیال ہے کہ وہ اپنی اصل شکل میں نمودار نہیں ہوتا۔ مختلف اوقات میں مختلف میک اپ میں ہوتا ہے۔"

"سنتری سائیں! یہ مے کپ کیا بولا آپ نے؟"

"میک اپ۔"

"ہاں ہاں وہی۔ یہ کیا ہوتا ہے سائیں؟"

"تم اسے بہروپ سمجھو۔ وہ بہروپ بدل بدل کر ڈاکے ڈالنے نکلتا ہے۔"

"اچھا!" اس نے پوری آنکھیں کھول کر سپاہی کی طرف دیکھا جس میں خوف کے سائے لہرا رہے تھے۔

"ہاں ساہو سائیں۔" ایک سنتری بادشاہ نے جو ساہو کے خیال کے مطابق ان لوگوں کا سردار تھا' کہا۔ "اچھا تم یہ تو بتاؤ تم نے ان جنگلوں میں کبھی کسی آدمی کو دیکھا ہے؟"

"آدمی تو سائیں ادھر کوئی نہیں آتا ہے۔ بس کبھی کبھار میں آ جاتا ہوں۔ یا جیسے آپ لوگ ادھر نجر آ رہے ہو۔ شاید اور بھی کوئی کبھی ادھر آ جاتا ہو پر منجو اس کی کوئی کھوج کھبر نہیں۔"

"ساہو سائیں! اپنے ذہن پر زور ڈالو اور سوچ کر بتاؤ کبھی کسی دن کسی وقت تم نے یہاں سے کسی کو گزرتے یا یہاں --- میرا مطلب ہے ان اطراف میں کچھ کرتے دیکھا ہے؟"

ساہو سائیں سوچنے لگا۔ ذہن پر زور دینے لگا پھر تھوڑی دیر بعد اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"ایک دن۔" وہ پرخیال انداز میں کہہ رہا تھا۔ "ایک دن شاید دس بارہ دن پہلے ایک آدمی کو دیکھا تھا۔"

"گڈ۔ دیکھا تھا نا تو پھر بتاؤ وہ کیا کر رہا تھا اور اسے کہاں دیکھا تھا؟"

"سنتری سائیں وہ ادھر۔" اس نے انگلی سے خاصے فاصلے پر جہاں جنگل قدرے زیادہ گھنا تھا اشارہ کیا۔ "وہ ادھر بیٹھا ہوا تھا۔"

"بیٹھا ہوا تھا کچھ کر رہا تھا یا یونہی بیٹھا ہوا تھا؟" دوسرے سپاہی نے پوچھا۔

"سائیں! منجو تو ایسا لگا جیسے وہ ---" اس نے انگوٹھا ان کی طرف اٹھا کر کہا۔ "وہ بھی یہ کر رہا ہو۔"

سپاہی نے منہ بنا کر ساہو کی طرف سخت نظروں سے دیکھا۔

"ہاں سائیں۔ میں تو اس وقت یہی سمجھا تھا۔" ساہو سائیں سپاہی کے لہجے سے خوفزدہ ہو کر معصومیت سے بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ کیسا تھا۔ میرا مطلب ہے اس کی شکل کیسی تھی؟" سپاہی نے پوچھا۔

"سچی بات تو یہ ہے سائیں کہ میں نے سرم کے مارے اس کی طرف ٹھیک سے دیکھا ہی نہیں۔"

سنتری بادشاہ مسکرایا پھر پر اشتیاق لہجے میں بولا۔ "دیکھا تو تھا نا؟"

"ہاں سائیں دیکھا تو تھا۔"

"تو ایک بار پھر ذہن پر زور ڈالو اور اس کے بارے میں بتاؤ وہ کیسا تھا؟"

"کیسا تھا؟" ساہو نے عجیب انداز میں ہاتھ ہلا کر کہا۔ "سائیں جیسے سب لوگ ہوتے ہیں ویسا ہی تھا۔ دو ہاتھ' دو پیر اور دو۔"

"اوہو وہ تو سب ٹھیک ہے۔ اس کے دو پیر دو ہاتھ ہی ہوں گے۔ تم ہمیں یہ بتاؤ اس کا حلیہ کیا تھا۔ اس کی شکل کیسی تھی؟"

"شکل۔" ساہو سوچ میں پڑ گیا۔ پھر ان میں سے ایک ایک کو دیکھا۔ پھر اپنی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

"سائیں! بس آپ لوگوں اور میری ہی طرح کی شکل تھی۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ ٹھیک سے سوچ کر بتاؤ سائیں۔" سپاہی جھنجلا کر بولا۔

ساہو نے چند لمحے سوچا پھر بولا۔ "ہاں آپ لوگوں کی طرح تو نہیں تھا۔ آپ لوگ انگریزی بوٹ پہنے ہوئے ہیں۔ انگریزی پتلون قمیص پہنے ہوئے ہیں۔ البتہ وہ میری ہی طرح کا تھا۔" پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ "عمر بھی شاید میری ہی طرح ہو گی۔"

وہ سپاہی جو باقی سپاہیوں کا سرغنہ یا کپتان تھا اس نے چند لمحوں تک کچھ سوچنے کے بعد ساہو سے کہا۔

"ساہو سائیں! کیا تم مجھے وہ جگہ دکھا سکتے ہو جہاں تم نے اس شخص کو دیکھا تھا۔"

"ہاں ہاں۔ کیوں نہیں۔ مگر---" اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "وہ شخص اس وقت تک وہاں بیٹھا ہوا تو نہیں ہو گا۔"

"ارے نہیں۔ ہم اسے نہیں اس جگہ کو دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"تو پھر چلو۔"

سرغنہ کپتان ایک دم چلنے کو تیار ہو گیا۔ پھر ساہو آگے آگے اور سرغنہ پیچھے پیچھے جانے لگا۔ چند قدم آگے جا کر سرغنہ پلٹا اور اپنے ساتھیوں سے بولا۔

"تم لوگ یہاں ہمارا انتظار کرو۔ اگر کوئی خاص بات ہو گی تو تم لوگوں کو پیغام بھجواؤں گا۔"

جنگل خاصا گھنا تھا۔ جیسے جیسے وہ آگے بڑھتے گئے راستہ تنگ سے تنگ ہوتا گیا۔

تھوڑی دیر بعد ساہو واپس آ گیا۔

اسے اکیلے دیکھ کر باقی سپاہیوں نے گھبرا کر پوچھا۔

"کپتان صاحب کہاں ہیں؟"

"کون کپتان صاحب؟" ساہو نے حیرت سے پوچھا۔

"وہی جن کے تم ساتھ گئے تھے۔"

"اچھا وہ ---" ساہو ہنسا۔ "وہ اندر ہی رہ گئے ہیں۔ پتا نہیں کسی پھٹ پرنٹ کی بات کر رہے تھے۔ کہہ رہے تھے انہیں وہ مل گئے ہیں۔ پھٹ۔"

"فٹ پرنٹ۔" سپاہی نے اسے ٹوکا۔

"ہاں ہاں وہی۔" ساہو نے کہا۔

"اور تم کیوں آ گئے ہو؟" ایک سپاہی نے پوچھا۔

"تم میں سے ایک کو بلا رہے ہیں۔"

ان میں سے ایک آگے بڑھا۔ چند قدم آگے گیا پھر پلٹ کر بولا۔ "ارے تم بھی چلو نا۔ میں اکیلے تو نہیں پہنچ سکوں گا ان تک۔"

ساہو بہت تھکے ہوئے لہجے میں بولا۔ "چلو۔"

تھوڑی دیر بعد ساہو پھر اکیلے ہی لوٹا۔ اسے دیکھ کر باقی سپاہیوں نے کہا۔

"اب کیا ہوا؟"

"ہو گا کیا۔ تمہارے کپتان صاحب نے تم میں سے ایک اور کو بلایا ہے۔" اور ایک اور سنتری ساہو کے ساتھ جنگل کے اندر روانہ ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ بہت تھکے تھکے قدم اٹھاتا ہوا واپس آیا اور باقی سپاہیوں کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ بولنے سے پہلے ہی بول پڑا۔

"میں تو بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔ وہ تمہارا کون سائیں ہے؟"

"کپتان صاحب۔"

"ہاں ہاں وہی۔ اس نے تو منجو تھکا مارا ہے۔ پھر ایک کو بلاتا ہے۔ ہم بولا سب کو ایک ساتھ بلا لو۔ ہم کب تک پھیرے لگاتا رہے گا مگر بولا۔ نہیں سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ پتا نہیں وہ وہاں کیا کھیل کھیلنے گیا ہے۔"

"وہ وہاں کیا کر رہے ہیں؟" ایک سپاہی نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"پتا نہیں کیا کر رہے ہیں۔ بس ایک ایک ساتھی کو ادھر ادھر کر رہے ہیں۔ تم ادھر جاؤ۔ تم ادھر جاؤ۔"

بہرحال اس بار بھی اسے بادل نخواستہ ان میں سے ایک سپاہی کے ساتھ جانا پڑا۔ اس کے بعد بھی ساہو سائیں کی جان نہیں چھوٹی۔ اسے مزید کئی چکر لگانے پڑے۔ اس نے سپاہیوں کو سو کا لال نوٹ دکھایا۔

"وہ تمہارے کپتان سائیں نے اسی بھاگ دوڑ کے لئے منجو یہ نوٹ دیا ہے۔ ہم تو کب کا بھاگ گیا ہوتا۔ پر اس نے نوٹ کی جنجیر میرے پیراں میں ڈال دی۔ بڑا چالاک آدمی ہے۔"

آخری سپاہی کو اپنے ساتھ لے جاتے ہوئے ساہو تھک کر گویا چور ہو چکا تھا۔ تنگ اور دشوار گزار راستوں سے ہوتا ہوا جب وہ اس سپاہی کے ساتھ خاصا آگے نکل آیا تو سپاہی نے اس سے پوچھا۔

"اور کتنی دور جانا ہے؟" ساہو چلتے چلتے ایک دم رک گیا اور رک کر چاروں طرف اس طرح نگاہیں دوڑانے لگا جیسے راستہ بھول گیا ہو۔ حیران و پریشان اور قدرے خوفزدہ سپاہی کے گرد ایک دو چکر لگائے۔

سپاہی نے لرزیدہ آواز میں کہا۔ "وہ لوگ کدھر ہیں؟"

"وہ لوگ!" ساہو خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔ "ہاں یاد آیا۔ ادھر چند قدم اور آگے۔" یہ کہتے ہوئے وہ ایک جانب آگے بڑھا۔ اس کے ساتھ ساتھ سپاہی بھی آگے بڑھا۔ پھر پانچ دس قدم آگے جا کر اچانک ساہو نے سپاہی کو مخاطب

کیا۔

"وہ دیکھو۔ وہ لوگ وہاں ہیں۔"

سپاہی نے انگلی کے اشارے پر ادھر دیکھا تو اس کی روح کانپ کر رہ گئی۔ جہاں کھڑا تھا اس سے چند قدم کے فاصلے پر اس کے ساتھیوں کی لاشیں خون میں لت پت پڑی تھیں۔

سپاہی نے اپنی رائفل جو اس کے کندھے سے لٹک رہی تھی، اتارنا چاہی مگر اب اس کا موقع نہیں تھا۔ ساہو اس کی طرف مڑا تو اس کے ہاتھ میں سائلنسر لگا ہوا آٹومیٹک پستول تھا اور چہرے پر شیطانی مسکراہٹ۔

سپاہی نے لرزیدہ آواز میں اس سے پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

"لٹکل ڈاکو۔" جواب بہت مختصر مگر کسی بم کے دھماکے سے کم نہیں تھا۔

☆☆☆

چیختی رات

☆.....وہ دونوں ریل کے ڈبے میں آمنے سامنے سیٹوں پر بیٹھے تھے۔

☆.....اچانک اس پر یہ خوفناک حقیقت آشکارا ہوئی کہ اس کے سامنے موجود مسافر ایک عام انسان نہیں بلکہ.....بھیڑیا ہے۔

☆.....اس نے جان بچانے کے لئے اس کی کایا کلپ شخصیت کے سحر سے نکلنے کی کوشش کی مگر.....

☆.....رات کی چیخ اتنی بھیانک ہے کہ آپ کی رگوں میں خون منجمد کر دے گی۔

دہشت ناک کہانیوں کا انوکھا انتخاب قیمت:100-00روپے

فیضان اکیڈمی راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بے گناہ

"مسٹر راجر۔ تم نے گریٹ کاؤنٹی کے واقعہ کے بارے میں کچھ سنا؟" چیف انسپکٹر سوالس نے پوچھا۔

"گریٹ کاؤنٹی کے واقعہ کے بارے میں؟" بروس نے حیرت سے دہرایا۔

"نہیں تو۔"

"اس چھوٹے سے ساحلی قصبہ کے حکام وہاں کی ایک مسز گریٹا کی گمشدگی کی افواہ سے بہت پریشان تھے۔ مسز گریٹا نہایت خوش رو اور خوش اندام ہونے کے ساتھ ہی متلون مزاج واقع ہوئی تھی۔ وہ چھ ہفتے سے اپنے گھر سے غائب تھی۔ اس کا شوہر اسی چھوٹے سے ساحلی قصبہ کا واحد وکیل ہے۔ اس وکیل نے یعنی مسٹر گریٹا نے اپنے دو انتہائی گہرے دوستوں کو رازداری برتنے کی قسم دے کر بتایا کہ اس کی بیوی اسے چھوڑ کر اپنے عاشق کے پاس کہیں چلی گئی ہے اور اب وہ اسے دوبارہ کبھی دیکھنے کی امید نہیں رکھتا۔ اگر وہ واپس آ بھی گئی تو وہ اسے قبول نہیں کرے گا۔ جس شام ان دونوں میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہوا' اس روز پہلی بار مسٹر گریٹا کے علم میں یہ بات آئی کہ اس کی بیوی پچھلے دو سال سے کسی اور کے دام محبت میں گرفتار تھی۔ یہ بات خود مسز گریٹا نے جھگڑے کے دوران اسے بتائی۔ اس نے طیش کے عالم میں اپنے شوہر پر یہ بھی واضح کر دیا کہ اس نے کبھی اس کی پرواہ نہیں کی تھی اور یہ کہ اس نے صرف اس کی حیثیت کی خاطر اس سے شادی کی تھی۔ گریٹا نے اسے ڈانٹ پھٹکار کی جس کے جواب میں اس نے اپنے شوہر کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ وہ کتنے طویل عرصے سے اور کتنی کامیابی کے ساتھ اسے دھوکا دیتی چلی آ رہی تھی۔ گریٹا کے بار بار پوچھنے کے باوجود اس نے اپنے محبوب کا نام نہیں بتایا۔ وہ صرف اتنا ہی اندازہ کر سکا کہ وہ کوئی شادی شدہ آدمی ہے اور یہ کہ ان دونوں کے درمیان کوئی پروگرام طے پایا تھا۔ وہ یہ کہ جیسے ہی گریٹا اسے طلاق

دے گا۔ وہ شخص اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس سے شادی کر لے گا۔ مسز گریٹا اپنی محبت کا اعتراف کرتے ہوئے قطعی شرمندہ نظر نہیں آ رہی تھی اور گریٹا اس کے اس انکشاف پر انگشت بدنداں رہ گیا تھا۔ کیونکہ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں تھا کہ اس کی بیوی اس سے بے وفائی کرتی آ رہی تھی۔ آخر میں اس نے اپنی بیوی کو گھر سے نکل جانے کے لئے کہا اور اس کے لئے اسے ایک ہفتہ کی مہلت دی لیکن مسز گریٹا نے ایک سوٹ کیس میں اپنے چند جوڑے کپڑے اور زیورات بھرے اور آدھے گھنٹہ کے اندر اندر یہ کہہ کر گھر سے نکل گئی کہ اگر ضرورت پڑی تو وہ اپنا بقیہ سامان بعد میں منگوا لے گی۔ وہ پیدل ہی روانہ ہوئی تھی۔ گھر کے ملازموں نے اسے جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ کیونکہ مسٹر گریٹا کے مطابق اس وقت رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے اور سارے ملازم سو چکے تھے۔

اس واقعہ کے بعد اس نے اپنے دوستوں کو اس کی اطلاع دی۔ مسز گریٹا نے دوبارہ اس سے رابطہ قائم نہیں کیا۔ اسے اس کی امید بھی نہیں تھی۔ اس کو اس واقعہ سے دھچکا ضرور لگا لیکن وہ جلد ہی سنبھل گیا جہاں تک مسز گریٹا کے عاشق کا سوال ہے' گریٹا کو اس کا کوئی آئیڈیا نہیں کہ وہ کون شخص ہے۔ اس نے اپنی بیوی کے کمرے کی تلاشی لی اور اس کی متعلقہ چیزوں کو کھنگالا لیکن اسے ایسی کوئی شے نہیں مل سکی جس سے اس عاشق پر کوئی روشنی پڑ سکتی۔ مسٹر گریٹا کے دوستوں نے اس سے رازداری برتنے کا وعدہ کیا تھا لیکن انہوں نے وعدہ اس طرح نبھایا کہ یہ بات دور دور تک پھیلا دی۔"

سوالس نے ایک لمحہ توقف کیا اور دوبارہ گویا ہوا۔

"یہ تو ہوا مسٹر گریٹا کا بیان۔ لیکن دوسری طرف جو افواہ پھیلی وہ اس سے قطعی مختلف ہے۔ اور وہ یہ کہ مسٹر گریٹا نے اس رات اپنی بیوی کو ہلاک کر دیا تھا اور لاش موٹر لانچ میں لے جا کر سمندر میں پھینک دی۔ پھر اپنے گہرے دوستوں سے رازداری برتنے کی قسم لے کر ایک من گھڑت کہانی سنائی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ راز کی کوئی بات پھیلانے کا یہ وعدہ لے لیا جائے کہ وہ اسے کسی پر ظاہر نہیں کرے گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اور حکام کو بھی یقین ہے کہ اس افواہ میں کوئی حقیقت ہے؟" بروس پوچھ بیٹھا۔

"مسٹر گریٹا کے بیان کی حمایت یا مخالفت میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔" سوالس نے جواب دیا۔ "اگر وہ جھوٹ بول رہا ہے تو۔ یہ پولیس کے لئے کوئی پہلا کیس نہیں ہو گا کہ وہ افواہ پر کان دھر کر اپنی راہ پر لگ گئی ہو۔"

"درست۔ لیکن لاش دریافت کرنے کا مسئلہ رہ جاتا ہے۔ جب تک لاش دریافت نہیں ہوتی' محض افواہ کی بنیاد پر کسی کیس کا آغاز نہیں کیا جا سکتا اور میں سمجھتا ہوں کہ لاش دریافت نہیں ہو سکی ہے۔ پولیس نے اب تک کیا کیا ہے؟"

"پولیس نے گریٹا سے پوچھ گچھ کی ہے اور گھر کی تلاشی لی ہے لیکن وہ ایک ہی بیان پر قائم ہے۔ واضح رہے کہ وہ ایک قانون دان ہے اور سارے داؤ پیچ سے واقف۔ جہاں تک گھر کا تعلق ہے وہاں سے ایسی کوئی شے برآمد نہیں ہوئی جسے بنیاد بنا کر گریٹا کو ملزم قرار دیا جا سکتا۔ مجھے یہ ساری باتیں یوں معلوم ہیں کہ وہاں کا سپرنٹنڈنٹ میرا دوست ہے اور اس نے مجھ سے اس سلسلے میں رسمی طور پر مشورہ کیا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ انہوں نے گریٹا کی غیر موجودگی میں اس کے پھولوں کی کیاری کو آہنی سلاخوں سے کھودا اور باغ کے ہر اس مقام کو کھنگالا جس کے بارے میں انہیں شبہ ہو سکتا تھا لیکن انہیں کوئی شے نہیں ملی۔ مجھے لگتا ہے کہ گریٹا اپنے مقصد میں سو فیصد کامیاب رہا ہے۔"

"گویا وہ لوگ واقعی یہ سوچ رہے ہیں کہ گریٹا نے اپنی بیوی کو ہلاک کیا ہے؟"

"وہ لوگ مطمئن نہیں ہیں کہ اس نے یہ جرم نہیں کیا ہے۔" سوالس نے تصحیح کی۔

بروس مسکرایا۔ "اور اب تم مجھ سے کیا چاہتے ہو' سوالس؟"

"میں کچھ بھی نہیں چاہتا' لیکن مجھے یہ خیال آیا کہ چونکہ وہ لوگ محض ایک افواہ کی بنیاد پر ہمیں طلب نہیں کر سکتے' اگر تم چھٹیاں گزارنے کے لئے گریٹ جانے کا ارادہ رکھتے ہو تو میں وہاں کے سپرنٹنڈنٹ کے نام ایک پیغام دے دوں گا

اور وہ تم سے اس مسئلے پر تبادلہ خیال کرے گا۔"

"بہت خوب۔" بروس نے ایک قہقہہ لگایا۔ "ہاں' میرا چھٹیاں گزارنے کا موڈ بن رہا ہے۔ میں کل ہی گریٹ پہنچ جاؤں گا۔ تم وہ پیغام اسی وقت لکھ کر مجھے دے دو۔"

☆○☆

اس کے دو دن بعد بروس نے وہ پیغام گریٹ کاؤنٹی کے ہیڈ کوارٹرز میں سپرنٹنڈنٹ اسمتھ کی طرف بڑھا دیا۔ اسمتھ سرخ چہرے کا مالک لحیم شحیم اور ہنس مکھ آدمی تھا۔ وہ بروس سے مل کر بہت خوش ہوا۔

"تمہارے خیال میں اس نے اپنی بیوی کو سمندر کی تہہ میں دفنا دیا ہے؟"

"ہم اس کے سوا اور کیا کہہ سکتے ہیں؟ ہمیں ایسا کوئی ثبوت تو نہیں مل سکا ہے کہ اس رات اس کی لانچ سمندر میں گئی تھی لیکن اگر اس نے اپنی بیوی کو ہلاک کیا ہے تو یہی کیا ہو گا۔"

"مجھے حیرت ہے۔" بروس بولا۔

سپرنٹنڈنٹ نے چونک کر اسے دیکھا۔ "آپ ہم سے متفق نہیں ہیں؟"

"میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے۔ جب تک میں اس شخص سے مل نہیں لیتا یہ جاننا ناممکن ہے کہ اس نے کیا کیا ہو گا یا کیا نہیں کیا ہو گا۔ میں آج سہ پہر اس سے جا کر ملوں گا۔" بروس نے جواب دیا۔ "میری حیثیت ایک مینوفیکچرر کی ہو گی جو اپنی وصیت تیار کرانا چاہتا ہے۔ میری کمپنی الیکٹرک بیلٹ تیار کرتی ہے اور میں چھٹیاں گزارنے گریٹ آیا ہوں۔"

بروس اس سے مصافحہ کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ گریٹ پرانے طرز کا ایک چھوٹا اور دلکش قصبہ تھا۔ بروس مسٹر گریٹا کے ہاں پہنچا تو گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا گیا اور پھر گریٹا اسے ایک ملحقہ کمرے میں لے گیا۔

بروس نے ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھنے کے بعد مسٹر گریٹا کا جائزہ لیا۔ وہ سرخ و سفید' بھرے بھرے چہرے کا مالک ایک زندہ دل شخص لگتا تھا۔

"میں اپنی وصیت کے سلسلے میں آپ سے دوبارہ ملنے کا متمنی ہوں۔" آخر میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بروس نے کہا۔ "کیا میں کل پھر حاضر ہو سکتا ہوں؟" اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"بڑی خوشی سے۔" مسٹر گریٹا نے بھی اپنی نشست چھوڑ دی۔ "پھر ٹھیک ہے' مسٹر بروس۔ کل تک کے لئے۔"

"کیا؟" بروس اچھل پڑا۔

"مسٹر بروس۔ میں تمہیں دیکھتے ہی پہچان گیا تھا۔" گریٹا حلق کے بل چیخا۔ تم نے مینوفیکچرر کا کردار بخوبی ادا نہیں کیا۔ آخر یہ سارا کھڑاگ کس لئے؟"

بروس تب تک اپنی کیفیت پر قابو پا چکا تھا۔ "کیونکہ۔" وہ زور دے کر بولا۔ "مسٹر گریٹا۔ میں تمہارے بارے میں اندازہ لگانا چاہتا تھا۔ ان تمام افواہوں کے پیش نظر جو اس قصبے میں پھیلی ہوئی ہیں۔"

"اس عزت افزائی کا شکریہ۔" گریٹا کے بشرے پر گھبراہٹ کا ہلکا سا بھی عکس نمودار نہیں ہوا۔ اس کے برعکس وہ لطف اندوز ہوتا ہوا لگ رہا تھا۔ "تم غالباً" یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ میں قاتل ہوں یا نہیں۔ خیر میں جانتا تھا کہ پولیس اس بیہودہ گپ میں دلچسپی لے رہی تھی۔ آخر کو یہ ان کے فرائض میں شامل ہے' لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ تمہارے پائے کا سراغ رساں بھی اس میں دلچسپی لینے لگے گا۔ مسٹر بروس۔ میں تم سے سنجیدگی سے کہتا ہوں' مجھے قاتل ثابت کرنے کی کوشش کے بجائے تم میری خاطر اس کا کھوج کیوں نہیں لگاتے؟ یہ کام اس سے بھی بڑا اور سودمند ہو گا اگر تم کامیاب ہوئے تو میں بطور فیس تمہیں خاصی موٹی رقم دینے کو تیار ہوں۔" وہ استفہامیہ انداز میں مسکرا دیا تھا۔

"میں تمہاری بیوی کا سراغ لگانے کا پکا ارادہ رکھتا ہوں مسٹر گریٹا۔" بروس نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ "لیکن فیس کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو گا۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" گریٹا نے جواب دیا۔ "اس سلسلے میں' میں تمہیں ایک شخص کا نام اور پتا بتا سکتا ہوں۔ میجر کروگر --- وہ یہاں سے تقریباً" ایک میل کے فاصلے پر رہتا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ تمہاری مدد کر سکے گا لیکن اگر کوئی کر سکتا ہے تو اس کے سوا کوئی اور نہیں کر سکتا۔"

☆○☆

بروس نے میجر کروگر کے بنگلے پر پہنچ کر اپنی آمد کی اطلاع دی۔ ملازمہ نے واپس آ کر بتایا کہ میجر باغ میں ہے اور اس نے بروس کو وہیں طلب کیا ہے۔

بروس اس ملازمہ کی رہنمائی میں گلاب کے باغ میں پہنچ گیا۔ جہاں میجر باغبانی میں مصروف تھا۔ وہ بروس کو دیکھتے ہی تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ اس کا چہرہ سوالیہ نشان بنا ہوا تھا۔

"صبح بخیر۔" بروس گرمجوشی سے مخاطب ہوا۔ "میجر' میں حارج ہونے پر معذرت چاہتا ہوں۔ میں دراصل مسز گریٹا کی گمشدگی کے سلسلے میں چند سوالات کرنے حاضر ہوا تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ تم میری مدد کر سکو گے۔"

میجر ہکا بکا رہ گیا۔ پھر اس کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہو گئیں۔

"کیا گریٹا نے تم سے یہ کہا ہے؟"

"ہاں۔" بروس نے زور دے کر کہا۔

میجر کی پیشانی پر پڑی ہوئی شکنیں گہری ہو گئیں۔ "کیا اس نے یہ کہا ہے کہ کیوں؟"

"نہیں۔"

"پھر میں تمہیں بتاتا ہوں۔ گریٹا کو مجھ پر یہ شبہ تھا کہ میں اس کی بیوی سے معاشقہ لڑا رہا تھا۔" میجر نے جواب دیا۔ "لیکن یہ ایک انتہائی بیہودہ خیال ہے۔ گریٹا مارے حسد کے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ وہ کینہ پرور ہے اور مجھے نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔"

"گویا تم مجھے اس کی بیوی کی گمشدگی کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتے؟"

"اتنا ہی بتا سکتا ہوں جتنا اس قصبے کا کوئی بھی دوسرا شخص بتا سکتا ہے۔ اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں اور بے شک تم ان باتوں سے واقف ہو۔ میرے خیال میں تم کاؤنٹی ہیڈ کوارٹرز سے آئے ہو۔"

"میں آج صبح وہیں سے آ رہا ہوں۔" بروس نے اتفاق کیا۔ میجر شاید اسے سادہ لباس والا سمجھ بیٹھا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بہرحال' مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں کچھ بھی نہیں بتا سکتا۔ کاش' بتا سکتا۔" اس کی سرد مہری فرو ہو گئی تھی۔ "تم لوگوں کی تفتیش کیسی چل رہی ہے۔ کوئی سراغ ملا؟"

"افسوس۔ نہیں۔"

"نہیں؟ یہ برا ہوا۔ علاقے کی بدنامی ہو رہی ہے۔"

"کتنا خوشنما گلاب ہے۔" بروس نے اچانک موضوع بدل دیا۔

میجر کی آنکھیں یکبارگی چمک اٹھیں۔ "تم بھی گلاب لگانے کے شوقین ہو؟"

دونوں باتیں کرتے ہوئے باغ کا چکر لگانے لگے۔ ایسے میں سفید رنگ کی ایک عام سی تتلی اڑتی ہوئی آئی اور بڑے ہی دوستانہ انداز میں میجر کے شانے پر بیٹھ گئی۔ میجر نے بدستور باتیں کرتے ہوئے' تتلی کو آہستگی سے پکڑا اور اسکا ایک پر چٹکی میں دبا کر اسے کسی کاغذ کے ٹکڑے کی طرح دو حصوں میں چیر دیا۔

"ایسا موقع کبھی کبھار ہی ملتا ہے۔" وہ بولا۔ "اس سال یہ تتلیاں بہت ہو گئی ہیں۔ انہوں نے میرے پودوں کا ستیاناس کر دیا ہے۔"

اسی وقت ڈرائنگ روم کی بلند کھڑکی پر ایک کشیدہ قامت خاتون نمودار ہوئی اور اس نے تحکمانہ لہجے میں میجر کو پکارا۔ میجر کے چہرے پر ایسے تاثرات بکھر گئے گویا وہ کوئی بچہ ہو جس نے اپنا منہ ٹھیک سے نہ دھویا ہو۔

"اچھا انسپکٹر۔ یا جو کچھ بھی تم ہو' میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اور۔ اگر تم مجھے اجازت دو تو۔"

"ہاں ہاں۔" بروس نے کہا اور باہر کی طرف مڑ گیا۔ چلتے چلتے اس نے اس خاتون کا اچھی طرح سے جائزہ لیا۔ وہ لمبی ناک کی مالک ایک لحیم شحیم عورت تھی۔ لگتا تھا وہ میجر جیسے بچوں سے نمٹنا خوب جانتی تھی۔

دو گھنٹے کے بعد وہ ایک بار پھر سپرنٹنڈنٹ کے دفتر میں اس کے مقابل بیٹھا ہوا تھا۔

"سر' اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ ایک پیچیدہ کیس ہے۔" اسمتھ نے اتفاق کیا۔

بروس خاموش ہو کر اپنے جوتوں کو گھورنے لگا۔ ایسا شاذونادر ہی ہوتا تھا کہ وہ کسی شخص کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے میں ناکام رہا ہو۔ گریٹا یقیناً" ان ہی لوگوں میں سے ایک تھا۔ بظاہر! تنا ہنس مکھ اور خوش مزاج اور بدباطن.... کیا؟ اس کیس میں پیش رفت کرنے کے لئے مواد نہ ہونے کے برابر تھا۔

گریٹا کے مشاغل کیا تھے؟ وہ اپنی بیوی کی بے وفائی کے بارے میں جان کر حیران رہ گیا تھا--- لیکن خود اپنے بارے میں اس کا کیا خیال تھا؟ کیا اس کی زندگی میں بھی کوئی دوسری عورت تھی؟

"سپرنٹنڈنٹ۔ مجھے ایک بات بتاؤ۔" اچانک وہ بول پڑا۔ "اس شخص کے بارے میں تمہاری ذاتی رائے کیا ہے؟"

سپرنٹنڈنٹ جو خود کسی سوچ میں غرق تھا۔ ایک جھٹکے سے سیدھا ہو بیٹھا۔

"سر۔ آپ نے کیا کہا؟ میں نے ہمیشہ اسے بہت شریف اور خوش مزاج پایا ہے' لیکن یہ سچ ہے کہ وہ قدرے دل پھینک واقع ہوا ہے پھر بھی میں یہ کہتا ہوں کہ یہ محض افواہ ہو سکتی ہے۔ یہاں اس قسم کی افواہیں پھیلتی ہی رہتی ہیں۔"

"اگر یہ محض افواہ نہیں ہے تو اہمیت کی حامل ہے۔" بروس پرخیال انداز میں بولا۔ "کیا وہ کسی خاص عورت کے چکر میں تھا؟"

"ادھر کچھ عرصہ سے اس کے اور مسز جیکسن کے بارے میں سننے آ رہا تھا۔" اسمتھ نے جواب دیا۔ "سنا ہے' اس کی کار کئی بار مسز جیکسن کے گھر کے آگے کھڑی پائی گئی ہے۔ مسز جیکسن ایک بیوہ ہے۔ خوبصورت اور پرکشش ہے۔ وہ گریٹ سے تقریباً" آٹھ میل دور ایک مختصر سے کاٹیج میں تنہا رہتی ہے۔ آس پاس کوئی دوسرا مکان نہیں ہے۔ بہت پرسکون اور پرفضا مقام ہے۔"

"اسمتھ' یہ ایک نہایت دلچسپ امر ہے۔"

"لیکن اس سے ہمیں مسز گریٹا کے معاملے میں کچھ زیادہ مدد نہیں ملتی۔"

"میں وثوق سے تو نہیں کہہ سکتا' لیکن سنو' ہمیں اس شخص کے بارے میں تھوڑی بہت جو بھی معلومات ہیں' ہم اس کی روشنی میں یہ فرض کر سکتے ہیں کہ کیا پیش آیا ہو گا۔ فرض کرو کہ مسز گریٹا کا قتل ہو گیا تھا۔ اب پوزیشن یہ ہے کہ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شخص کے پاس ٹھکانے لگانے کو ایک لاش ہے۔ سوچو کہ وہ لاش کو کیسے ٹھکانے لگائے گا؟ بے شک یہاں سمندر ہے لیکن میں اس سے ہٹ کر سوچتا ہوں' اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو میں بھی سمندر پر بھروسا نہ کرتا۔ وزن لاش سے الگ ہو سکتا ہے' کپڑے پھٹ جاتے ہیں' رسیاں سڑ جاتی ہیں' زنجیریں زنگ آلود ہو جاتی ہیں' جرائم کی تاریخ میں ایسے کئی کیس پیش آ چکے ہیں کہ سمندر نے جلد ہی لاش اگل دی اور مجرم ان باتوں سے یقیناً" واقف ہو گا۔ نہیں۔ سمندر میں ففٹی ففٹی چانس ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ بہرحال ہم سمندر کو اس وقت نظرانداز کر دیتے ہیں۔ تو اب کیا رہ گیا؟ کیا اس نے لاش کے ٹکڑے کر کے لاش جلا دی؟ کیا تیزاب سے گلا دی؟ اس قسم کی کسی بھی بات کا کوئی ثبوت ہو گا۔ نہیں' اس نے لاش یقیناً" چھپا دی ہو گی۔ یعنی دفن کر دی ہو گی۔ اچھا' تو اب وہ اسے کہاں دفن کر سکتا تھا؟"

"اس کا سراغ لگانا تو بہت ہی مشکل ہے۔"

"یہ تو ہے' لیکن ہمیں کم سے کم چند اشارے تو مل ہی سکتے ہیں۔ ہمارا سابقہ ایک چالاک مجرم سے ہے اور چالاکی کبھی کبھی از خود اپنا کوئی سراغ چھوڑ جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ہم یہ باور کر سکتے ہیں کہ اس نے لاش اپنے باغ میں دفن نہیں کی ہو گی۔ بلکہ کسی ایسی جگہ دفن کی ہو گی جس سے وہ مانوس ہو گا۔ ہم پورے وثوق سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے یہ کام رات میں انجام دیا ہو گا لیکن اس طرح نہیں کہ اندھیرے میں نکل گیا ہو گا اور کسی بھی جگہ پہنچ کر لاش دفنا دی ہو گی بلکہ اس کی یہ کوشش رہی ہو گی کہ وہ لاش کو زمین کے کسی ایسے ٹکڑے میں دفن کرے جس کے بارے میں اسے یقین ہو کہ لاش ہمیشہ وہیں دفن رہے گی اور اس کا سراغ نہیں لگایا جا سکے گا۔"

"یہاں ہم ڈارٹ مور کے قریب پہنچ رہے ہیں۔" اسمتھ نے لقمہ دیا۔

"ہاں' لیکن اتنے قریب بھی نہیں۔" بروس بولا۔ "اسے یہ کام بہت جلد انجام دینا تھا اور اس نے یہ کام آدھی رات سے لے کر چار یا پانچ بجے کے درمیان انجام دیا ہو گا۔ اس وقفے میں وہ ڈارٹ مور جا کر اور قبر کھود کر واپس نہیں آ سکتا تھا۔ ہم یہ باور کر سکتے ہیں کہ اس نے کوئی اتھلی قبر نہیں کھودی ہو گی بلکہ گہری قبر

کھودی ہو گی۔ اس کام میں کتنا وقت درکار ہوتا؟ تین گھنٹے سے کم نہیں' ممکن ہے چار گھنٹے۔ یوں واپسی کے سفر کے لئے اس کے پاس صرف ایک گھنٹا رہ جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر مسز گریٹا کی لاش دفن کی گئی ہے تو گریٹ کے پندرہ میل کے اندر کی گئی ہو گی۔"

"ہو سکتا ہے۔" سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔

"ہم اور کس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں؟" بروس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "ہاں ایک اور بات کا۔ ہمارے قاتل نے قبر کسی سخت اور بنجر زمین پر نہیں کھودی ہو گی بلکہ ایسی زمین پر جہاں کھدائی آسان ہو۔ وہ مضافات میں رہتا ہے اور زمینوں سے اچھی طرح واقف ہے اور جانتا ہے کہ آسان کھدائی کے لئے ضروری نہیں کہ زمین کی سطح نرم ہو یا دلدلی ہو بلکہ ایسی زمین جو پہلے بھی کھودی جا چکی ہو۔"

اس نے ایک لمحہ توقف کیا اور دوبارہ گویا ہوا۔

"لاش جہاں دفن کی گئی ہو گی وہ گریٹ کے پندرہ میل کے اندر کاشت کی ہوئی زمین ہو گی اور وہ بھی ایسی زمین جہاں کھڑی ہوئی کوئی کار کسی کو نظر نہ آتی ہو اور نظر آ بھی جائے تو کسی قسم کا شبہ نہ پیدا ہوتا ہو۔" وہ یکبارگی اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہم ایک ایسی جگہ سے واقف ہیں جو ہماری ان تمام شرائط پر پوری اترتی ہے۔ کیا ہم نہیں جانتے کہ ان تمام باتوں کا انحصار ایک شے پر ہے۔ کیا مسز جیکسن کے کاٹیج کے اطراف میں واقع کھیتوں میں اس سال فصل ہوئی ہے؟"

"مسز جیکسن؟" سپرنٹنڈنٹ اسمتھ حیرت سے اسے تکنے لگا۔

"ہاں۔" بروس نے جواب دیا۔ "کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ چلو' اپنے دو کانسٹیبل کدال سمیت لے لو۔ ہم تمہاری کار میں وہاں ایک گھنٹے کے اندر پہنچ جائیں گے۔"

"لیکن مسز جیکسن کا اس معاملے سے کیا تعلق؟"

"اٹھو بھی۔" بروس چیخا۔ "وقت ضائع مت کرو۔"

☆○☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ لوگ ایک گھنٹہ سے بھی کم مدت میں وہاں پہنچ گئے۔ سپرنٹنڈنٹ اسمتھ اور اس کے دونوں کانسٹیبل بے حد گھبرائی گھبرائی نظروں سے اس اکلوتے کاٹیج کے چاروں طرف پھیلے ہوئے فیلڈ کا جائزہ لے رہے تھے جو مرکزی سڑک سے دو میل کے فاصلے پر واقع تھا۔

جیسا کہ سپرنٹنڈنٹ اسمتھ نے کہا تھا۔ تاحد نگاہ کوئی دوسرا مکان نظر نہیں آ رہا تھا۔

"اچھا تو مسٹر راجر اب شاید آپ ہمیں بتا سکیں کہ کھدائی کہاں سے شروع کرنی ہے۔" سپرنٹنڈنٹ اسمتھ نے کہا۔

خود بروس کو اس کا کوئی اندازہ نہیں تھا لیکن اسے یقین تھا کہ وہ صحیح راستے پر تھا۔ اس نے بائیں طرف نگاہ ڈالی جہاں ننھے ننھے پودے قطاروں میں لگے ہوئے تھے۔

"وہ کوئی اچھا کسان ہو گا جس کی یہ زمین ہے۔" وہ بڑبڑایا۔ "اس کے لگائے ہوئے پودے بالکل تیر کی طرح سیدھی قطار میں ہیں۔ سوائے۔ سوائے---" وہ یکبارگی زور سے چیخا۔ "وہاں بیچ کی جگہ کے۔ اس نے وہاں کے ننھے پودے اکھاڑ کر ایک طرف رکھے اور بعد میں دوبارہ لگا دیئے لیکن چونکہ اس کے پاس وقت بہت کم تھا۔ وہ پریشانی میں تھا۔ سحر طلوع ہو چکی تھی لہٰذا--- وہ انہیں قطار میں لگانے سے قاصر رہا۔ آؤ وہی ہماری مطلوبہ جگہ ہے۔"

"مسٹر راجر۔ پہلے ہمیں اس کے لئے اجازت لینی پڑے گی۔" سپرنٹنڈنٹ اسمتھ گھبرا کر بول پڑا۔

"کسی اجازت کی ضرورت نہیں۔" بروس نے جواب دیا۔ "میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں۔"

دس منٹ کے بعد دونوں کانسٹیبلوں کے چہروں سے مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔ ان میں سے ایک نے کدال روک کر دونوں افسروں کی طرف دیکھا۔

"زمین حال ہی میں کھودی گئی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں۔" وہ بولا۔

اس کے چالیس منٹ کے بعد مسز گریٹا کی گمشدگی کا معمہ حل ہو چکا تھا۔

سپرنٹنڈنٹ اسمتھ گرفتاری کا وارنٹ حاصل کرنے کی غرض سے روانہ ہوتے ہوئے' بروس سے مخاطب ہوا۔

"سر۔ میری سمجھ میں اب تک یہ نہیں آ رہا کہ آپ مسٹر گریٹا کے بجائے میجر کروگر پر کیسے آ گئے؟"

بروس ہونقوں کی طرح اس کا چہرہ تکنے لگا۔ "میجر کروگر؟" اس نے تعجب سے دہرایا۔

"ہاں۔ میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ آپ نے اس کے بارے میں میری ذاتی رائے کیوں پوچھی تھی اور اس کے اور مسز جیکسن کے معاملات میں اتنی دلچسپی کیوں ظاہر کی تھی۔ سر۔ آپ واقعی بہت ذہین ہیں۔"

بروس کچھ نہیں بولا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ سپرنٹنڈنٹ کو غلط فہمی ہو گئی تھی۔ سپرنٹنڈنٹ اب بھی یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ میجر کے بارے میں پوچھ رہا تھا جبکہ وہ تو گریٹا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

"اوہ ہاں' میجر کروگر۔" وہ جلدی سے بول پڑا۔ "دراصل میں نے اس کی بیوی کو دیکھا تھا۔ وہ ایک پرعزم عورت ہے اور میجر بہت زیادہ اس کے دباؤ میں ہے۔ اب اس سچویشن پر غور کرو۔ مسز گریٹا آدھی رات کو اس کے ہاں پہنچی۔ اس پر ایک ہیجانی کیفیت طاری تھی۔ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھی کہ میجر اس سے سچ مچ محبت کرتا تھا جبکہ میجر محض اس سے کھیلتا آ رہا تھا۔ جب میجر نے یہ دیکھا کہ وہ اسے خاموش نہیں کرا سکے گا اور یہ کہ اس کی بیوی سن لے گی تو اس نے خوف آمیز طیش کے عالم میں گلا گھونٹ کر اسے ہلاک کر دیا۔"

اچانک ایک خیال اس کے ذہن میں بجلی کی مانند کوندا۔ یہ کیس ابھی تک کسی بھی پہلو سے حل نہیں ہوا تھا۔ مسز گریٹا کی لاش کا میجر کروگر کی داشتہ کی زمین سے دریافت ہونا' میجر کو قاتل نہیں ظاہر کرتا تھا۔ وہاں ایسی کوئی ٹھوس شہادت نہیں تھی جو اس قتل سے میجر کا تعلق جوڑ سکتی۔ گریٹا ایک شاطر آدمی تھا۔ یہ فرض کیا جا سکتا تھا کہ وہ میجر سے حسد کرتا تھا اور اس نے خود لاش وہاں دفن کی تھی تاکہ وہ شخص مشکوک قرار پائے جس پر اسے اپنی بیوی کو بہکانے کا شبہ تھا۔ ممکنات کی کوئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حد نہیں ہوتی۔

"سپرنٹنڈنٹ' ایک منٹ ٹھہرنا۔" وہ بولا۔ "میں نہیں سمجھتا کہ ہم ابھی گرفتاری کے وارنٹ کے لئے درخواست دے سکتے ہیں۔ دراصل ہمارے پاس ابھی کوئی ایسا ثبوت۔۔۔" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

اس کی نظریں چند گز دور زمین پر پڑی ہوئی سفید رنگ کی ایک شے پر جا پڑی تھیں۔ وہ آگے بڑھا اور اس کا معائنہ کرنے لگا۔ وہ سفید رنگ کی کسی تتلی کا نوچا ہوا ایک پر تھا۔ بقیہ حصہ ایک قریبی پودے کی پتیوں سے چپکا ہوا تھا۔

بروس نے نہایت احتیاط سے ان دونوں چیزوں کو اٹھا لیا اور سپرنٹنڈنٹ ا سمتھ کی طرف بڑھا دیا۔

"انہیں بہت احتیاط سے محفوظ کر لو۔" وہ بولا۔

سپرنٹنڈنٹ نے ہتھیلی پر موجود اس دو نیم تتلی کو حیرت سے دیکھا۔ "یہ کیا ہے مسٹر راجر؟ ایک سفید تتلی؟"

"ہاں۔ ایک سفید تتلی کے دو ٹکڑے۔" بروس نے نہایت گمبھیر لہجے میں جواب دیا۔ "یہ ایک شخص کو پھانسی کے پھندے پر لٹکانے والے ہیں۔"

ایک بے گناہ تتلی کے انجام اور اس انداز میں اپنی مدد پر اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

بے قراراں

ریستوران کے گاہکوں کی آخری کھیپ رخصت ہو رہی تھی۔

"شیلا!" ان میں سے ایک نے کہا۔ "خدا کرے سٹوکر کی طبیعت اب پہلے سے بہتر ہو۔ اور ہاں۔ آج ذرا احتیاط سے ڈرائیو کرنا۔ رات بڑی خوفناک ہے۔"

رات واقعی خوفناک تھی۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ سیاہ بادلوں سے ڈھکے آسمان پر بجلیاں کڑک رہی تھیں اور نمی کے بوجھ سے چور دیوانی ہوائیں سیٹیاں بجا رہی تھیں۔

میں چند لمحے ریستوران کے دروازے پر کھڑی اپنی اکڑی ہوئی پیٹھ کو سیدھی کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ آج کا دن بے حد مصروف گزرا تھا اور میں تھک کر چور ہو گئی تھی۔ تنہا دو آدمیوں کا کام سنبھالنا کوئی مذاق نہیں۔

کام کے حوالے سے مجھے اچانک سٹوکر اور گھر کا خیال آ گیا اور میں اپنی پیٹھ کے درد کو بھول گئی۔

میں ریستوران بند کرنے ہی والی تھی کہ قریب ہی کہیں سے کسی بچے کے رونے کی آواز بلند ہوئی۔ میں پہلے بھی کئی بار یہ آواز سن چکی تھی۔ یہ بچہ تو بہت روتا ہے۔ میں نے اپنے پڑوس کی اپارٹمنٹ بلڈنگ کی جانب دیکھ کر سوچا اور اسی لمحے میری نگاہ اس لڑکی پر پڑ گئی۔ وہ آج پھر وہاں کھڑی بارش میں بھیگ رہی تھی۔ اس کے بازو بالکل بے جان سے اس کے پہلوؤں میں جھول رہے تھے اور وہ بے حد ملول اور رنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

"آخر یہ چاہتی کیا ہے؟" میں نے سوچا۔ "اس طرح بارش میں بھیگنے کا مقصد؟"

دو روز پہلے' جب میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا تو کوئی توجہ نہیں دی تھی کیونکہ میرا ذہن بے حد الجھا ہوا تھا۔ میں سٹوکر کی طرف سے بہت فکر مند تھی۔ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فلو اور تیز بخار میں مبتلا تھا اور میں اسی پریشانی کے عالم میں ریستوران کا کام سنبھالے ہوئے تھی۔ اسی دوران مجھے ایک منحوس خبر سننے کو ملی کہ سٹیلا کا جوان بھائی فوت ہو گیا ہے۔ اس وقت میں گاہکوں میں سخت الجھی ہوئی تھی۔ اسٹیلا گھبرائی گھبرائی سی ریستوران میں داخل ہوئی۔ اس کی پھولوں کی دکان میرے پڑوس میں واقع تھی اور وہ اکثر شام کو میرے ہاں کھانا کھانے آ جاتی تھی' لیکن اس روز اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور وہ یقیناً" کھانا کھانے کے ارادے سے نہیں آئی تھی۔

وہ آتے ہی ایک گوشے میں ڈھیر ہو گئی۔ میں اپنے گاہکوں کو چھوڑ کر اس کی جانب لپکی۔

"کیا بات ہے اسٹیلا؟" میں نے تشویش سے پوچھا۔

"شیلا! میں فی الفور اپنے آبائی شہر روانہ ہو رہی ہوں۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ "میرے بھائی پر دل کا دورہ پڑا تھا--- وہ مر گیا۔"

"کیا؟ نہیں۔" میں بھونچکی رہ گئی۔

"ہاں' شیلا۔ میں تمہیں بتانے آئی ہوں تاکہ تم میری غیر موجودگی میں میری دوکان کا خیال رکھ سکو؟" وہ بولی۔ "میں نے ہر شے مقفل کر دی ہے۔ تقریباً" ایک مہینے کے بعد لوٹوں گی' مجھے اس کے بیوی بچوں کے پاس رہنا ہو گا۔"

"پھر تم چاہو تو دکاں کی چابی میرے حوالے کر جاؤ۔ میں دکان کھلی رکھوں گی۔" میں نے کہا۔ "اس طرح تمہیں مالی نقصان نہیں ہو گا۔"

"نہیں شیلا! تمہارا شکریہ۔" وہ بولی۔ "تم خود سٹوکر کی علالت سے پریشان ہو۔ میں تمہاری پریشانیوں میں اضافہ کرنا نہیں چاہتی۔ ہاں۔ بوب اور فریڈ سے کہنا کہ دکان پر نگاہ رکھیں۔"

بوب اور فریڈ پولیس والے تھے اور ہمارے اسی علاقے میں گشت لگانے پر مامور تھے۔

"اسٹیلا۔ مجھے تمہارے بھائی کی جوان موت پر بہت دکھ ہو رہا ہے۔"

اس نے نرمی سے میرا ہاتھ تھپ تھپایا اور خاموشی سے ریستوران سے نکل

گئی۔ میں خالی خالی نظروں سے دروازے کو گھورتی رہ گئی۔ "بے چاری!" میں نے دکھ سے سوچا۔ "ایک جوان بھائی تھا' وہ بھی چل بسا۔ اب یہ ایک مہینہ اپنی دکان بند رکھے گی تو اسے کتنا نقصان ہو گا؟ یہی ایک ذریعہ معاش ہے اس کا۔ ہماری طرح اس نے بھی اپنی ساری پونجی اس کاروبار میں لگا دی تھی اور یہ میں ہی جانتی ہوں کہ اگر میں سٹوکر کی علالت کے دوران ریستوران سنبھالنے کی اہل نہ ہوتی تو ہمیں کس قدر مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ کاش! میں اسٹیلا کو نقصان سے بچانے کے لئے کچھ کر سکتی۔"

ہمیں یہ ریستوران خریدے صرف چند مہینے ہوئے تھے۔ ایک سال پہلے سٹوکر اسی ریستوران میں ملازم تھا اور کاؤنٹر کے پیچھے اسی جگہ بیٹھتا تھا' جہاں آج میں بیٹھتی ہوں اور پھر ہم نے یہ ریستوران اس کے پچھلے مالکان سے خرید لیا تھا۔

سٹوکر سے میری ملاقات عجیب انداز میں ہوئی تھی۔ اس واقعے کو تقریباً" نو ماہ ہو رہے ہیں۔ وہ میری زندگی کا ایک بدترین دن تھا۔ میرے ڈاکٹر نے میرا طبی معائنہ کرنے کے بعد یہ انکشاف کیا کہ میں کبھی ماں نہیں بن سکتی اور یہ کہ مجھے آپریشن کرانے کے لئے فوراً" ہسپتال میں داخل ہونا پڑے گا۔

اگرچہ اس نے بہت ہی نرم لہجہ اختیار کیا تھا لیکن اس کا تاثر دھماکا خیز تھا۔ کسی لڑکی کے لئے اس سے زیادہ دہشت ناک بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ کبھی ماں نہیں بن سکتی۔

میری عمر صرف اکیس سال تھی۔ اس کے بیان کے مطابق میں خوش قسمت تھی کہ اس کے پاس پہنچ گئی تھی اور اب بھی کچھ نہ کچھ کیا جا سکتا تھا' لیکن میں اچھی طرح جانتی تھی کہ وقت گزر چکا ہے اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ آپریشن سے بھی نہیں۔ اس خیال کے آتے ہی مجھے اپنے سارے رنگین خواب ریزہ ریزہ ہوتے محسوس ہوئے۔ ہر لڑکی کی طرح میں بھی ایک پیار کرنے والے شوہر' ڈھیر سارے بچوں اور ایک پرمسرت ازدواجی زندگی کے خواب دیکھتی آئی تھی۔ میرے دل میں بھی بہت سارے ارمان تھے' لیکن اس بھیانک انکشاف نے میرے ارمانوں کا خون کر دیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ڈاکٹر کے ہاں سے نکلنے کے بعد میں بلا ارادہ ایک طرف چل پڑی۔ میرا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا۔ کانوں میں ڈاکٹر کی آواز گونج رہی تھی۔ مجھے کچھ ہوش نہیں تھا کہ میں کہاں جا رہی ہوں۔ میں صرف اپنے جسم میں پرورش پانے والی اس جان لیوا رسولی کے بارے میں سوچ رہی تھی' جو ڈاکٹر کے بیان کے مطابق تیزی سے بڑھ رہی تھی' ممکن ہے یہ رسولی مجھے ڈس لے' میں نے سوچا۔ اسی طرح جیسے اس نے میرے خوابوں کو ڈس لیا تھا۔

میں کافی دیر تک چلتی رہی تھی اور کہیں سے کہیں نکل گئی تھی کیونکہ جب میں چونک کر اپنے حواس میں آئی اور اپنے اردگرد کا جائزہ لیا تو خود کو گولڈن سٹریٹ پر پایا۔ میں رک گئی اور اس مقام کا تعین کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

میرے سامنے ایک بے حد وسیع و عریض اپارٹمنٹ بلڈنگ تھی۔ اس کے دائیں جانب پھولوں کی ایک دکان اور اس سے متصل ایک ریستوران تھا' جس پر ایک سال خوردہ سائن بورڈ نصب تھا۔ میں نے سوچا کہ چل کر وہاں ایک کپ کافی پیوں اور ان سے صحیح سمت کے بارے میں بھی پوچھ لوں۔

اس خیال کے تحت میں اس ریستوران میں داخل ہو گئی۔ اگلے ہی لمحے پیاز اور مسالے کی تیز بو میرے نتھنوں سے ٹکرائی۔ مجھے ابکائی سی آ گئی۔ میں فوراً واپس جانے کے لئے پلٹی۔

اسی لمحے کچن سے ایک شخص برآمد ہوا اس کے جسم پر ایپرن تھا وہ سیدھا میرے پاس آ گیا۔

"میں تمہاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟" اس نے خوش دلی سے پوچھا۔

"میں راستہ بھول گئی ہوں۔" میں نے بوکھلا کر جواب دیا۔ "میرے خیال میں میں بھٹک کر اس طرف آ نکلی ہوں۔ پتا نہیں یہ کون سا علاقہ ہے اور--- اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ---"

"کوئی بات نہیں۔" وہ جلدی سے بول پڑا۔ "یہاں لوگ اکثر راستہ بھٹک جاتے ہیں۔ تمہیں جانا کہاں ہے؟ میں بتانے کی کوشش کر سکتا ہوں۔" وہ خاموش ہو کر مجھے تکنے لگا۔

میں نے اسے اپنا پتا بتایا لیکن پھر میری نگاہوں میں اپنے خالی اپارٹمنٹ کی دیواریں گھوم گئیں۔ مجھے اپنے تنہائی کا خیال آیا۔ ساتھ ہی ڈاکٹر کے الفاظ ایک بار پھر کانوں میں گونجنے لگے اور آپریشن کے خیال سے دہشت سی چھا گئی۔ میں شاید چکرا کر گر پڑتی کہ اس نے جلدی سے مجھے سنبھال لیا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" وہ گھبرا کر پوچھ بیٹھا۔ "بیٹھو بیٹھو۔ بیٹھ جاؤ۔ میں تمہارے لئے کافی لاتا ہوں۔" اس نے مجھے پاس پڑی ہوئی کرسی پر بٹھا دیا۔

میں کرسی پر ڈھیر ہو گئی۔ وہ چلا گیا اور چند ہی ثانیے بعد کافی کے مگ کے ساتھ نمودار ہوا۔ میں نے مگ کانپتے ہاتھوں سے تھام لیا۔ وہ میرے سامنے بیٹھ گیا اور مجھے تشویش آمیز نظروں سے گھورنے لگا۔

"میرے خیال میں' مجھے کسی ڈاکٹر کو طلب کرنا چاہیے۔" وہ بولا۔

"ابھی میں ڈاکٹر ہی کے پاس سے آ رہی ہوں۔" میں نے تلخی سے کہا۔ "اس کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"میرا نام سٹوکر ہے۔" اس نے اپنا تعارف کرایا۔ "کیا تم مجھ سے باتیں کرنا پسند کرو گی؟"

شاید مجھے اس وقت صرف اسی چیز کی ضرورت تھی۔ میں کسی سے باتیں کرنا چاہتی تھی۔ ممکن ہے اس طرح احساس تنہائی کی شدت میں کچھ کمی آ جاتی۔

وہ میرے لئے بالکل اجنبی تھا' لیکن جب میں نے بولنے کے لئے منہ کھولا تو رو پڑی اور ان ہی آنسوؤں کے درمیان اسے اپنی بپتا کہہ سنائی۔

وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ اس نے مجھے تسلی دینے یا ہنسانے کی کوئی کوشش نہیں کی' بس سنتا رہا اور جب میں خاموش ہوئی تو اس نے رومال میری طرف بڑھا دیا۔

"اب بہتر محسوس کر رہی ہو؟" اس نے پوچھا۔

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "میں رونے بسورنے کی عادی نہیں۔" میں نے کہنا شروع کیا۔

"خیر۔" اس نے جلدی سے میرا جملہ اچک لیا۔ "ہر شخص کو وقتاً فوقتاً اپنے آپ پر ترس کھانے کا حق حاصل ہے۔" اس نے گہری متانت سے کہا۔ "لیکن کیا تم

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے کبھی یہ غور کیا کہ تم سے بھی زیادہ دکھی لوگ اس دنیا میں پڑے ہیں؟ وہ لوگ جن کا مرض ناقابل علاج ہے۔ وہ لوگ جو ناقابل برداشت تکلیف میں مبتلا ہیں۔ وہ لوگ جو جان لیوا امراض کا شکار ہیں۔ یہ لوگ اپنے دائیں بازو کے عوض تمہارا مرض قبول کرنے پر ہنسی خوشی آمادہ ہو جائیں گے۔"

میرے ڈاکٹر نے بھی مجھ سے یہی کہا تھا' لیکن سٹوکر کے انداز نے مجھے بہت متاثر کیا اور میں آہستہ آہستہ خود کو پرسکون محسوس کرتی چلی گئی۔

"یہ ہوئی نا بات۔" وہ مسکرانے لگا۔

☆○☆

مجھے اس سے دوبارہ ملنے کی کوئی توقع نہیں تھی لیکن میرے آپریشن کے دو روز بعد' جب وہ اسپتال میں مجھ سے ملنے آیا تو میں سخت متعجب ہوئی۔ اس روز کے بعد' وہ روزانہ آنے لگا اور جب مجھے وہاں سے ڈسچارج کیا گیا تو وہ مجھے اپنی کار میں میرے گھر لے گیا اور سہارا دے کر اوپر پہنچایا۔ پھر صحت یاب ہونے کے بعد' ہم ایک دوسرے سے ملنے لگے۔

مجھے اس کی محبت میں گرفتار ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ شروع شروع میں' میں نے اس جذبے کو اس کی غم گساری اور حسن سلوک کی اثر پذیری سے تعبیر کیا' لیکن جیسے جیسے اس جذبے کی شدت اور گہرائی میں اضافہ ہوتا گیا' ویسے ویسے میں اس کی صداقت کی قائل ہوتی چلی گئی۔ اس کے سوا کوئی جذبہ ایسا نہیں' جس کے تحت میرا دل اس کی آواز سنتے ہی بے اختیار دھڑک اٹھتا۔ یہ صرف اور صرف جذبہ محبت کی کارفرمائی تھی۔ میں جانتی تھی کہ اس کے جذبات مجھ سے قطعی مختلف نہیں تھے' لیکن ہم دونوں میں سے کسی نے بھی اظہار محبت میں جلد بازی سے کام نہیں لیا' بلکہ دھیرے دھیرے اس میں مزید شدت اور گہرائی پیدا کرتے چلے گئے۔ ساتھ ہی ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش بھی کرتے رہے۔

میرے علم میں یہ بات آئی کہ وہ اس دنیا میں اکیلا تھا اور ایک طویل عرصے سے اپنے پیروں پر کھڑا تھا۔ وہ ایک سال سے اس ریستوران میں ملازم تھا اور اس کے دل میں اپنا کاروبار کرنے کی خواہش تھی۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ ایک انتہائی شریف النفس اور مہربان شخص تھا اور ایک روز جب اس نے مجھے شادی کی پیش کش کی تو میں وفور جذبات سے رو پڑی۔ وہ خاموشی سے مجھے تھامے کھڑا رہا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ میرے آنسو میرے دکھ کی زبان ہیں۔ میں اسے اولاد نہیں دے سکتی تھی۔

"ڈارلنگ!" اس نے چاہت بھری سرگوشی کی۔ "میں تمہیں چاہتا ہوں اور بس' اس کی اہمیت ہے۔ صرف میں اور تم۔ مجھے زندگی سے کچھ اور طلب کرنے کی آرزو نہیں۔"

اس کی محبت نے گویا میرے اندر پھیلے ہوئے صحرا کو نزہت گاہ میں تبدیل کر دیا تھا اور اب اس سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہو کر اس نزہت گاہ کا ذرہ' ذرہ مہک اٹھا تھا۔ اس کے ساتھ گزرنے والا ایک ایک لمحہ مجھے اپنی جان سے پیارا تھا۔ میں اس کی صورت دیکھتے دیکھتے سو جاتی اور صورت دیکھ کر بیدار ہوتی۔ مجھے یقین تھا کہ وقت آنے پر ہم کسی کے بچے کو گود لے کر اپنی خوشیوں کی تکمیل کر لیں گے' لیکن جب سٹوکر نے اس خیال کو یکسر رد کر دیا تو مجھے بے حد حیرت ہوئی۔

"میں کسی کے بچے کو گود لینا نہیں چاہتا۔" وہ برہمی سے بولا۔ "آئندہ مجھ سے اس موضوع پر بات مت کرنا۔"

مجھے یقین نہیں آیا کیا یہ وہی شریف النفس اور مہربان سٹوکر بول رہا ہے۔

"لیکن کیوں؟" میں نے پوچھا۔

اس نے شانے اچکائے۔ "میں نہیں سمجھتا کہ ہم کسی اور کے بچے کو وہی شفقت اور پیار دے سکتے ہیں۔" وہ بولا۔

"لیکن اگر ہم نے کسی بچے کو گود لیا تو وہ ہمارا اپنا بچہ ہو گا۔" میں نے بحث کی۔

"میں ایسا نہیں سمجھتا۔"

میں لاکھ کوشش کے باوجود اسے اپنے موقف سے ایک انچ بھی ہلا نہ سکی۔ ہم خاصی دیر تک بحث کرتے رہے' پھر لڑ پڑے اور آخر میں' میں رونے لگی۔

"آخر تمہیں ہوا کیا ہے؟" میں نے روتے ہوئے کہا۔ "تم پہلے سے جانتے ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ مجھے بچوں کی کتنی خواہش ہے۔ آخر ہم کسی بچے کو کیوں گود نہیں لے سکتے؟ اس کی کوئی ایک معقول وجہ ہی بتا دو۔"

وہ مجھے کئی لمحے تک تیز نظروں سے گھورتا رہا۔ "مجھے ڈر لگتا ہے۔" آخر وہ بولا۔

میں اسے حیرت سے گھورتی چلی گئی۔

"شیلا! بات یہ ہے کہ میں خود ایک لے پالک تھا۔" اس نے انکشاف کیا۔ "لیکن مجھے گود لینے والوں نے اس لئے گود نہیں لیا تھا کہ انہیں پیار کرنے کے لئے کسی بچے کی ضرورت تھی۔" اس نے ایک لمحہ توقف کیا۔

"جب میں دس سال کا تھا تو مسٹر جیک' مجھے ایک یتیم خانے سے لے گئے تھے۔ ان کا ایک فارم اور ایک ریستوران تھا اور وہ کسی سے بیگار لینا چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ مجھے لے گئے۔" اس نے تلخی سے کہا۔ "میں نے ان کے فارم میں کام کیا اور جب مسز جیک نے موسم گرما کے دوران ایک ریستوران کھولا تو مجھے وہاں برتن دھونے' سرو کرنے اور فرش صاف کرنے پر لگا دیا گیا۔ وہاں میری زندگی ایک عذاب بن کر رہ گئی تھی۔ مسٹر جیک کے اپنے دو بچے تھے لیکن ان کے ساتھ کبھی بھی ایسا سلوک نہیں کیا جاتا تھا' جیسا میرے ساتھ کیا جاتا تھا۔" اس کی آنکھوں سے گہرا کرب جھانکنے لگا۔

میرا دل تڑپ اٹھا۔ "تم نے پہلے یہ سب کچھ کیوں نہیں بتایا؟" میں نے پوچھا۔

"کیونکہ اس ذکر سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "اس سلوک سے مجھے ایک سبق ملا ہے۔ یہ کہ مسز جیک مجھ سے ایسا سلوک اس لئے کرتی تھیں کہ میں ان کی اولاد نہیں تھا اور وہ اکثر اس کا اظہار بھی کرتی تھیں کہ میں ان کی اولاد نہیں تھا اور وہ اکثر اس کا اظہار بھی کرتی تھیں۔ تم یہ امید مت رکھو کہ میں تم سے اپنے بچوں جیسا سلوک کروں گی۔ وہ کہا کرتی تھیں۔ اور شیلا یہی وجہ ہے کہ میں کسی کے بچے کو گود لینے سے بہت ڈرتا ہوں۔ کیونکہ شاید میں اسے وہ شفقت اور محبت نہ دے سکوں' جس کا وہ مستحق ہے۔" اس کی آواز رندھ گئی۔

"اوہ سٹوکر!" میں نے اس کے شانے پر سر رکھ دیا۔ "مجھے تم سے محبت ہے۔ صرف تم سے۔" میں نے پیار بھری سرگوشی کی اور میری آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

☆○☆

اس روز کے بعد میں نے پھر کبھی سٹوکر سے اس موضوع پر گفتگو نہیں کی اور کچھ عرصے بعد' میں نے سوچنا ہی چھوڑ دیا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہم بے حد مصروف ہو گئے تھے۔ اس ریستوران کے مالک نے ریستوران فروخت کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور سٹوکر اسے خریدنا چاہتا تھا۔

"ہمیں اسے خریدنے کے لئے اپنی ساری پونجی لگا دینی ہو گی۔" سٹوکر نے کہا۔ "اور بینک سے قرض بھی لینا پڑے گا۔" اس کی آنکھیں فرط جوش سے چمک رہی تھیں۔ "لیکن ہمارا اپنا کاروبار ہو گا۔ میرا باس یہ ریستوران سستے داموں میرے ہاتھ فروخت کر دے گا۔"

میں یہ کہہ کر اس کا جوش و خروش کم کرنا نہیں چاہتی تھی کہ اس کا باس صرف محل وقوع کی بنا پر ریستوران سستے داموں فروخت کر رہا ہے۔ گولڈن سٹریٹ' شہر کے ایک پسماندہ اور گندے علاقے میں واقع تھی۔ اگرچہ اس علاقے کو ترقی دے کر ماڈرن بنانے کے سلسلے میں زور شور سے باتیں ہوتی رہتی تھیں لیکن اب تک کوئی عملی اقدام نہیں کیا گیا تھا اور سٹوکر صرف تصویر کے روشن پہلو کو دیکھ رہا تھا۔

"انتظامیہ نے نئے اپارٹمنٹ بلڈنگ کی تعمیر کا آغاز کر دیا ہے۔" وہ بولا۔ "اور جابجا نئے نئے سٹور کھلنے لگے ہیں۔ ہمارے پڑوس میں کپڑے کی ایک بالکل ماڈرن دکان کھل رہی ہے اور نکڑ پر سپر مارکیٹ کا افتتاح بھی ہونے والا ہے۔" اس نے ایک لمحہ توقف کیا۔ "چند ہی سال میں اس ریستوران سے زبردست آمدنی ہونے لگے گی۔"

لہٰذا ہم نے سال کے اواخر میں وہ ریستوران خرید لیا۔ ازسرنو اس کی آرائش اور تزئین کی۔ سارا کام خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیا۔ دن رات محنت کی۔ ہم نے اس کا نام بدل کر ایس ایس ریستوران رکھ دیا اور جب اس کا افتتاح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوا تو سٹوکر کی طرح میں بھی فخر سے پھولی نہیں سما رہی تھی۔

ہم شانہ بہ شانہ کام کرنے لگے۔ سٹوکر نے کچن سنبھال لیا اور میں نے کاؤنٹر۔ عام حالات میں' میں کام سے تھکتی نہیں تھی۔ لیکن پچھلے چند روز سے سٹوکر کی علالت کی بناء پر چونکہ دوہری محنت کرنی پڑ رہی تھی لہٰذا میں تھک کر چور ہو جایا کرتی تھی اور پھر سٹیلا کے جوان بھائی کی موت' میری ذہنی پریشانی میں اضافے کا سبب بن گئی تھی۔

اسی روز شام کے چھ بجے گاہکوں کی بھیڑ بھاڑ سے نمٹنے کے بعد' جب مجھے کچھ سکون ملا تو میں اپنے لئے پیالی میں کافی انڈیلنے لگی۔ اچانک ریستوران کا دروازہ کھلا اور ایک منحنی سی لڑکی اندر داخل ہوئی۔ وہ بمشکل سولہ سال کی ہو گی۔ اس نے جین کی پتلون اور شرٹ پہن رکھی تھی۔ سر پر ایک پرانا ہیٹ تھا اور سنہری زلفیں بے ترتیبی سے شانوں پر بکھری ہوئی تھیں۔

دروازے پر ہی رک کر وہ اپنی قمیض کے بٹن کو بے چینی سے مروڑنے لگی۔ اس کی نظریں مجھ پر مرکوز تھیں۔

"کیا چاہیے؟" میں نے پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے بلند آواز میں اپنا جملہ دہرایا۔

"اوہ۔ میں ایک دوست کا انتظار کر رہی ہوں۔" وہ منمنائی' لیکن اس کی نظریں ایک چھوٹے سینڈوچ پر مرکوز ہو گئی تھیں' جو گاہک پلیٹ میں چھوڑ گیا تھا۔

میں محض ایک گہری سانس خارج کر کے رہ گئی۔ گولڈن سٹریٹ اس قسم کے لڑکوں اور لڑکیوں سے بھرا پڑا تھا۔ یہ منشیات کے عادی تھے اور ان کا کہیں ٹھکانہ نہیں تھا۔ یہ بھوک سے بلبلاتے رہتے تھے' لیکن ان کی جیب میں کھانے کے پیسے نہیں ہوتے تھے۔

"سوپ پیو گی؟" میں نے پوچھا۔ "بالکل تیار ہے۔"

اس نے جلدی سے مجھے دیکھا اور میں مسکرا دی۔ "بہت لذیذ ہے۔" میں نے اضافہ کیا۔

اس نے مجھ سے نگاہیں چرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

میں نے کاؤنٹر کے ایک پیالے میں سوپ انڈیلا اور دوبارہ اپنی کافی کی جانب متوجہ ہو گئی۔ ابھی میں کافی انڈیل ہی رہی تھی کہ دروازہ کھلا اور بوب اور فریڈ داخل ہوئے۔ وہ حسب معمول شام کے ناشتے اور کافی کے لئے آئے تھے۔ میرے پاس ہی کاؤنٹر پر آ بیٹھے اور بوب' سٹوکر کی خیریت دریافت کرنے لگا۔

"یہ فلو بہت ہی ظالم شے ہے۔" اس نے تبصرہ کیا۔ "انسان کو توڑ کر رکھ دیتا ہے۔ پچھلے موسم سرما میں اس نے مجھے بھی جکڑ لیا تھا اور پھر پورا گھر اس کی لپیٹ میں آ گیا۔"

میں نے انہیں کافی پیش کی اور سٹیلا کے ساتھ پیش آنے والے المناک واقعے سے آگاہ کیا۔

"یہ تو بہت برا ہوا۔" فریڈ نے گہرے دکھ سے کہا۔ "سٹیلا پر بہت بھاری وقت پڑا ہے۔ ہم یقیناً" اس کے سٹور پر خصوصی نگاہ رکھیں گے۔ یہ علاقہ جرائم کے اعتبار سے ویسے بھی بدنام ہے۔" اس نے ایک گہری سانس خارج کی۔

"ہاں۔" بوب نے تائید میں سر ہلایا۔ "کچھ ہی دیر پہلے ہم نے دو لڑکوں کو چوری کرتے ہوئے پکڑا ہے۔ چودہ پندرہ سال کے ہوں گے۔ ان نونہالوں کو دیکھتا ہوں تو سینہ غم سے پھٹنے لگتا ہے۔ یہ ننھی ننھی کلیاں ہیں لیکن کھلنے سے پہلے ہی مرجھا رہی ہیں۔" وہ دکھ بھری نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ "ان نونہالوں نے خود کو اپنے ہاتھوں تباہ کر لیا ہے۔ ان کا کوئی مستقبل نہیں۔ انہیں تاریکی نے نگل لیا ہے۔ یہ بالکل ختم ہو چکے ہیں۔"

میں نے گردن موڑ کر کاؤنٹر کے دوسرے سرے پر نگاہ ڈالی' جہاں وہ لڑکی بیٹھی سوپ پی رہی تھی' لیکن وہ غائب ہو چکی تھی۔ شاید وہ ان دونوں پولیس والوں کو دیکھ کر بھاگ گئی تھی۔ مجھے بہت افسوس ہوا۔

ہم اچانک خاموش ہو گئے اور فضا میں خاموشی کی دبیز چادر سی تن گئی۔ ہر شخص اپنی جگہ کچھ سوچتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

اس دوران کسی بچے کے رونے کی آواز ہماری سماعت سے ٹکرانے لگی۔ وہ بڑی ہی دل خراش آواز میں زور زور سے رو رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"لگتا ہے اپارٹمنٹ میں کسی بچے کے دانت نکل رہے ہیں۔" بوب نے سر ہلا کر کہا۔

"کہیں یہ زہریلے نہ ہوں۔" فریڈ نے رائے زنی کی۔ "اگر یہ اسی طرح روتا رہا تو یقین کرو' جلد ہی کوئی ہمیں بذریعہ فون طلب کرے گا۔"

دونوں جلدی جلدی کافی حلق میں انڈیل کر رخصت ہو گئے۔ ان کے رخصت ہونے کے بعد بھی کچھ دیر تک گاہکوں کی آمدورفت کا سلسلہ جاری رہا' پھر میں نے سوچا کہ اب ریستوران بند کر دوں۔ لہٰذا برتن دھونے' فرش اور میزیں صاف کرنے کے بعد' ساری کھڑکیوں کا معائنہ کیا اور دروازہ مقفل کر کے نکل گئی۔ اس وقت رات کے تقریباً" نو بج رہے تھے۔

تاریکی انتہائی گہری تھی۔ پارکنگ لاٹ کی طرف بڑھتے ہوئے میں نے سوچا۔ کاش میں اپنے ساتھ ٹارچ لے آتی۔ اچانک مجھے اپنے سامنے ایک سایہ حرکت کرتا دکھائی دیا۔

"کون ہے؟" میں چیخی۔

کوئی جواب نہ ملا۔

"یہاں کون ہے؟" میں ایک بار پھر سہمی ہوئی آواز میں چیخی۔ میرا دل بری طرح دھڑکنے لگا تھا۔

اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہیں ملا۔ میں اپنی کار کی طرف بھاگی اور جلدی سے اس میں سوار ہو کر دروازہ مقفل کر لیا۔ پھر کار کی ہیڈ لائٹس روشن کر دیں۔ ان کے روشن ہوتے ہی مجھے ایک ہیولا سٹیلا کی دکان کی طرف بھاگتا ہوا نظر آیا۔

میں نے کار اسٹارٹ کر کے پارکنگ لاٹ سے نکالی اور اس کے پیچھے لگا دی۔ وہ ہیولا اب اسٹیلا کی دکان کے پاس جا کھڑا ہوا تھا اور اس کے شوکیس کے اندر جھانک رہا تھا۔ میں نے کار روک کر کھڑکی کا شیشہ نیچے کر دیا۔

"اے۔" میں نے اسے پکارا۔ وہ مڑا اور اب میں نے دیکھا کہ یہ وہی لڑکی تھی' جو شام میرے ریستوران میں آئی تھی۔

"تم کیا کر رہی ہو؟" میں نے پوچھا۔ "خیریت تو ہے۔"

کوئی جواب نہیں ملا۔

"کیا تم کسی پریشانی میں مبتلا ہو؟" میں نے پھر پوچھا۔

اسی لمحے اپارٹمنٹ بلڈنگ میں کسی بچے کے زور زور سے رونے کی آواز آنے لگی اور وہ یکبارگی چونک کر اچھل پڑی۔

دوسرے لوگوں نے بھی آواز سنی اور کسی نے ناگواری سے بڑبڑاتے ہوئے اپنی کھڑکی بند کر دی۔ میں نے ایک طویل سانس لی۔ اگر میرے کوئی بچہ ہوتا تو اس کے اس طرح مسلسل رونے کی آواز بھی میرے لئے کسی دل کش موسیقی سے کم نہ ہوتی۔ میں نے سوچا۔

"سنو۔" میں نے لڑکی کو مخاطب کیا۔ "اب بہتر ہے کہ تم یہاں سے بھاگ جاؤ۔"

مجھے کسی کے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دینے لگی اور میرا جملہ ادھورا رہ گیا۔ لڑکی تیزی سے میرے قریب آئی اور سہارے کے لئے کھڑکی تھام لی۔

"پلیز۔" وہ وحشت آمیز لہجے میں بولی۔ "مجھے تم سے ایک بات کہنی ہے۔"

بھاگتے قدموں کی آہٹ قریب آنے لگی تھی۔ میرے ذہن میں بیک وقت کئی درجن ہولناک واقعات کی تصویریں گھوم گئیں۔ "کہیں یہ لڑکی مجھے پھانسنے کے لئے اداکاری تو نہیں کر رہی؟" میں نے سوچا۔ "کہیں یہ مجرموں کی کسی ٹولی سے ملی ہوئی تو نہیں' جو آس پاس ہی کہیں موجود ہوں اور مجھے یا میرے سٹور کو لوٹنے کا ارادہ رکھتے ہوں؟" اس خیال کے آتے ہی میرا پیر غیرشعوری طور پر ایکسیلیٹر پر پہنچ گیا۔ لڑکی اچھل کر دور ہٹ گئی اور میں ایک زناٹے سے نکل گئی۔ پھر میں نے عقب نما آئینے میں دیکھا۔ وہ لڑکی اسی جگہ کھڑی تھی' پھر وہ مڑی اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ہوئی سٹیلا کی دکان کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ بالکل تنہا۔

"کیا میں پولیس کو طلب کروں؟" میں نے سوچا' پھر مجھے خیال آیا کہ بوب اور فریڈ کے گشت لگانے کا وقت ہو گیا ہے۔ وہ لوگ اس معاملے کو سنبھال لیں گے۔

☆○☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپارٹمنٹ پہنچی تو سٹوکر کو ایک کرسی پر براجمان اپنا انتظار کرتے ہوئے پایا۔ اس کے چہرے سے اضطراب جھلک رہا تھا۔

"آج تم نے دیر کر دی شیلا۔" وہ بولا۔ "میں بہت پریشان ہو چکا تھا۔"

میں نے اس کی پیشانی کو نرمی سے چھوا۔ پہلے کی نسبت ٹھنڈی ہو رہی تھی۔

"تم نے دوا پی؟" میں نے پوچھا۔ "تمہیں تو بستر پر ہونا چاہیے تھا۔"

"میں بہتر محسوس کر رہا ہوں۔" اس نے آگاہ کیا۔ "کل بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا۔ تم میرے کام کا بھی بوجھ سنبھالے ہوئے ہو۔ کل سے میں اپنے دھندے سے لگ جاؤں گا۔"

"اگر تم نے ایسا کیا تو دوبارہ ایک ہفتے کے لئے بستر پکڑ لو گے۔"

وہ منہ پھلا کر مجھے گھورنے لگا۔ اچانک مجھے شیلا کے بھائی اور اس کے بیوی بچوں کا خیال آ گیا اور میں نے اپنی باہیں اس کے گلے میں حمائل کر دیں۔

"میری جان! بس' تم اچھے ہو جاؤ پلیز۔" میں نے پیار سے کہا۔ "میں کام کر کے مر نہیں جاؤں گی۔"

"شیلا کیا بات ہے؟ تم کانپ رہی ہو۔"

میں ایک لمحے کے لئے ہچکچائی۔ میں اسے اس پراسرار لڑکی کے بارے میں کچھ بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی' جسے آج رات دیکھا تھا۔ ممکن ہے' وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ کچھ لوگ ریستوران میں ڈاکا ڈالنا چاہتے ہیں اور اس عالم میں خود بھاگ دوڑ کرنے لگے۔

"میں اسٹیلا کے بارے میں سوچ کر پریشان ہو رہی ہوں۔" میں نے کہا۔ "اس کا جوان بھائی مر گیا ہے اور وہ اپنے آبائی شہر چلی گئی ہے۔"

"اوہ۔" وہ گہرے کرب سے بولا۔ "ایسے لوگوں سے بچھڑنا سخت اذیت ناک ہوتا ہے جو دل میں رہتے ہوں۔"

اس کا لہجہ اس امر کی غمازی کر رہا تھا کہ اسے اپنے والدین یاد آ گئے تھے۔

"سٹوکر! میں تمہیں چاہتی ہوں۔" میں نے غم گساری کی۔ "بے حد چاہتی ہوں۔"

"شیلا! تمہارے سوا دنیا میں کیا رکھا ہے؟" اس نے محبت پاش لہجے میں کہا۔

اس رات وہ بہت سکون سے سویا۔ لیکن مجھے ساری رات بھیانک خواب آتے رہے۔ میں نے دیکھا' کوئی بچہ کسی خالی مکان میں بری طرح رو رہا ہے اور میں اس کی تلاش میں ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں بھاگتی پھر رہی ہوں۔ پھر بڑی بڑی خوفناک آنکھوں والی ایک لڑکی یہ چیختی ہوئی میرے پیچھے بھاگتی رہی کہ اسے مجھ سے ایک بات کہنی ہے۔

صبح بیدار ہوئی تو طبیعت بہت بوجھل تھی۔ تاہم میں نے سٹوکر کو کچھ نہیں بتایا۔ وہ کام پر جانے کے لئے بضد تھا' لیکن میں نے اسے سمجھا بجھا کر مزید ایک روز آرام کرنے پر آمادہ کر لیا۔

"لیکن اگر کام کا بوجھ بڑھ جائے تو مجھے فون کر دینا۔" اس نے تاکید کی۔

"اچھا اچھا۔" میں نے ہنس کر کہا۔ "تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم آرام کرو۔"

میں ریستوران پہنچتے ہی مصروف ہو گئی۔ بے خوابی کی کسلمندی اب بھی سوار تھی۔ میں جیسے تیسے صفائی کرنے لگی۔ اچانک ایک بار پھر بچے کے رونے کی آواز آنے لگی۔ اس میں غصہ نمایاں تھا لیکن پھر وہ اچانک ہی خاموش بھی ہو گیا۔

"لگتا ہے۔ ساری رات روتا رہا تھا اور اب تھک گیا ہے۔" میں نے سوچا کہ اس کی ماں بھی بے چاری تھک گئی ہو گی' پھر میں اس کے بارے میں بھول گئی کیونکہ ایک گاہک آ گیا تھا اور اس نے ناشتہ طلب کیا۔ وہ دن' پچھلے روز کی طرح مصروف نہیں گزرا۔ چنانچہ باب اور فریڈ جب کافی پینے آئے تو مجھے بیٹھ کر ان سے باتیں کرنے کا موقع مل گیا۔

میں نے انہیں اس لڑکی کے بارے میں بتایا' جس سے پچھلی رات ملی تھی۔ انہوں نے بھی اسے دیکھا تھا۔ "ہم نے اسے پکارا تھا' لیکن وہ بھاگ گئی۔" فریڈ نے آگاہ کیا۔ "لیکن وہ تنہا تھی' ہم نے اپنے اطمینان کے لئے اسے ادھر ادھر تلاش بھی کیا۔" اس نے شانے اچکائے۔ "ممکن ہے کوئی ---"

اچانک بچہ ایک بار پھر چیخ چیخ کر رونے لگا اور فریڈ کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ بچہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جیسے سخت اذیت میں ہو۔

بوب کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ "پچھلی رات ہمیں اس عمارت کے مکینوں کی طرف سے اس سلسلے میں کچھ شکایتیں موصول ہوئی تھیں۔" وہ بولا۔ "لیکن وہ ہم سے کس قسم کی توقع رکھتے ہیں؟ کیا اس کے منہ میں بندوق کی نال دے دیں؟"

بچے نے رونا بند کر دیا اور بوب کی شکنیں گہری ہو گئیں۔ "اس کے رونے کی آواز بہت عجیب محسوس ہوتی ہے۔" اس نے کہا۔ "ممکن ہے بیمار ہو۔"

وہ بیمار تھا یا نہیں' لیکن دن بھر وقفے وقفے سے روتا رہا۔ وہ جب بھی روتا' میں پریشان ہو جاتی۔ جی چاہتا کہ جا کر اسے ڈھونڈوں اور بہلاؤں۔ آخر اس کی ماں اسے گود میں لے کر لوریاں کیوں نہیں دیتی؟ ممکن ہے' وہ غریب خود تھکن اور نقاہت سے گہری نیند میں ڈوبی ہوئی ہو۔ بچہ واقعی اسے آرام کرنے کی مہلت نہ دیتا ہو گا۔

رات کے نو بجے آخری گاہکوں کی ٹولی کے روانہ ہونے کے بعد میں نے ریستوران بند کیا اور جب شیلا کی دکان کی سمت دیکھا تو وہاں مجھے ایک بار پھر کوئی سایہ حرکت کرتا ہوا دکھائی دیا۔ اسی وقت وہاں سے ایک کار گزری اور اس کی ہیڈ لائٹس نے اسے ایک سیکنڈ کے لئے اجاگر کر دیا۔ اگلے ہی لمحے میری ریڑھ کی ہڈی میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی۔

یہ وہی لڑکی تھی۔ وہ آج پھر بارش میں کھڑی بھیگ رہی تھی۔ آخر اسے کیا پریشانی لاحق تھی؟ وہ کوئی آوارہ گرد نہیں لگتی تھی۔ وہ کچھ چاہتی تھی لیکن کیا؟ میں پارکنگ لاٹ سے اپنی کار نکال کر لائی تو اس وقت بھی وہ وہیں شیلا کی دکان کے سامنے کھڑی تھی۔ میں نے کار روک کر کھڑکی کا شیشہ نیچے کر دیا۔

"اے لڑکی!" میں نے بلند آواز میں پکارا لیکن اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

"اے۔ تمہیں کیا پریشانی ہے؟" میں نے دوبارہ آواز دی۔

وہ آہستہ سے میری جانب مڑی اور میرا منہ غیر شعوری طور پر کھل گیا۔ اس کا چہرہ کفن کی مانند سفید ہو رہا تھا۔ لیکن اس کی آنکھیں تھیں' جن کی طرف دیکھتے ہوئے میری رگ و پے میں ایک کپکپی سی دوڑ گئی۔ میں نے زندگی میں آج تک کسی

کی آنکھوں سے اتنا گہرا کرب اور اتنی شدید مایوسی' ایسا حزن اور ایسا ملال جھلکتا نہیں دیکھا تھا۔ وہ میری کار کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کے دونوں بازو بالکل بے جان سے پہلوؤں میں گویا جھول رہے تھے۔

"کیا میں تمہاری کوئی مدد کر سکتی ہوں؟" میں نے انتہائی ملائم لہجے میں پوچھا۔ "کیا میں تمہیں کسی ایسے گرم اور آرام دہ گھر میں لے جا سکتی ہوں' جہاں تمہاری کوئی مدد ہو سکے۔"

"پلیز۔" اس کے لبوں میں جنبش ہوئی لیکن آواز بے حد مدھم تھی۔ میں بمشکل سن سکی۔ یکایک اس نے اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا اور بے آواز رونے لگی۔

میں بالکل سکتے کے عالم میں اسے بے اختیار گھورتی چلی گئی۔ میرے دل سے خوف نکل گیا تھا اور جذبہ ترحم نے اس کی جگہ لے لی تھی۔

"تمہارے حالات اتنے برے نہیں ہو سکتے۔" میں نے کہا۔ "تم نوجوان ہو' نئے سرے سے زندگی کا آغاز کر سکتی ہو۔" میں دروازہ کھول کر کار سے اتر گئی۔

اسی لمحے مجھے اگلے نکڑ سے کسی کار کے مڑنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے بھی آواز سنی اور جونہی وہ کار نظر آئی وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔ میں نے اس کے پیچھے جانا چاہا۔ پھر مڑ کر دیکھا۔ وہ پولیس کی گشتی کار تھی۔ میں نے ہاتھ لہرا کر اسے رکنے کا اشارہ کیا۔ بوب نے کار کی کھڑکی میں سے سر نکالا۔

"شیلا! تم اس بارش میں یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو؟"

میں نے اسے اس لڑکی کے بارے میں بتایا۔ اس نے سن کر سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے تم گھر جاؤ۔ ہم اسے دیکھتے ہیں۔" اس نے گردن موڑ کر فریڈ سے کچھ کہا اور کار سے اتر پڑا۔

"کیسی دھواں دھار بارش ہو رہی ہے۔" وہ غرایا۔

میں اپنی کار میں جا بیٹھی اور گھر روانہ ہو گئی' لیکن راستے بھر اس لڑکی کے بارے میں سوچتی رہی۔

"بوب اور فریڈ اس کا خیال رکھیں گے۔" میں نے سوچا۔ "وہ اسے ہیڈ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کوارٹر لے جائیں گے' گرم گرم کھانا کھلائیں گے اور سونے کے لئے بستر مہیا کریں گے۔ وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔"

ان تمام خیالات کے باوجود میں اپنے ذہن کی باگ اس کی طرف سے موڑنے میں ناکام رہی۔ گھر پہنچ کر میں نے اس کے بارے میں سٹوکر کو بتایا۔

"اف خدایا' سٹوکر! میں اس کی ان آنکھوں کو زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتی۔ ان سے اتنا گہرا کرب جھلک رہا تھا کہ تم اسے چھو کر محسوس کر سکتے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے --- اف خدایا' میں لفظوں میں بیان کرنے سے قاصر ہوں سٹوکر! میں۔ میں خود کو مجرم تصور کر رہی ہوں۔ میرا ضمیر مجھے ملامت کر رہا ہے۔ کاش' میں اس کے لئے کچھ کر سکتی۔ کاش۔"

"انسان کو کسی کی مدد کرنے کی کوشش ضرور کرنی چاہیے۔" اس نے نرم لہجے میں کہا۔ "اور پھر بھول جانا چاہیے۔ تم سے جو کچھ ہو سکتا تھا' تم نے کیا۔ ہو سکتا ہے' بعد میں کبھی ہم اس کی کوئی مدد کر سکیں۔"

اس رات مجھے بہت گہری نیند آئی' لیکن میرا ذہن بہرحال بے حد فعال تھا۔ میں نے خواب میں ایک بار پھر اس بچے کے رونے کی آواز سنی اور پھر مجھے وہ لڑکی نظر آئی۔ وہ میرے قریب آ رہی تھی اور قریب --- اور قریب --- اور پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ میری جانب بڑھا دیئے۔ میں نے دیکھا' وہ خون سے لتھڑے ہوئے تھے۔

میں یکبارگی چیخ کر بیدار ہو گئی۔ سٹوکر بھی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور مجھے چپ کرانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان اس سے اپنا وہ بھیانک خواب بیان کرنے لگی۔

"شش۔" وہ پیار سے میرے بالوں سے کھیلنے لگا۔ "شیلا! میری جان' تم ادھر بے حد محنت کرتی رہی ہو اور پھر شیلا کے بھائی کی موت نے تمہارے ذہن پر برا اثر ڈالا ہے۔" وہ بولا۔ "اس بچے کے دانت نکل رہے ہوں گے۔ تم نے محض ایک ڈراؤنا خواب دیکھا ہے۔ اب سو جاؤ۔"

اس رات میں نے دوبارہ کوئی خواب نہیں دیکھا' لیکن صبح میری کیفیت غیر

ہونے لگی۔ میں حد درجہ اضطراب اور بے چینی محسوس کر رہی تھی۔

سٹوکر نے مجھے گھر میں رکنے کی ہدایت کی اور خود ریستوران جانا چاہا لیکن میں نے اسے روک دیا۔ وہ جا کر سارا کام خود کرنے کی کوشش کرتا اور دوبارہ بیمار پڑ جاتا۔ چنانچہ میں اٹھ کر ناشتہ تیار کرنے لگی۔ جب کہ سٹوکر اخبار کا مطالعہ کرنے لگا۔ میں ناشتا تیار کرنے کی کوشش میں اورنج جوس گرا بیٹھی اور ایک انڈا بھی میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔

سٹوکر نے اخبار مجھے تھما دیا اور خود ناشتہ تیار کرنے لگا۔ "تم بس آرام سے لیٹ کر اخبار پڑھتی رہو۔"

میں اخبار کے صفحے پلٹنے لگی۔ اچانک مجھے ایک صفحے پر اس لڑکی کی تصویر نظر آئی۔ "یہ رہی۔ یہ رہی۔" میں چیخ اٹھی۔

"کون؟" سٹوکر تیزی سے میرے قریب آ گیا۔

میں نے اس تصویر کی جانب اشارہ کیا۔ سٹوکر نے اس تصویر کو بغور دیکھا اور اس کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہو گئیں۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ پچھلی رات تم اس لڑکی سے ملی تھیں؟" اس نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔ "یہاں تو لکھا ہے کہ ایلس ہیروئن کی زائد خوراک کھانے سے چل بسی۔ وہ تو کل سہ پہر جنرل ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی مر چکی تھی۔"

میرے کانوں میں جیسے بے شمار مکھیاں بھنبھنانے لگیں اور ذہن ایک لمحے کے لئے شدت سے چکرا کر رہ گیا۔ میں نے سٹوکر کا بازو تھام لیا۔

"سٹوکر' میں نے اسے دیکھا تھا۔ پچھلی رات دیکھا تھا۔" میں نے چیخ کر کہا۔

"بات بھی کی تھی۔"

"شیلا!" سٹوکر کی آواز خوف سے کپکپائی۔ "تم یہیں ٹھہرو۔ میں ڈاکٹر کو طلب کرتا ہوں۔"

"نہیں۔" میں دوبارہ چیخی۔ "نہیں سٹوکر نہیں۔ میں بیمار نہیں ہوں' مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔ میں نے واقعی اسے دیکھا تھا۔ وہ مجھ سے کچھ کہنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ مدد چاہتی تھی۔" اچانک میرے ذہن میں خیال کا ایک کوندا سا لپکا۔ "اوہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سٹوکر! ہمیں فوراً" وہاں پہنچنا چاہیے۔ فوراً"۔"

سٹوکر ہچکچایا" یہ سمجھا کہ میرا دماغ چل گیا ہے' لیکن اس نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ میں نے انتہائی تیزی سے کپڑے بدلے اور باہر بھاگی۔ سٹوکر نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور میں اس کی بغلی نشست پر بیٹھ گئی۔

میری حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔ کبھی میرا جسم گرم ہو جاتا اور کبھی سرد۔ دل کی دھڑکنیں بے ترتیب تھیں۔

"کیا تم دیکھ نہیں رہے؟" میں نے انتہائی بے تابی سے پوچھا۔ "اسے واپس آنا تھا اور کسی کو اپنے بچے کے بارے میں بتانا تھا۔"

"ہاں جانی! ہاں بے شک۔" سٹوکر نے جواب دیا۔ اس کی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔

گولڈن سٹریٹ پہنچ کر کار کے رکنے سے پہلے ہی میں کود کر اتر گئی اور سٹیلا کی دکان کی طرف بھاگی۔

"سٹوکر ہمیں اس دروازے کو توڑنا پڑے گا۔" میں نے دروازے کو زور زور سے ہلاتے ہوئے چیخ کر کہا۔ "اب بچہ رو نہیں رہا ہے۔ پچھلی رات میں بھی نہیں رو رہا تھا۔"

میں نے ایک پتھر اٹھایا اور شوکیس کی طرف پھینکا۔ ایک چھناکا ہوا اور اس کے ٹکڑے فٹ پاتھ پر بکھر گئے۔ میں نے اس کے سوراخ میں ہاتھ ڈال کر چٹخنی کھولنی چاہی لیکن میرا ہاتھ کٹ گیا۔

"شیلا!" سٹوکر چیخ کر تیزی سے میری جانب بڑھا۔ "غضب خدا کا۔" اس نے مجھے ایک طرف دھکیل کر خود احتیاط سے چٹخنی کھولی اور دکان میں داخل ہو کر دروازہ کھول دیا۔

میں دکان میں داخل ہو گئی۔

"اب؟" اس نے پوچھا۔

میں کھڑی ہو کر کچھ سننے کی کوشش کرنے لگی' لیکن دکان کے اندر مکمل خاموشی تھی۔

"کیا مجھے پہنچنے میں دیر ہو گئی؟" میں نے دھڑکتے دل سے سوچا اور میری حالت غیر ہونے لگی۔ میں پاگلوں کی طرح بچے کو کاؤنٹر اور ریک کے نیچے ڈھونڈنے لگی۔

"سٹوکر اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرو۔" میں چیخی۔ "ریسٹ روم میں دیکھو۔"

ریسٹ روم میں --- پیچھے۔"

"اچھا اچھا۔" اس نے کہا اور تیزی سے بڑھ کر سٹیلا کے مختصر سے ریسٹ روم کا دروازہ کھول دیا۔

اندر تاریکی تھی۔ اس نے روشنی کا سوئچ آن کر دیا اور پھر سکتے کے عالم میں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

"میرے خدا۔" اس کے منہ سے ایک کانپتی ہوئی سرگوشی نکلی اور وہ گھٹنوں کے بل فرش پر بیٹھ گیا۔

میں بھاگ کر اس کے قریب پہنچی اور اس کے شانوں کے اوپر سے دیکھنے لگی۔ اگلے ہی لمحے میرا دل اچھل کر حلق میں آ رہا۔ وہ بچہ ایک میلے سے کمبل پر دراز تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ مردہ لگ رہا تھا۔ سٹوکر نے اسے نرمی سے چھوا اور اس نے کراہ کر ہولے سے جنبش کی۔

سٹوکر میری طرف مڑا۔ اس کا چہرہ یوں سفید پڑ گیا تھا۔ گویا سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ اس کی آنکھیں حیرت سے ابلی پڑ رہی تھیں۔

"ایمبولینس طلب کرو۔ جلدی۔" اس نے تیز سرگوشی کی اور نیم مردہ شیر خوار بچے کو آہستہ سے اٹھا کر اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔

میں باہر بھاگی اور بذریعہ فون ایک ایمبولینس کو طلب کر لیا۔ چند ہی لمحوں میں ایمبولینس آ گئی اور بچے کو لے کر اسی وقت روانہ ہو گئی۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد' ایک پولیس آفیسر وارد ہوا اور ہم سے سوالات کرنے لگا۔

میں نے شروع سے لے کر آخر تک ساری بات اس کے گوش گزار کر دی۔ اس دوران وہ مسلسل مجھے مشکوک نظروں سے گھورتا رہا اور پھر رخصت ہو گیا۔

"میرے خدا!" اس کے رخصت ہونے کے بعد' سٹوکر نے سرگوشی کی۔

"تمہیں کیسے معلوم ہو گیا تھا؟" وہ خاموش ہو کر تاسف سے اپنا سر ہلانے لگا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"معصوم سی جان۔ خدا اسے نئی زندگی عطا کردے۔"

کہتے ہیں' بچے بہت سخت جان ہوتے ہیں اور ان میں قوت برداشت بہت ہوتی ہے اور یہ بات یقیناً" درست ہے۔ ایلس کے بچے نے یہ ثابت کر دیا تھا۔ ہم ہر روز ہسپتال فون کر کے اس کی خیریت معلوم کرتے رہے۔

چند روز کے بعد' ہمیں بتایا گیا کہ اب وہ خطرے سے باہر ہے۔ دیگر تفصیل ہمیں بوب اور فریڈ کی زبانی معلوم ہوئی۔

"ایلس بمشکل سولہ سال کی تھی۔" فریڈ نے ہمیں بتایا۔ "لیکن آوارہ گردی' چوری اور منشیات کی عادی تھی۔ اس کا بچہ کسی ہسپتال میں تولد نہیں ہوا تھا۔ لہٰذا اس کی پیدائش کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ میرے خیال میں وہ خود اس کی پرورش کرنا چاہتی تھی' لیکن جب اس نے دیکھا کہ یہ اس کے بس سے باہر ہے تو اسے چھوڑ گئی۔ عام طور سے ایسی مائیں اپنے بچے کو کسی ایسی جگہ چھوڑ جاتی ہیں' جہاں سے کوئی انہیں آسانی سے اٹھا کر لے جائے۔"

"مثلاً" کسی واش روم میں۔" جیک بول پڑا۔ "اگر سٹیلا کو اچانک جانا نہ پڑتا تو یہ بچہ اسے مل جاتا۔"

"ہاں' ظاہر ہے۔" بوب نے تسلیم کیا۔ "ایلس اسے چھوڑ تو گئی تھی لیکن ایک ماں ہونے کے ناطے وہ اس کے بارے میں بے حد فکر مند تھی۔ اس نے اس دوران منشیات کا استعمال بھی ترک کر دیا تھا۔ کیونکہ بچے کے خون میں ہیروئن کے اثرات بالکل نہیں پائے گئے۔ وہ دیکھنے آئی تھی کہ آیا اس کا بچہ محفوظ ہے یا نہیں لیکن جب اس نے دکان بند دیکھی اور اندر سے بچے کے رونے کی آواز سنی تو مجھے خوب احساس ہے کہ اس کے دل پر کیا گزری ہو گی' لیکن خوف کے باعث وہ کسی سے کچھ کہہ نہ سکی۔ تاہم وہ اپنے نومولود کو یوں چھوڑ نہیں سکتی تھی۔"

"بے شک نہیں چھوڑ سکتی تھی۔" میں نے دل میں کہا۔ "مرنے کے بعد بھی نہیں۔"

"اب بچے کا کیا بنے گا؟" میں پوچھ بیٹھی۔

"ریاست اس کی پرورش کرے گی۔" بوب نے جواب دیا۔ "وہ لوگ اسے

کہیں رکھیں گے۔"

میں سٹوکر سے نگاہیں چرانے لگی اور دل ہی دل میں دعا مانگنے لگی۔ میری یہ دعا قبول ہوئی۔

"ممکن ہے' وہ لوگ بچے کو ہمارے حوالے کر دیں۔" سٹوکر نے جھجکتے ہوئے کہا۔ پھر اس نے اپنا گلا کھنکار کر صاف کیا۔ "میرا مطلب ہے' بچہ ہمیں ملا ہے۔ شاید خدا کو یہی منظور تھا کہ وہ ہمیں ملے اور ہم اس کی پرورش کریں۔"

☆○☆

اس واقعے کو کئی مہینے بیت گئے۔ وہ نومولود اب ہمارے پاس ہے۔ ہم نے اس کا نام سٹرینجر رکھا ہے۔ اس کی آنکھیں بہت چمکیلی ہیں۔ اب وہ چھ ماہ کا ہو گیا ہے اور اسے دیکھ کر یہ یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ کسی اذیت سے گزرا ہے۔ اب میں جب اسے اور سٹوکر کو دیکھتی ہوں تو مجھے یقین نہیں آتا کہ وہی سٹوکر ہے' جو کسی کے بچے کو گود لینے کا اتنا مخالف تھا۔

"لگتا ہے' یہ ہماری قسمت میں لکھا تھا۔" ایک روز اس نے الجھن آمیز لہجے میں کہا۔ "جب میں نے پہلی بار اسے فرش پر نیم جان حالت میں دیکھا تھا تو بے اختیار میرے دل سے یہی دعا نکلی کہ اے میرے خدا۔ اس کی جان بچا لے۔ اس کی زندگی اچانک میرے لئے بے حد اہمیت اختیار کر گئی تھی اور میں یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا کہ میں اس سے اتنی ہی محبت کر سکتا ہوں گویا یہ ہمارا اپنا خون ہو' اپنا جگر گوشہ ہو۔"

بہت سی باتیں اب تک میرے لئے معمہ بنی ہوئی ہیں اور میں ان کی وضاحت سے قاصر ہوں۔ مثلاً" اس بارانی رات ایلس کا نظر آنا۔ ہو سکتا ہے۔ وہ محض میرا فریب نظر ہو لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ منجانب اللہ تھا۔ تاہم ایک بات میں اچھی طرح جانتی ہوں' یہ کہ بچے کے لئے ہماری محبت کی تڑپ نے ہمیں اس بچے سے نواز دیا' اگر کسی روز سٹرینجر مجھ سے اپنی اصلی ماں کے بارے میں پوچھے گا تو میں اسے صاف صاف بتا دوں گی کہ اس کی ماں مر چکی ہے اور یہ کہ وہ اس سے بے پناہ محبت کرتی تھی اور یہ سچ بھی ہے۔ ایلس کو اپنے جگر گوشے سے بے انتہا محبت تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگرچہ وہ اسے چھوڑ گئی تھی۔ پھر بھی وہ اس کے پاس لوٹ آئی تھی۔ اس کی محبت اتنی شدید تھی کہ اس روح کو اس وقت تک چین نہ آیا' جب تک اسے یہ یقین نہیں ہو گیا کہ اس کا جگر گوشہ بالکل محفوظ و مامون ہے۔

کبھی کبھی میں حیرت سے سوچتی ہوں' کیا ایلس کو یہ معلوم تھا کہ میں اس کے بچے کے لئے ایک بہترین ماں ثابت ہو سکتی ہوں؟ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ہاں' یہی بات تھی۔ میں خدا سے دعا کرتی ہوں کہ اب اس کی روح کو سکون نصیب ہو۔ اس کی زندگی اگرچہ بہت مختصر تھی لیکن رائیگاں نہیں گئی۔ وہ اپنے پیچھے ایک بیش بہا تحفہ چھوڑ گئی ہے اور وہ ہے میرا اور سٹوکر کا بیٹا--- سٹرنجر۔

☆☆☆

چڑیل محبوبہ

☆.....وہ مرنے کے بعد لوٹ آئی اور سیدھی اپنے محبوب کے پاس پہنچی۔

☆.....اپنی مُردہ محبوبہ کو زندہ دیکھ کر اس کا محبوب غش کھا گیا۔

☆.....وہ اُسے کسی دوسری عورت کے ساتھ برداشت نہ کرتی تھی۔

☆.....ایک مُردہ محبوبہ جب چُڑیل بن کر لوٹی تو زندہ محبوب کی زندگی جہنم بن گئی۔

تحیّر اور دہشت کا خوفناک امتزاج.....پُراسرار کہانیوں کا مجموعہ

قیمت:00-100 روپے

فیضان اکیڈمی راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور

سکھیا کی بیٹی

رات کے دس بج رہے تھے۔ اینٹ بھٹے کے تمام مزدور کھانے کے بعد سونے چلے گئے تھے۔ بھٹہ مالک کیلاش بابو بھی جا کر اپنے بستر پر بیٹھ گئے۔ پھر ایک سگریٹ سلگا کر جیسے ہی تیلی پھینکی ایک لڑکی کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر وہ لرز کر رہ گئے۔ سگریٹ چھوٹ کر فرش پر گر پڑا اور سردی کے باوجود ان کا سارا جسم پسینے سے بھیگ گیا۔

لڑکی نے قریب آ کر کراہتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے پہچان رہے ہیں نا کیلاش بابو؟"

کیلاش بابو کے منہ سے آواز نہ نکلی لیکن انہوں نے سہمے ہوئے انداز میں نفی میں سر ہلا دیا۔

"ذرا غور سے میری طرف دیکھ کر بتائیے' ہو سکتا ہے کہ آپ کی نظروں سے میرا وجود غائب ہو گیا ہو' کافی دن بیت گئے ہیں نا ایک دوسرے سے جدا ہوئے... دیکھئے۔"

پھر بھی کیلاش بابو بے حس و حرکت بیٹھے رہے تو لڑکی نے گہری سانس لے کر کہا۔

"آج تو جا رہی ہوں' لیکن میں پھر آؤں گی۔ تب تک آپ اپنے دماغ پر زور ڈالیے' ممکن ہے بھولی باتیں یاد آ جائیں۔"

لڑکی چلی گئی' تب بھی کیلاش بابو کا دل دھڑکتا رہا۔ وہ چھپرا کے رہنے والے تھے' برسوں پہلے وہ ڈبروگڑھ کے چائے کے باغات میں ملازمت کرتے تھے۔ انہی کا ایک ساتھی نریش تھا۔ دونوں ایک ہی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ اس لیے ان میں بے حد گہری دوستی تھی پھر اچانک ایسے حالات پیدا ہوئے کہ کیلاش بابو کو ملازمت چھوڑ کر گھر لوٹ جانا پڑا۔ انہی کے ساتھ نریش بھی گھر چلا گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دس سال تک گھر گرہستی سنبھالنے کے بعد اچانک کیلاش بابو کے دل میں اینٹ کا بھٹہ چلانے کا خیال پیدا ہوا تو انہوں نے نریش سے مشورہ کر کے سکیم تیار کر ڈالی اور آسام جا پہنچے۔ پہلے ڈبروگڑھ چائے کے باغات میں جہاں نوکری کرتے تھے وہاں سے تقریباً" بیس کلومیٹر دور رنوا میں انہوں نے اینٹ کا بھٹہ شروع کر دیا۔

کام کاج اچھا چل رہا تھا کہ اچانک ایک حادثہ پیش آگیا۔ وہ لڑکی...

دوسری رات کیلاش بابو سونے لگے تو دیکھا کہ رات والی لڑکی بستر پر چت پڑی ہوئی ہے۔ کیلاش بابو کو دیکھتے ہی وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ مسکرا کر بولی۔

"آ گئے کیلاش بابو۔"

"ہاں۔" کیلاش بابو کا چہرہ فق ہو گیا۔ "لیکن تم میرے پیچھے کیوں پڑی ہو؟"

"اس لیے کہ آپ کی کھوئی ہوئی یادداشت واپس لا سکوں۔"

"لیکن میری یادداشت کمزور نہیں ہے۔ میں سچ مچ تمہیں نہیں جانتا' میں تو پہلی بار آسام آیا ہوں' ممکن ہے مجھ سے ملتا جلتا تمہارا کوئی شناسا رہا ہو۔"

"ایسا مت کہئے کیلاش بابو۔ جھوٹ بول کر آپ میری آنکھوں کو دھوکہ نہیں دے سکتے۔ میں دس برس سے بھٹک رہی ہوں' صرف آپ کے لیے۔ اس امید میں کہ آپ کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں ضرور ملیں گے اور مجھے دیکھتے ہی پہچان لیں گے لیکن آپ تو..."

ایک لمحہ کے لیے وہ رکی پھر گہری سانس لے کر بولی۔

"مجھے آپ پر ترس آ رہا ہے جو آپ اپنے جال میں خود الجھتے جا رہے ہیں۔"

کیلاش بابو نے آنکھیں نیچی کر لیں اور بغیر کچھ بولے سکتے میں بیٹھے رہے۔ آخر اس لڑکی ہی نے دوبارہ خاموشی کو توڑا۔

"ٹھیک ہے میں جا رہی ہوں' لیکن آپ خوب اچھی طرح سوچ لیجئے' اگر آپ نے پہچان لیا تو کوئی بات نہیں لیکن پہچان کر بھی انجان بننے کی کوشش کی تو حالات نازک ہو جائیں گے۔ اچھا۔"

لڑکی باہر چلی گئی۔ اس وقت کسی کام سے نریش آیا تو کیلاش بابو کی حالت دیکھ

کر گھبرا گیا۔

"کیا بات ہے مالک' کڑاکے کی سردی کے باوجود آپ کا چہرہ پسینے سے بھیگ رہا ہے۔ آپ اتنے پریشان اور گھبرائے ہوئے کیوں ہیں؟"

کیلاش بابو نے ہمت کر کے اٹکتے ہوئے اس لڑکی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ ساری بات سن کر نریش بھی کپکپا کر رہ گیا۔ کیلاش بابو بولے۔

"کچھ کرو نریش' نہیں تو میری ناک کٹ جائے گی' میں تباہ ہو جاؤں گا۔ ابھی تک میں اسے پہچاننے سے انکار کرتا رہا ہوں لیکن..."

"آپ فکر نہ کریں' میں اس سے مل کر کوئی ترکیب سوچوں گا۔"

دوسرے دن رات دس بجے کیلاش بابو نے نریش سے کہا۔

"میں تمہارے بستر پر سو جاتا ہوں تم میرے بستر پر چلے جاؤ۔ اگر وہ آئے تو کہہ دینا کہ میں ڈبروگڑھ گیا ہوں۔ ساتھ ہی سمجھا بجھا کر دھمکی بھی دے دینا تاکہ وہ دوبارہ آنے کی ہمت نہ کرے۔"

"ٹھیک ہے۔"

لیکن یہ چال بھی بیکار گئی۔ کیلاش بابو نریش کے بستر پر لیٹے ہی تھے کہ وہ لڑکی وہاں آ پہنچی اور تیز لہجے میں بولی۔

"اب جگہ بھی بدلنی شروع کر دی ہے کیلاش بابو۔"

"سنو۔ اگر اپنی بھلائی چاہتی ہو تو چپ چاپ یہاں سے چلی جاؤ ورنہ مجھے کوئی اور طریقہ سوچنا پڑے گا۔ آج تک میں تمہاری بکواس برداشت کرتا رہا ہوں لیکن اب نہیں کروں گا' یہ میری آخری وارننگ ہے۔ فوراً" یہاں سے چلتی بنو ورنہ ابھی اس کمرے میں بند کر دوں گا اور چوری لا الزام لگا کر جیل بھجوا دوں گا۔"

لڑکی خوفزدہ ہونے کی بجائے تلملا کر رہ گئی۔ اچانک اس کی آنکھیں انگاروں کی مانند دہک اٹھیں۔

"اب تم رحم کے قابل نہیں رہے اور رحم کروں گی بھی نہیں' اب ایک ہی آرزو ہے کہ تمہارے ساتھ ساتھ تمہارے پورے خاندان کا نشان مٹا کر اپنی تڑپ کو سکون بخشوں' اسی لیے میں دس سال سے بھٹک رہی ہوں' ہر لمحہ تمہیں ہی تلاش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرتے کرتے آنکھیں پتھرا گئی ہیں لیکن اب تمہیں نہیں چھوڑوں گی اور تم جیسے بے رحم شخص کا زندہ رہنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔"

اور پھر یکایک وہ کیلاش بابو پر ٹوٹ پڑی۔ کیلاش بابو اس کی گرفت سے بچنے کی ناکام کوشش کرنے لگے۔

اچانک نریش کے کانوں میں گھوں گھوں کی آواز آئی تو وہ گھبرا کر کیلاش بابو کے کمرے کی طرف بھاگا۔ کئی مزدور بھی وہاں پہنچ گئے۔ کیلاش بابو بے ہوش زمین پر پڑے ہوئے تھے اور ان کا چہرہ خوف سے پیلا ہو رہا تھا۔

نریش نے فوراً" ڈاکٹر کو بلایا تو وہ بھی کچھ نہیں سمجھ سکا اور بیماری دور کرنے کی ناکام کوشش کے بعد لوٹ گیا۔ آخر کیلاش بابو کو ایک ٹرک میں لٹا کر نریش نے انہیں ڈبروگڑھ کے میڈیکل کالج ہسپتال میں ایڈمٹ کرا دیا۔

دوسرے دن نریش نے کیلاش بابو کے گھر ٹیلی گرام کر دیا۔ اطلاع ملتے ہی کیلاش بابو کے چھوٹے بھائی رام ناتھ اپنی بھابی اور بارہ سالہ بھتیجے کے ساتھ ڈبروگڑھ پہنچ گئے۔

ہسپتال میں اپنے شوہر کی حالت دیکھ کر کیلاش بابو کی بیوی بری طرح رونے لگی۔ پندرہ دن تک ان کا علاج ہوتا رہا لیکن وہ ایک بار بھی ہوش میں نہ آ سکے۔ سولہویں دن وہ اس دنیا سے ہی کوچ کر گئے۔ ان کی بیوی دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ اکلوتا بھائی رام ناتھ بے ہوش ہو گیا۔ اس کے دانت بھنچ گئے اور ہاتھ پاؤں اینٹھنے لگے، بہت مشکل سے ہوش میں لایا جا سکا۔

پانچویں دن رام ناتھ بھابی اور بھتیجے کے ساتھ گاؤں لوٹ گیا۔ وہاں بھائی کی آخری رسومات ادا کر کے وہ بھٹے کا کام دیکھنے پھر آسام آیا۔

ٹرین سے اتر کر وہ بس میں سوار ہوا۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ رنوا پہنچا۔ تب تک گہری تاریکی پھیل چکی تھی۔

بس سے اتر کر چند لمحوں تک آرام کرنے کے بعد رام ناتھ نے بیگ اٹھایا اور تیزی سے اتر کی جانب چل دیا۔ بستی سے آگے نکلتے ہی چائے کا باغ شروع ہو گیا۔

چلتے چلتے اچانک ٹھوکر لگی اور رام ناتھ منہ کے بل نیچے گر پڑا۔ اس کے ساتھ ہی ایک آواز سن کر رام ناتھ حیران رہ گیا۔ جلدی سے اٹھ کر ہاتھ پاؤں جھاڑتے ہوئے اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو ایک سریلی آواز گونجی۔

"کیا تلاش کر رہے ہو؟"

"میرا بیگ۔"

"یہ لیجئے، جھاڑی میں پڑا تھا۔"

رام ناتھ نے بیگ لیتے ہوئے اس لڑکی کی طرف دیکھا۔ "تم کون ہو؟"

لڑکی مسکرانے لگی۔ "آپ مجھے نہیں پہچان رہے، تعجب کی بات ہے، کچھ دنوں قبل ہی تو ڈبروگڑھ ہسپتال میں ملاقات ہوئی تھی۔ جب آپ کے بھائی کی موت ہوئی تھی۔"

"لیکن مجھے تو بالکل یاد نہیں آ رہا ہے۔"

"پر مجھے تو اچھی طرح یاد ہے۔ خیر چھوڑیے۔ بھٹے پر جا رہے ہیں۔"

"ہاں لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

"ایسے ہی۔" کہہ کر لڑکی ایک لمحے کے لیے عجیب نظروں سے رام ناتھ کی طرف تکتی رہی پھر بولی۔

"چلئے میں آپ کو پہنچا دوں گی۔"

"نہیں نہیں، میں چلا جاؤں گا، آپ کو تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ جائیے۔ پھر ملاقات ہو گی۔"

تیسرے دن اس لڑکی سے پھر اس کی ملاقات ہو گئی۔ رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ رام ناتھ نے ایک لوٹے میں پانی لیا اور جنگل کی طرف رفع حاجت کے لیے چلا۔ باغ کے راستے میں کچھ دور جانے پر پیچھے سے آواز آئی۔

"رام ناتھ بابو۔"

رام ناتھ نے پیچھے گھوم کر دیکھا تو وہی لڑکی تھی۔ اچانک اس نے پوچھ لیا۔

"ادھر کہاں آئی تھیں تم؟"

"گھومنے۔ کھلی ہوا میں سیر کرنا مجھے پسند ہے۔ پھر آپ سے ملنے کو دل بھی چاہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہا تھا اس لیے ادھر چلی آئی۔" لڑکی نے مسکرا کر کہا۔

"لیکن سیر کرنے کے لیے یہ وقت تو مناسب نہیں ہے۔ ویسے تمہارا نام کیا ہے؟" رام ناتھ نے پوچھا۔

"شانتا۔"

"کیا کرتی ہو؟"

"باغ میں کام کرتی ہوں۔"

"اکیلے گھومتے ڈر نہیں لگتا۔"

"ڈر کس بات کا؟ پھر آپ کے پرکشش چہرے نے مجھے اور نڈر بنا دیا ہے۔ تبھی تو اس دن جب آپ گاؤں سے آ رہے تھے تو بستی سے نکل کر ملاقات کرنے چلی آئی تھی۔"

"دراصل بھائی کی غیر قدرتی موت سے دل بہت بے چین رہتا ہے' اس لیے کبھی کبھی جانا پہچانا چہرہ بھی اجنبی لگتا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ لیکن اب تو اپنی یادداشت میں مجھے بسائے رکھیں گے نا۔" کہتے کہتے شانتا نے دھرم ناتھ کے بازو پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

لڑکی کے لمس سے رام ناتھ بے خود سا ہو گیا۔ اس نے خمار آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تو لڑکی جلدی سے بولی۔

"چلو تول گھر پر آرام سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

"لیکن بھٹے پر لوگ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ آج تو جائیے کل میں اسی وقت' یہیں آپ کا انتظار کروں گی۔"

اس رات رام ناتھ کو نیند نہیں آ سکی۔ بار بار شانتا اس کے سامنے آ کھڑی ہوتی۔ دوسرے دن اس نے چائے کے باغات میں اسے تلاش کیا لیکن وہ اسے کہیں نہیں ملی۔ اسی روز وہ وقت مقررہ پر پہنچا تو شانتا اس کی راہ تک رہی تھی۔

"تم آ گئے۔"

"ہاں' لیکن تم ہو کہاں' سامنے تو آؤ۔" رام ناتھ ادھر ادھر دیکھ کر بولا۔

وہ بولی۔ "میں تول گھر میں جا رہی ہوں' وہیں آ جائیے' پھر آرام سے باتیں کریں گے۔"

تول گھر پہنچتے ہی شانتا اس کے سامنے آ گئی۔

رام ناتھ بولا۔ "میں نے تمہیں آج چائے کے باغوں میں بہت ڈھونڈا تھا۔"

شانتا ہنس کر بولی۔ "مجھے دن میں تلاش کرنے کی کوشش مت کیجئے گا' رات میں آپ سے خود ہی مل لیا کروں گی۔"

رام ناتھ نے بے چین ہو کر شانتا کا ہاتھ تھام لیا اور بولا۔ "ہمارے تصورات ایک جیسے ہیں اس لیے بہتر زندگی اور مستقبل کی تعمیر میں کوئی دشواری نہیں ہو گی۔ میں اس کے لیے بے قرار ہوں۔"

رام ناتھ اس کے ساتھ ہی لپٹ گیا اور ہوس کی آگ میں جل کر بہکنے لگا۔

ادھر جب رام ناتھ کو گئے ہوئے تین گھنٹے بیت گئے تو سب کو فکر ہونے لگی۔ آخر نریش ایک مزدور شنکر کو لے کر اس تلاش کرنے نکل پڑا۔ تقریباً" ڈیڑھ کلو میٹر بعد رام ناتھ کو تول گھر کے فرش پر پڑا دیکھ کر نریش اور شنکر چونک پڑے۔ گھبرا کر انہوں نے اسے جھنجوڑا۔

"مالک۔ رام ناتھ بابو۔"

رام ناتھ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ نریش اور شنکر پر نگاہ پڑتے ہی اس نے بے تابی سے ادھر ادھر دیکھا تو شانتا کو نہ پا کر اسے کچھ اطمینان ہوا۔ جلدی سے بولا۔

"دراصل گھومتے گھومتے یہاں آ کر ایک لمحے کے لیے بیٹھا تو جانے کب آنکھ لگ گئی۔"

رام ناتھ پر گہری نگاہ ڈال کر نریش نے کہا۔

"ویران اور اجنبی مقام پر اس طرح نہیں آنا چاہئے' کل سے مت آیئے گا۔"

دوسری رات تقریباً" دس بجے رام ناتھ کھانا کھانے کے بعد سونے کے لیے اپنے کمرے میں پہنچا تو اندر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ حالانکہ کچھ دیر پہلے وہاں لالٹین اس نے جلائی تھی۔ اس نے دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"نریش' ذرا ماچس دینا۔ لالٹین بجھ گئی ہے۔"

اسی وقت اندر سے لڑکی کی آواز آئی۔ "رہنے دیجئے رام ناتھ بابو' میں نے ہی لالٹین بجھائی ہے۔"

"کون شانتا--- تم۔" رام ناتھ خوش ہو گیا۔

"ہاں' بڑی دیر آپ کا انتظار کرتی رہی' جب نہیں رہا گیا تو ملنے کے لیے یہاں آنا پڑا۔"

دروازہ بند کر کے رام ناتھ اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا بستر پر پہنچا اور بولا۔

"کل رات تم نے جگایا بھی نہیں' تلاش کرتے کرتے نریش وہاں پہنچ گیا۔"

"اسی لیے آج نہیں آئے' ویسے اب میں ہی روز یہاں آ جایا کروں گی۔" شانتا نے اس کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا۔

اس کے بعد یہ روز کا معمول ہو گیا۔ بھٹے پر سناٹا ہوتے ہی شانتا آ جاتی اور رام ناتھ ایک دوست کے بہانے اس کا کھانا رکھ کر انتظار کرتا رہتا۔ شانتا آتی اور کھانا کھاتی اور پھر دونوں ہوس کے جنگل میں گم ہو جاتے۔

اس طرح چار ماہ بیت گئے۔

اس دوران رام ناتھ بہت کمزور ہو گیا۔ پھر اس نے محسوس کیا کہ اس طرح اب ہر روز شانتا سے ملنا ٹھیک نہیں ہے۔ لیکن شانتا روز آتی رہی۔ کہتی تھی کہ اب تمہارے بغیر ایک رات بھی نہیں رہ سکتی۔

کچھ دن اور بیت گئے' رام ناتھ پہلے سے بھی زیادہ کمزوری محسوس کرنے لگا۔ مجبور ہو کر رام ناتھ شانتا سے نجات حاصل کرنے کے بارے میں سوچنے لگا۔

ایک دن اس نے نریش سے کہا۔ "میں ایک ضروری کام سے ڈبروگڑھ جا رہا ہوں۔ دو چار روز میں لوٹ آؤں گا۔"

ڈبروگڑھ میں واقع کالی پاڑی محلے میں رام ناتھ کا ایک دوست رہتا تھا۔ اس کے پاس پہنچ کر رام ناتھ نے کھانا کھایا اور وہیں سو گیا لیکن نصف رات کو رفع حاجت کے لیے باہر نکلا تو بے ساختہ چونک پڑا۔ سامنے شانتا کھڑی تھی۔ طنزیہ لہجے میں بولی۔

"تم مجھ سے کہے بغیر چلے آئے۔"

"ہاں اچانک ایک ضروری کام آ پڑا تھا۔ اس لیے بتائے بغیر چلا آیا لیکن تم یہاں کیسے آ گئیں۔ میرا پتہ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔"

"بس ایسے ہی۔" لاپرواہی سے شانے جھٹک کر شانتا نے اندر داخل ہونا چاہا تو رام ناتھ نے روکتے ہوئے کہا۔

"اندر مت جاؤ۔ وہاں میرا دوست سو رہا ہے۔"

"تب تم چلو یہاں سے۔"

"ٹھیک ہے' چلو۔" کوئی چارہ نہ پا کر رام ناتھ بولا۔

شانتا خوش ہو کر ساتھ ساتھ چلتی ہوئی بولی۔ "اگر بتا کر آتے تب مجھے اتنا حیران نہ ہونا پڑتا۔"

"لیکن اتنی رات میں تیس کلومیٹر کا سفر کرنا پاگل پن ہے۔ اس وقت کوئی سواری بھی تو نہیں ملے گی۔"

"سواری کی ضرورت بھی کیا ہے۔ کتنی سہانی رات ہے۔ ٹہلتے ہوئے ہم آرام سے پہنچ جائیں گے۔"

رام ناتھ مجبور ہو کر شانتا کے ساتھ چلتا رہا۔ راستے میں دو سپاہیوں نے اسے روکنا چاہا لیکن وہ سنی ان سنی کر کے اسی رفتار سے چلتا رہا۔ ایک سپاہی نے دوڑ کر اسے پکڑ لیا اور ایک ڈنڈا جماتا ہوا بولا۔

"بدمعاش سنتا نہیں ہے۔"

مار کھاتے ہی رام ناتھ کا خون کھول گیا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ایک دم سپاہیوں پر ٹوٹ پڑا۔ اس کے اس غیر متوقع حملے سے سپاہی ایک دوسرے پر گر پڑے جس سے ایک سپاہی کا سر بھی پھٹ گیا۔ رام ناتھ پھر ہوا کی مانند آگے بڑھ گیا۔ دوسرے سپاہی نے اس کا تعاقب کرنا چاہا لیکن تھک کر لوٹ گیا۔

شانتا نے ہنس کر کہا۔ "ایسی رکاوٹوں سے نپٹنا تمہیں خوب آتا ہے۔"

"سو تو ہے۔" فخر سے رام ناتھ نے کہا۔

تقریباً" پانچ کلو مزید بڑھنے کے بعد ایک جھونپڑی کے پاس رک کر رام ناتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے کہا۔

"میں بہت تھک گیا ہوں' کچھ دیر یہیں آرام کیا جائے۔"

"ٹھیک ہے' آج رات یہیں گزاریں گے۔"

رام ناتھ بہت تھک گیا تھا پھر بھی شانتا نے اسے نہیں چھوڑا۔ اس کی حرکتوں نے رام ناتھ کو بھی پرجوش کر دیا۔ دونوں کافی دیر ہوس کے سمندر میں ڈوبے رہے۔ پھر جانے کب نیند آ گئی۔

صبح پانچ بجے رام ناتھ کی آنکھ کھلی تو شانتا کو نہ پا کر وہ سمجھ گیا کہ منہ اندھیرے وہ چلی گئی ہو گی۔ رام ناتھ بھی چل پڑا۔ لوگوں سے پوچھ تاچھ کرنے پر علم ہوا کہ رنوا صرف دو کلومیٹر دور رہ گیا ہے۔

جب وہ بھٹے پر پہنچا تو نریش جاگ چکا تھا۔ اسے دیکھتے ہی بولا۔ "اتنی صبح کیسے آ گئے۔ سات بجے سے پہلے تو کوئی بس بھی نہیں آتی۔"

"ٹرک سے چلا آیا۔ کوئی مجھے پوچھنے تو نہیں آیا۔"

"نہیں تو۔"

دھیرے دھیرے دس دن گزر گئے۔ اس دوران شانتا برابر رام ناتھ کے پاس آتی رہی۔ کئی بار رام ناتھ نے اسے سمجھایا کہ اس طرح روز روز ملنے سے کون کون سی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں لیکن شانتا ایک رات بھی اس سے دور رہنے پر تیار نہیں تھی۔

اس دوران رام ناتھ نے کئی بار رات کہیں اور بسر کرنے کی کوشش کی لیکن جانے کیسے شانتا وہیں پہنچ جاتی۔ اس نے سوچا شاید نریش سے اسے پتہ چل جاتا ہو۔ اس لیے ایک دو بار اس نے جانے کی بات کہیں اور بتائی اور گیا کہیں اور لیکن شانتا وہیں پہنچ جاتی۔ آخر عاجز آ کر رام ناتھ نے گھر جانے کا مکمل ارادہ کر لیا۔

دوسرے دن اس نے نریش سے کہا۔ "میں کچھ دنوں کے لیے کلکتہ جا رہا ہوں۔ ٹیکسی سے جاؤں گا' ہو سکتا ہے واپسی میں کچھ دن لگ جائیں۔"

پھر خاموشی سے ڈبروگڑھ ریلوے اسٹیشن پہنچا اور گوہاٹی جانے والی ٹرین میں سوار ہو گیا۔ گاڑی رات آٹھ بجے چھوٹنے والی تھی لیکن اس سے پہلے ہی شانتا پہنچ

گئی۔ اسے دیکھتے ہی وہ غصے سے بولا۔

"گھر سے ٹیلی گرام آیا ہے' بھابی کی طبیعت خراب ہے' اس لیے---"

"نہیں رام ناتھ' تم مجھے دھوکہ نہیں سکتے' یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں ایک رات بھی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی' کتنے بے رحم ہو تم۔ اب چپ چاپ گاڑی سے اتر آؤ اور لوٹ چلو' نہیں تو میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

اسی وقت گاڑی چل پڑی۔ رام ناتھ دعا مانگنے لگا کہ گاڑی تیزی سے رفتار پکڑ لے۔ دیکھتے ہی دیکھتے شانتا نظروں سے اوجھل ہو گئی تو رام ناتھ نے اطمینان کی سانس لی --- لیکن کھڑکی سے سر اندر کرتے ہی ششدر رہ گیا' شانتا جانے کب ڈبے میں آ گئی تھی۔ کہنے لگی۔

"بھلائی چاہتے ہو تو اگلے سٹیشن پر اتر جانا ورنہ میں بھی چلوں گی۔"

مجبوراً" اگلے سٹیشن پر رام ناتھ کو اتر جانا پڑا۔ وہ دونوں دس بجے رات کو رنوا پہنچے۔

رام ناتھ جب بھٹے پر پہنچا تو نریش کھانا کھا رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی حیرت سے بولا۔

"کیا پروگرام کینسل ہو گیا؟"

"ہاں۔"

رام ناتھ ساری رات سوچتا رہا کہ وہ کیسے شانتا سے نجات حاصل کرے؟

صبح ہوئی تو بھٹے پر کام شروع ہو گیا۔ شام کو نریش نے کہا۔ "آج فلم دیکھنے چلیں گے۔"

"ٹھیک ہے چلو۔" رام ناتھ تیار ہو گیا۔

دونوں سائیکل سے پانچ کلو میٹر دور سنیما ہال پہنچے۔ سٹینڈ پر سائیکل رکھ کر نریش ٹکٹ لینے چلا گیا۔

رام ناتھ نے سگریٹ سلگا کر ادھر ادھر نگاہیں گھمائیں تو سناٹے میں رہ گیا۔ گیٹ پر شانتا کھڑی اسے بلا رہی تھی۔ رام ناتھ کو مجبوراً" اس کے پاس جانا پڑا۔ وہ اسے لے کر تول گھر آ گئی۔ رام ناتھ کھڑا رہا تو وہ بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"بیٹھتے کیوں نہیں' ویسے میں جانتی ہوں کہ تم مجھ سے چھٹکارا پانا چاہتے ہو۔ تمہارا جی مجھ سے بھر گیا ہے۔"

"جو چاہے سمجھ لو' لیکن شادی سے پہلے تمہارا یہ حال ہے تو بعد میں کیا ہو گا۔ تم مجھے پیر کی جوتی بنا کر اپنے اشارے پر نچانا چاہتی ہو لیکن تم یہ خواب دیکھنا چھوڑ دو۔ اپنی آزادی کھو کر تمہارا پیار نہیں پانا چاہتا۔"

یہ سنتے ہی شانتا کی آنکھیں غصہ میں چمک اٹھیں۔ "آخر تم نے اپنی اصلیت ظاہر کر دی لیکن کان کھول کر سن لو' تم نے پیار کے دھوکے میں رکھ کر جی بھر کر میرا جسم لوٹا ہے۔ شادی کا لالچ دے کر مجھے برباد کیا ہے تو اس کا نتیجہ بھی تمہیں بھگتنا پڑے گا۔"

"تم جو چاہو کر لینا' لیکن بات یاد رکھنا تم مجھے بلیک میل نہیں کر سکتیں۔ اب میں سمجھ گیا ہوں کہ تم جیسی لڑکیوں سے دل تو بہلایا جا سکتا ہے شادی نہیں کی جا سکتی۔ اب تم مجھ سے کبھی بھی..."

ابھی رام ناتھ کا جملہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ یکایک شانتا اس پر بھوکی شیرنی کی طرح ٹوٹ پڑی۔

ادھر نریش جب ٹکٹ لے کر لوٹا تو رام ناتھ غائب ہو چکا تھا۔ وہ اسے کافی دیر تک ادھر ادھر تلاش کرتا رہا لیکن اس کا کوئی سراغ نہ ملا۔ فلم بھی شروع ہو گئی تو نریش مایوس ہو کر سائیکل سے لوٹ پڑا۔

راستے میں وہ تول گھر کے پاس سے گزرا تو اچانک اس کے کانوں میں کراہ کی آواز پڑی تو وہ چونک پڑا۔ دو قدم آگے بڑھتے ہی تول گھر کے فرش پر اسے بے ترتیب سا رام ناتھ دکھائی دیا۔

نریش بھاگ کر اس کے پاس پہنچا اور جلدی سے بولا۔

"کیا ہوا رام ناتھ؟"

نریش کو دیکھ کر رام ناتھ بری طرح رونے لگا۔ نریش کے اصرار پر اس نے ساری کہانی بیان کر دی۔ پوری بات سننے کے بعد نریش بولا۔

"آپ اس لڑکی سے فوراً اپنا ناطہ توڑ لیجئے۔ اب کبھی اس سے مت ملئے

گا۔"

"میں بھی تو یہی چاہتا ہوں مگر وہ مرنے مارنے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔"

"وہ کہاں کام کرتی ہے' اس کا کیا نام ہے؟"

"انہی باغات میں کہیں کام کرتی ہے اور نام شانتا ہے۔"

"کیا..." نریش کے منہ سے چیخ سی نکل گئی اور وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے رام ناتھ کو دیکھنے لگا۔ اسے کیلاش بابو کی یاد آ گئی تھی۔

دوسری رات نریش چوکنا ہو کر شانتا کا انتظار کرنے لگا' وہ شانتا سے مل کر پوچھنا چاہتا تھا کہ کیلاش بابو کی غلطی کی سزا تو انہیں دے چکی اب رام ناتھ کو کیوں شکار بنا رہی ہے۔

وہ شانتا سے ملنے کے لیے بے چین تھا لیکن جب رات کے دو بج گئے تو وہ سو گیا۔ دوسرے دن اس نے رام ناتھ سے کہا۔

"کل رات گئے تک میں شانتا کا انتظار کرتا رہا لیکن وہ نہیں آئی۔"

"آئی تو تھی' وہ مجھ سے پھر شادی کے لیے پوچھ رہی تھی' میں نے پیچھا چھڑانے کے لیے کہہ دیا کہ دوپہر میں آنا پھر جواب دوں گا۔"

دوپہر کو دونوں نے ساتھ ہی کھانا کھایا' کھانے کے بعد رام ناتھ نے نل کے پاس ہاتھ منہ دھویا پھر جیسے ہی مڑا اچانک پیر پھسلا اور وہ کٹے ہوئے درخت کی طرح دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔ بتیسی بیٹھ گئی اور ہاتھ پاؤں اینٹھنے لگے۔

مزدوروں میں کھلبلی مچ گئی۔ نریش نے ڈاکٹر کو بلایا لیکن خوش قسمتی سے ڈاکٹر کے آنے سے پہلے ہی رام ناتھ کی حالت ٹھیک ہو گئی۔ نریش نے تنہائی میں اس سے پوچھا۔

"ابھی شانتا نہیں آئی۔"

"آئی تو تھی' تم نے اس سے بات نہیں کی' جب میں نل پر ہاتھ دھو رہا تھا تبھی گرتے گرتے اس کی ایک جھلک دیکھی تھی۔"

نریش نے اس کی ہمت بندھائی لیکن وہ خود گھبرا گیا تھا۔ اس نے مزدوروں کو چند احکامات دیے اور خود شانتا کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا لیکن شانتا اسے کہیں نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ملی۔

رات کے دس بجے تھکا ہارا وہ واپس آیا تو رام ناتھ کے کمرے کے پاس پہنچتے ہی ٹھٹک کر رک گیا۔ اندر سے کسی کے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی۔

اچانک رام ناتھ کی چیخ سنائی دی۔ "ارے باپ رے۔"

نریش تیزی سے کمرے کی طرف دوڑا۔ وہ دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ اندر سے ایک سایہ نکلا اور اسے دھکا دیتا ہوا تیزی سے تاریکی میں غائب ہو گیا۔ نریش بھی تیزی سے پلٹ کر اس سائے کے تعاقب میں لپکا لیکن تقریباً" نصف کلومیٹر تک دوڑنے کے باوجود سایہ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

نریش کو یقین تھا کہ یقیناً" وہ شانتا ہی تھی اور اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر کہیں روپوش ہو گئی ہے۔

دل مسوس کر نریش واپس لوٹ آیا۔ رام ناتھ بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے نریش کو دیکھتے ہی پوچھا۔

"بھیا سے بھی کیا شانتا کا کوئی تعلق تھا؟"

"نہیں تو' کیا وہ کچھ کہہ رہی تھی۔" نریش نے جلدی سے سرہلا کر کہا۔

"کہہ رہی تھی کہ تم بھی اپنے بھائی کی طرح دغاباز نکلے۔ انہی کی طرح پیار جتاتے ہوئے میرے ساتھ فریب کرتے رہے اگر پہلے سے علم ہوتا تو ہسپتال میں ہی تمہیں بھی ختم کر کے بھائی کے ساتھ ہی چتا پر جلنے کے لیے مجبور کر دیتی۔ اف۔ سچ سچ بتاؤ نریش' آخر یہ کیا چکر ہے' شانتا ایسی باتیں کیوں کر رہی تھی۔" رام ناتھ نریش کا ہاتھ پکڑ کر اصرار کرنے لگا۔

"اس کا جواب میں کل دوں گا۔ ایک بار اس سے ملنے کے بعد' اس وقت تم آرام کرو۔" اور یہ کہہ کر نریش جلدی سے باہر نکل گیا۔

وہ نہیں چاہتا تھا کہ کیلاش بابو کا قصہ طول کھینچے کیونکہ حقیقت بتا کر وہ کیلاش بابو کی روح کو صدمہ پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔

دوسرے دن بھی نریش دن بھر شانتا کا پتہ لگاتا رہا۔ پانچ کلومیٹر کے دائرے میں اس نے ہر بستی کے ہر گھر میں اس کے بارے میں پوچھا لیکن کوئی علم حاصل نہ کر

سکا۔ پھر بھی نریش کو یقین کامل تھا کہ وہ یہیں کہیں رہتی ہو گی۔ یہ ضرور ممکن ہے کہ اس نے اپنا نام بدل رکھا ہو۔

رات کو تھکا ہارا نریش بھٹے پر لوٹا تو ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔ مزدور کھانا پکانے میں مصروف تھے۔ رام ناتھ بھی وہیں موجود تھا۔ نریش بھی ہاتھ منہ دھو کر آ گیا۔ تب رام ناتھ اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے بولا۔

"کھانا کھا کر میرے کمرے میں آ جانا' تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" نریش نے کہا اور کھانے کے لیے بیٹھ گیا لیکن ابھی کچھ دیر بھی نہیں گزری تھی کہ اچانک رام ناتھ کی چیخ سنائی دی۔

"بچاؤ' بچاؤ۔"

نریش کے ساتھ ہی تمام مزدور دوڑ کر رام ناتھ کے کمرے میں پہنچے تو وہ فرش پر بے ہوش پڑا تھا۔ رام ناتھ کی حالت دیکھ کر نریش مضطرب ہو گیا۔

جن لوگوں نے کیلاش بابو کا انجام دیکھا تھا وہ بھی مایوس ہو گئے لیکن دونوں بھائیوں کی اس حالت کا سبب کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ ساری بات صرف نریش کو معلوم تھی لیکن اس کی سمجھ میں بھی نہیں آ رہا تھا کہ شانتا آخر کہاں چوٹ کرتی ہے جس سے کیلاش بابو ہوش گنوا بیٹھے اور رام ناتھ بھی' کہیں بڑے بھائی کی طرح یہ بھی...

نریش فوراً" ہی رام ناتھ کو ایک ٹرک کے ذریعہ ڈبروگڑھ کے لیے روانہ ہو گیا۔ راستے بھر اس کے دماغ پر شانتا ہی سوار رہی۔

وہ ڈبروگڑھ کی رہنے والی تھی۔ نریش بھی کیلاش بابو کے ساتھ ڈبروگڑھ میں نوکری کرتا تھا جہاں کیلاش بابو اور شانتا کا تعارف ہوا۔ بعد میں اسی شانتا سے پیچھا چھڑانے کے لیے کیلاش بابو نوکری چھوڑ کر گاؤں چلے گئے تھے' پھر کئی سالوں بعد آسام آئے تو ڈبروگڑھ سے تیس کلومیٹر دور رنوا میں اینٹ کا بھٹہ کھولا لیکن محبت میں دھوکہ کھائی ہوئی شانتا نے انہیں کھوج ہی نکالا اور پھر ان کی جان لینے کے بعد وہ اب رام ناتھ کے پیچھے پڑ گئی تھی۔

ڈبروگڑھ میں رام ناتھ کو پرائیوٹ نرسنگ ہوم میں داخل کرانے کے بعد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نریش نے اپنے ایک پر اعتماد ساتھی شنکر کو اس کی دیکھ بھال کے لیے ضروری ہدایات دیں۔ پھر خود شانتا کا سراغ لگانے چل دیا۔

ایک گھنٹے بعد وہ بس سے اترا تو اچانک بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ برسوں پہلے کیلاش بابو کے ساتھ ہی وہ بھی نوکری چھوڑ کر چلا گیا تھا اور اب پہلی بار یہاں آیا تھا۔ اس وقت لوگ شانتا کے معاملے کو لے کر کتنے مشتعل ہو گئے تھے' آج بھی کوئی پہچان لے تو...

پھر بھی نریش سہا سہا سا آگے بڑھتا رہا۔ آخر شانتا کے گھر سے کچھ فاصلے پر ایک واقف بڑھیا مل گئی لیکن آنکھیں کمزور ہونے کی وجہ سے اس نے نریش کو پہچانا نہیں' نریش اسی کے پاس ہی بیٹھ کر باتیں کرنے لگا۔

کچھ دیر بعد اس نے باتوں باتوں میں دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھ لیا۔ "شانتا کا کیا حال ہے؟"

"کون شانتا' سکھیا کی بیٹی؟"

"ہاں ہاں وہی۔"

"اسے مرے ہوئے تو سالوں بیت گئے۔"

"کیا' کیا وہ مر گئی؟" نریش بے ساختہ چیخ پڑا۔

"اور کیا کرتی بدنصیب' کیلاش نام کے ایک لڑکے نے اس کی زندگی برباد کر دی تھی۔ شادی کا لالچ دے کر منہ کالا کرتا رہا' جب شانتا کے پیٹ میں پاپ پلنے لگا تو دھوکہ دے کر بھاگ نکلا۔ شانتا اپنا منہ کسے دکھاتی' گلے میں پھندہ ڈال کر آزادی پالی' اسی غم میں بے چارہ سکھیا بھی چل بسا۔"

نریش پھٹی پھٹی آنکھوں سے بڑھیا کو دیکھتا رہا پھر خاموشی سے اٹھ کر بس اڈے کی طرف روانہ ہو گیا۔

جب وہ ڈبروگڑھ نرسنگ ہوم میں پہنچا تو ابھی تک رام ناتھ بے ہوش پڑا تھا۔

اس نے شنکر کو الگ بلا کر ساری حقیقت بتائی تو وہ بھی گھبرا گیا۔ پھر بولا۔

"اگر یہ بات پہلے معلوم ہوتی تو اوجھا ملا کیلاش بابو کو بھی بچا سکتے تھے۔"

"اس وقت تو رام ناتھ کی فکر کرو۔"

"یہ مرض ڈاکٹر وید ٹھیک نہیں کر پائیں گے بھیا جی' مالک کو بھٹے پر لے چلیے وہیں اوجھا وغیرہ کو دکھائیں گے' بھگوان نے چاہا تو یہ ضرور بچ جائیں گے۔"

آخر کار ہسپتال لے جانے کے بہانے رام ناتھ کو نرسنگ ہوم سے بھٹے پر لایا گیا۔ پھر تانترک مانترکوں کو دکھایا جانے لگا۔

کئی پہنچے ہوئے لوگ آئے اور ہار کر چلے گئے۔ آخر ایک گاؤں والے نے مشورہ دیا کہ مائی جان شمشان گھاٹ میں ایک اگھوری آیا ہوا ہے' آپ لوگ ایک بار اس سے ملیں۔

مائی جان شمشان ڈبروگڑھ شہر سے اتر برہماپتر کے کنارے واقع ہے۔ نریش نے وہاں جا کر اگھوری کے ہاتھ پاؤں جوڑے اور اس کے کہنے کے مطابق گوشت اور شراب کا انتظام کیا۔

دوسرے دن اگھوری آیا۔ اس نے رام ناتھ کو غور سے دیکھ کر ایک نقش بنایا پھر اس میں پیپل کی لکڑی بچھانے کا حکم دے کر اس نے بے ہوش پڑے ہوئے رام ناتھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اسے اٹھا کر اسی حصار میں لٹا دو' باقی جگہ خوب اچھی طرح لکڑی بچھا دو' خیال رہے کہ ایک انگل بھی جگہ خالی نہ رہنا چاہیے۔"

اس کے بعد وہ اگھوری تیزی سے اتر کی جانب چلا گیا۔ پھر بیس منٹ بعد لوٹا تو حصار کے پاس آتے ہی ہاتھ میں پکڑی ہوئی جڑی بوٹی مسل کر لکڑی پر اس کا رس ٹپکانے لگا۔

ایک لمحہ میں ہی کرشمہ ہوا۔ بے ہوش پڑا رام ناتھ کسمسایا اور پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

نریش اور وہاں موجود دیگر تمام لوگ خوش ہو گئے لیکن اگھوری جھلا کر بولا۔

"لکڑی ٹھیک سے نہیں بچھائی گئی تھی' میں آج جلا کر اسے نیست و نابود کر دیتا لیکن اسے بھاگنے کی راہ مل گئی۔ پھر آنے کا خدشہ قائم رہے گا۔"

نریش ہاتھ جوڑ کر گڑگڑایا۔ "کوئی ترکیب کیجئے مہاراج' اس سے انہیں ہمیشہ کے لیے آزادی دلائیے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگھوری مسلسل چار ماہ تک بھٹے پر رکا رہا' آخر اس نے رام ناتھ کو شانتا کی روح سے نجات دلا دی' اس دوران نریش کے مشورے پر رام ناتھ نے اونے پونے داموں میں اینٹ فروخت کر کے بھٹہ بند کر دیا اور تندرست ہوتے ہی گھر لوٹ آیا۔ اب وہ بالکل ٹھیک ہے۔ نریش بھی اس کے ساتھ ہی آسام چھوڑ کر چلا آیا۔

☆☆☆

فرعون کی بددُعا

☆.....وہ ایک ممی تھی جو اپنے دریافت کرنے والوں کی دشمن بن گئی۔

☆.....اس زندہ لاش نے ہر اس شخص کو موت کی نیند سُلا دیا جو اس کے راز سے واقف ہوا۔

☆.....ایک ایک کر کے اپنے دشمنوں کو ختم کرنے کے بعد اس نے اپنے آپ کو بھی ختم کر ڈالا..... کیوں اور کیسے؟

☆.....ایک ممی کی دریافت اور واپسی کا خوفناک سفر

☆.....اہرامِ مصر کا پُراسرار ماحول اور فسوں کاریاں

ایسی خوفناک کہانیاں آپ نے پہلے کبھی نہ پڑھی ہوں گی قیمت:00-100روپے

فیضان اکیڈمی راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور

سانپ بیٹا

اماں نے عورت ہونے کے جرم میں جانے کون سی اذیتیں سہی تھیں کہ انہیں لفظ "بیٹی" سے بھی خوف آتا تھا۔

ان کے ماں باپ بے حد غریب تھے اس پر چھ بیٹیوں کا بوجھ۔ اماں کا بچپن بے حد غریبی اور محرومیوں میں گزرا تھا۔ غربت کی وجہ سے ہی ان کی ساری بہنوں کا رشتہ ماں باپ کو آنکھ بند کر کے قبول کرنا پڑا۔ جس نے لین دین کی بات نہیں چلائی اسی کے ساتھ ہاں کر دی۔ نتیجے کے طور پر کوئی بہن بوڑھے کے پلے بندھی' کوئی بے اولاد گھر میں بچے پیدا کرنے کی مشین کے طور پر لائی گئی تو کوئی جواری یا چور اچکے کا چوری کا مال سمجھی گئی۔ یہی وجہ تھی کہ اماں بیٹی کے بجائے زہر کا پیالہ پینے کو تیار تھی۔ حالانکہ اپنی بہنوں میں ایک وہی تھیں جن کے حالات کچھ بہتر تھے۔

میرے ابا کی ایک ٹانگ نہیں تھی۔ اگرچہ غریبی اس گھر میں بھی موجود تھی لیکن اپنی لاچاری کے باوجود ابا کسی نہ کسی طرح زندگی کی گاڑی کھینچ لیتے تھے۔

ان میں ایک ہی عیب تھا کہ جب باہر کسی سے جھاڑ کھا کر یا تھک کر گھر آتے تو اپنا سارا غصہ امی پر اتارتے۔ ان کی دھنائی کر کے ابا کی تھکن بھی اتر جاتی اور انہیں روتے' بلبلاتے' ہاتھ جوڑتے دیکھ کر ان کا مردانہ غرور بھی ایک انگڑائی لے کر پھر سے جوان ہو جاتا۔ بس ابا کی یہی واحد تفریح تھی۔

اماں کو اب بہتر حالات کی اور امید نہ تھی سوائے اس کے کہ جب وہ بیٹوں کی ماں بنیں گی تو وہ گھر کی بھی کایا پلٹ کر رکھ دیں گی۔ خدا جانے کتنے ارمان اور کتنے خواب تھے جو صرف ایک لفظ "بیٹا" سے اماں نے وابستہ کر رکھے تھے۔ اماں نے اپنی ساری تمنائیں بیٹوں کے لیے رکھ چھوڑی تھیں۔

اماں سوتی جاگتی آنکھوں سے بس بیٹوں کے خواب دیکھتی رہتیں۔ انہیں مکمل یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن ان کے خوابوں کی تعبیر انہیں ضرور ملے گی۔ پھر جونہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آثار ظاہر ہوئے ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ پورے یقین کے ساتھ بیٹے کے استقبال کی تیاریاں کرنے لگیں۔ سب سے پہلے نام تلاش کیا گیا۔ زور آور۔

ابا سے فرمائش ہوئی کہ گاؤں میں تقسیم کرنے کے لیے پانچ سیر لڈوؤں کا انتظام ابھی سے شروع کر دیں۔ عقیقہ کب ہو گا' بیٹا اسکول کب جائے گا؟ اماں نے سب سوچ ڈالا۔ وہ تو اس فکر میں شاید بہو کی تلاش میں بھی نکل کھڑی ہوتیں کہ ابا نے ٹوک دیا۔

"اور جو لڑکی ہو گئی تو پھر؟"

"اوں ہوں۔ میں نے اتنی دعائیں کی ہیں' اتنی منتیں مانی ہیں کہ چاہے دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے پر آئے گا تو بیٹا اور سولہ آنے بیٹا۔" اماں نے بڑے یقین کے ساتھ جواب دیا۔

"اری باؤلی۔ بیٹا بیٹی دونوں ہی خدا کی رحمت ہیں' تو ان میں فرق کیوں کرتی ہے۔" ابا نے سمجھایا۔

"بس تم اپنی کالی زبان بند رکھو۔" اس وقت وہ بے حد مغرور ہو جاتی تھیں۔

"بندے کے منہ سے اچھی بات نہ نکل سکتی ہو تو اس کا چپ رہنا ہی بھلا۔"

اس خود اعتمادی کے مظاہرے نے ابا کو متاثر کر دیا۔ وہ سچ مچ چپ گئے۔

ساری مدت ایک ایک دن گنتے' امیدوں کے موتی پروتے' تمناؤں کے جال بنتے اور خواہشوں کے چراغ جلاتے ختم ہوئی۔ اماں نے ہر تکلیف' ہر دکھ کو امرت کا گھونٹ سمجھ کر پی لیا لیکن جب دائی نے منہ ٹیڑھا کر کے لڑکی ہونے کی خبر دی تو انہیں اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔

"کیا کہا ماسی تو نے؟" انہوں نے دھڑکتے دل سے سوال کیا۔

"لڑکی ہے ری لڑکی۔" دائی کو بھی کم غصہ نہ تھا کیونکہ اب اسے دس کی بجائے پانچ روپے ہی ملنے تھے۔ یہ تو بہت بڑا نقصان تھا۔

اماں پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کا منہ تکے جا رہی تھیں۔ اتنے برسوں کے خواب ایک ہی جملے نے شیشے کی مانند چکنا چور کر دیے تھے۔ ان کے دل و دماغ میں طوفان اٹھنے لگا۔ دن کا اجالا پلک جھپکنے میں گھپ اندھیرا بن گیا تھا۔ پھر جیسے ہی دائی

نے اس ننھی سی بچی کو پلٹا اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔

"ہائے ہائے' اس کے انگ سے تو سانپ لپٹا ہوا ہے۔ اللہ میری توبہ۔"

اماں اس کا منہ دیکھتی رہیں۔ دائی کی بڑبڑ جاری رہی۔

"نہ جانے کن گناہوں کی سزا ہے۔ لے ری بنو' سنبھال اسے' اب تو جان اور تیرا میاں' آگے میں بے بس ہوں۔" وہ کھٹر پٹر کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"ارے ٹھہرو ماسی۔ پیسے تو لیتی جاؤ۔" ابا نے اسے پکارا۔

"پھر لے لوں گی۔ تم جاؤ اس سنپولئے کو تو ٹھکانے لگاؤ' توبہ توبہ اتنی عمر بیت گئی لیکن ایسا اندھیرا کبھی نہیں دیکھا۔" وہ پھولتی سانسوں سے بولی۔

ابا اندر آئے تو دیکھا کہ سچ مچ نوزائیدہ کی پیٹھ سے نصف بالشت کا سنپولیا چپکا ہوا ہے۔

سائنس اسے جو کچھ کہے' لوگ اس پر یقین کریں یا نہ کریں لیکن یہ اپنی جگہ بہرحال ایک سچ تھا کہ بچی اور اس کے ساتھ پیدا ہونے والا کیڑا دونوں زندہ تھے۔ ابا نے ہاتھ آگے بڑھایا تاکہ اسے نوچ پھینکیں کہ اماں جیسے سکتے سے چونکیں اور ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں۔

"نہ نہ... خبردار۔"

"کیوں؟" ابا حیرانی سے بولے۔

"نہ مارو اسے' مت ظلم کرو یہ' ورنہ میں بھی اپنی جان دے دوں گی۔" وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ اپنا سر اور سینہ دونوں ہاتھوں سے پیٹنے لگیں۔

"کیا ہوا تجھے؟" ابا بوکھلا کر ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"یہ --- یہ میرا بیٹا ہے۔ یہ میری دعاؤں کا اثر ہے۔ منتوں کا ثمر ہے' مت مارو اسے۔" وہ پھٹی پھٹی آواز میں بولیں۔

"کیوں پاگل ہوئی ہے۔ دیکھو تو اللہ میاں نے مجھے کتنی پیاری بیٹی دی ہے لیکن یہ سنپولیا آفت دے دیا ہے۔" ابا نے کہا۔

"نہیں چاہئے' نہیں چاہئے مجھے بیٹی' تو مجھے میرا بیٹا دے دے' میرا راجہ بیٹا' خدا کے لیے اسے مجھ سے مت چھینو' میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔" وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بال نوچنے لگیں۔

عجیب حال تھا اماں کا' کمزوری سے زرد چہرہ' پسینے سے بھیگا جسم' پھیلی پھیلی آنکھیں' مسلسل بہتے آنسو' تھرتھر کانپتے ٹھنڈے ہاتھ' ابا ڈر گئے۔ آدھی عمر کے اکیلے پن کے بعد انہیں بیوی ملی تھی وہ بھی ایسی کہ گائے بھینس کی طرح پٹتی اور کتے کی طرح چھوڑ کر نہ جاتی۔ اس کی وجہ سے گھر کی روٹی ملی تھی' اولاد نصیب ہوئی تھی' اپنا وجود اہم لگنے لگا تھا۔ اگر اب اسے کچھ ہو گیا تو...

اماں کی حالت سے صاف ظاہر تھا کہ اگر تھوڑی دیر اور وہ اس طوفان میں گھری رہیں تو ان کا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ ابا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کیا کہیں۔ بچی کو اس مصیبت سے نجات کیسے دلائیں۔ انہوں نے آخری کوشش کی۔

"دیکھ بنو' اگر بچی کو کچھ ہو گیا تو؟"

"کچھ نہیں ہوتا اسے' جب نو مہینے اس نے اس کا کچھ نہیں بگاڑا' تو اب کیا نقصان پہنچائے گا اسے۔"

"آخر تیری مرضی کیا ہے؟ اسے یونہی رہنے دوں' ابھی سارا گاؤں ہمارا تماشہ دیکھنے آتا ہو گا۔" ابا نے تنگ آ کر کہا۔

"اسے مجھے دے دو۔ میرے لال کو ادھر لاؤ' یہ لو کٹوری... لیکن نہیں' تم اسے مت چھوؤ' بڑے سخت ہاتھ ہیں تمہارے۔" اماں پاگلوں کی طرح بڑبڑ کرتی رہیں اور اس ننھے سے کیڑے کو انہوں نے بچی کے جسم سے الگ کر کے کٹوری میں رکھا پھر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

ابا نے افسردہ نظروں سے اس گھبرائی ہوئی عورت کی جانب دیکھا جو خود اپنی ذات کی پہچان' اپنی اولاد کو چھوڑ کر ایک موذی جانور کو پیار کر رہی تھی۔

اسے فی الحال اس کے حال پر چھوڑ کر ابا نے بچی کو یعنی مجھے سنبھالا۔ وہ سنپولیا میری پیٹھ سے چپکا ہوا تھا۔ ابا کا خیال تھا کہ یہ وقتی جنون ہے' ذرا حالت سنبھلنے پر وہ خود ہی سنپولیے کا چھوڑ دے گی یا پھر موقع پاتے ہی وہ خود اسے ٹھکانے لگا دیں گے لیکن یہ ان کا خیال' خیال ہی رہا۔ نیم دیوانی اماں نے کٹوری کی حفاظت اپنی جان سے بڑھ کر کی۔ وہ خود ہی چھاتی سے بوند بوند دودھ اسے پلاتیں اور اس طرح چھپا

کر رکھتیں کہ کسی کی نظر بھی نہ پڑ سکے۔

دائی کی اطلاع پر سارا گاؤں ہی امڈ کر ہمارے گھر آ گیا تھا۔ اس قسم کے واقعات گاؤں کی زندگی میں کافی اہمیت رکھتے ہیں لیکن اماں نے لوگوں سے کہہ دیا کہ اس سنپولیے کو ہم نے کچل کر مار ڈالا ہے۔ لوگوں کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔

ابا مجھے سنبھالتے رہے۔ میرا ہر کام انہوں نے اپنے آپ اپنے ذمے لے لیا۔ دن بھر محنت کرتے' شام اور رات میرے کاموں میں مصروف رہتے۔

اماں اپنے راجہ بیٹے کی دیکھ بھال میں لگی رہتیں۔ ان کی طبیعت ابھی تک نہیں سنبھلی تھی۔ دماغی حالت بھی نیم دیوانوں جیسی تھی۔ ہر وقت ابا کی نقل و حرکت کی نگرانی کرتی رہتیں۔ سوتے وقت بھی چونکتی رہتیں کہ کہیں انہیں بے خبر پا کر ابا ان کے راجہ بیٹے کو مار نہ دیں۔

ابا نے کئی بار نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی۔ وہ چاہتے تھے کہ بیوی خوابوں کی دنیا سے نکل آئے اور اپنی پھول سی بچی کو سنبھال لے۔ اماں پر بھی کچھ کچھ ان باتوں کا اثر ہونے لگا تھا۔ اب وہ ان کی غیر موجودگی میں مجھے گود میں اٹھا لیتیں' دودھ دیتیں لیکن راجہ بیٹے پر اب بھی مجھے ترجیح نہ مل سکی' جو کٹوری سے اب ایک پٹاری میں رہنے لگا تھا۔

اس کی نشوونما حیرت انگیز طور پر بے حد تیز تھی۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ خود بھی سب کی نظروں سے چھپا رہنا پسند کرتا تھا۔ رات میں ایک آدھ بار اپنی پناہ گاہ سے باہر نکلتا' پھر خود ہی اس میں آ بیٹھتا۔

ابا اب بھی اس سے ناراض ہی رہتے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح بیوی کو راضی کر کے اس کیڑے سے پیچھا چھڑا لیں۔

میں اب ہاتھ پاؤں مارنے اور حلق سے غوں غوں کی آوازیں نکالنے لگی تھی۔ جوں جوں اما میری جانب کھنچتی چلی آ رہی تھیں ابا کا مطالبہ زور پکڑ رہا تھا کہ ہمیں اس مصیبت سے جلد چھٹکارا حاصل کر لینا چاہئے۔ اماں کے پاس اس کے جواب میں آنسوؤں کی دھاریں ہی تھیں۔ وہ اس بے بسی اور معصومیت سے ابا کی طرف دیکھتی تھیں کہ ان کا سر جھک جاتا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھر ایک رات فیصلہ ہو ہی گیا۔

ہوا یوں کہ سوتے سوتے عادت کے مطابق جب ابا نے ٹٹول کر مجھے چادر اوڑھانا چاہی تو ان کا ہاتھ کسی نرم چیز سے چھو گیا۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھے اور لالٹین کی لو اونچی کر کے دیکھا تو اماں کا لاڈلا کنڈلی مارے میرے سرہانے بیٹھا دکھائی دیا۔ ابھی ابا کا ہاتھ اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اماں نے بجلی جیسی تیزی سے جھپٹا مار کر اسے اپنی گود میں چھپا لیا۔

ابا غصے سے بے قابو ہو گئے۔ اناپ شناپ بکتے ہوئے انہوں نے فیصلہ سنا دیا کہ اب سانپ ہرگز یہاں نہیں رہ سکتا' ورنہ وہ اپنی بیٹی کو لے کر اسی وقت کہیں اور چلے جائیں گے۔

اماں کی ہمت بھی ٹوٹ سی گئی تھی۔ ڈوبی ہوئی آواز میں انہوں نے شوہر کو سمجھانا چاہا۔

"اتنے ناراض کیوں ہو رہے ہو مینو کے ابا' یوں ہی جا بیٹھا ہو گا پیار سے اس کے سرہانے۔"

"پیار' کیسا پیار۔ ایک زہریلے کیڑے اور میری بیٹی کا کیا رشتہ۔" ابا جھنجلا کر بولے۔

"کیوں' وہ اس کی بہن نہیں ہے کیا؟" اماں نے یاد دلایا۔

"پاگلوں جیسی باتیں نہ کر' کیسی بہن' کہاں کا بھائی' تو نے پانی میں کیڑا پی لیا ہو گا جو بچی سے جا چمٹا۔ وہ تو خدا نے خیر کی کہ اس معصوم بچی کی جان بچ گئی ورنہ..."

"نہ نہ۔ الزام مت لگاؤ بے زبان پر' وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

"اب میں کچھ نہیں سننا چاہتا' تو اس کی ایسی حمایتی ہے تو اٹھا اپنا بوریا بستر اور اس کے ساتھ چلی جا۔" ابا کا اکھڑپن لوٹ آیا۔

اماں گھر چھوڑتیں تو کس کے بھروسے پر' اس کے بھروسے پر جو خود ان کی مدد کا محتاج تھا۔ پھر جب شوہر ہی کوئی رشتہ ماننے کو تیار نہ تھا تو بھلا دنیا والے ان انوکھے ماں بیٹا کو کیسے جینے دیتے' یہی سوچ کر اپنا گھر اور اپنی جان بچانے کی خاطر سینے پر سل رکھ کر اماں اس بات پر راضی ہو گئیں کہ اس کے راجہ بیٹے کو دور کہیں

جنگل میں چھوڑ دیا جائے۔

شوہر پر اتنا اعتبار نہ تھا کہ اپنے بیٹے کو اس کے حوالے کر دیتیں۔ ابا نے مجھے اٹھایا اور اماں نے پٹاری سنبھالی اور راتوں رات اسے کہیں دور چھوڑ کر پلٹ آئے۔

کئی دن تک تو اماں کھوئی کھوئی رہیں جیسے سچ مچ ان کا بیٹا ان سے جدا کر دیا گیا ہو۔ پھر ابا نے کچھ دلجوئی کی' کچھ میری مصروفیات میں الجھ کر انہیں تھوڑا بہت صبر آ ہی گیا۔

اس واقعہ کے دو ماہ بعد کی بات ہے کہ میں صحن میں بیٹھی پتھروں سے کھیل رہی تھی۔ اماں میری طرف پیٹھ کیے موری پر کپڑے دھو رہی تھیں۔ ابھی میں نے بولنا شروع نہیں کیا تھا لیکن ہنسی اور وہ بھی قہقہے سے ملتی جلتی آواز اماں کے کانوں میں پڑی تو انہوں نے پلٹ کر دیکھا کہ ان کا راجہ بیٹا میرے ننھے منے جسم کو اپنی کنڈلی میں لپیٹے بیٹھا تھا۔ اس کا نرم نرم وجود جیسے مجھے گدگدا رہا تھا جس سے میں بے تحاشا ہنس رہی تھی۔ اماں کپڑے چھوڑ چھاڑ کر میری طرف لپکیں تو اس نے دھیرے سے مجھے چھوڑ کر اماں کے پیروں میں بل ڈال دیے اور پھن اٹھا کر ان کے منہ کی طرف دیکھنے لگا۔

اماں کی آنکھیں خوشی سے چھلک گئی۔ وہ یہ کہتی ہوئی بے اختیار اس پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔ "ارے تو ٹھیک ہے راجہ' اپنی بدنصیب ماں کو نہیں بھولا۔"

ماں بیٹے کا یہ ملاپ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ اپنا سر اماں کے پیروں سے رگڑ رگڑ کر شوں شوں کی آوازیں نکال رہا تھا اور اماں کا بس نہیں چلتا تھا کہ اٹھا کر اسے اپنے کلیجے میں رکھ لیتیں۔ ان کے منہ سے بے ربط جملے نکل رہے تھے۔

"میرا زور آور' کہاں تھا تو اتنے دنوں تک' پلٹ کر خبر بھی نہ لی تو نے کہ تیری دکھیاری ماں تیرے بغیر کتنی اداس ہے۔"

اس کی شوں شوں رک گئی' سر جھک گیا جیسے اپنی غلطی پر سچ مچ شرمندہ ہو۔

پھر تو یہ آئے دن کا معمول بن گیا۔ ابا کی غیر حاضری میں وہ اچانک ہی کہیں سے نمودار ہوتا اور اماں سے لپٹتا اور مجھ سے کھیلتا اور پھر خاموشی سے وداع ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جاتا۔ مجھے کھلونے نصیب نہیں تھے' یونہی مٹی پتھروں سے دل بہلاتی تھی۔ اب خدا نے جیتا جاگتا کھلونا دے دیا تھا۔ میں بڑی خوش تھی۔

پھر ایک دن ابا نے دیکھ لیا۔ وہ گھبرا کر اسے مارنے دوڑے مگر اماں پیروں سے لپٹ گئی۔ میں چیخ چیخ کر رونے لگی۔ شور شرابہ اور افراتفری میں وہ کھسک گیا لیکن ابا کا سارا غصہ بیوی پر اترا۔ برسوں کے بعد اماں کو اتنی بیدردی سے مار پڑی تھی کہ اگلی پچھلی کسر نکل گئی۔

ابا اب کوئی رعایت دینے کو تیار نہیں تھے۔ کھڑے کھڑے انہوں نے فیصلہ سنا دیا کہ آئندہ اگر یہ موذی کیڑا پھر گھر میں دکھائی دیا تو تین لفظوں کے ساتھ وہ سدا کے لیے چھٹی کر دیں گے۔ ہر عورت کی طرح اماں کے لیے بھی یہ دھمکی موت کا پیغام تھی۔ جس کے بعد ان کی قینچی کی طرح چلتی ہوئی زبان تالو سے چپک کر رہ گئی۔

کئی دن خاموشی سے گزر گئے۔ اماں بہت اداس تھیں۔ وہ پہروں خاموش بیٹھی نہ جانے کیا کیا سوچ سوچ کر ٹھنڈی آہیں بھرتی رہیں۔ ابا کے چڑچڑے پن نے گھر کے ماحول کو اور بھی خراب کر دیا تھا۔ اپنا پیارا ساتھی بچھڑ جانے پر میرا دل بھی ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ پھر اچانک ہی وہ آ گیا۔

اماں خوشی سے بے تاب ہو کر اس کی طرف لپکیں لیکن فوراً" ہی سہم کر رک گئیں۔ مجھے بھلا کیا خوف تھا۔ ہنستے اور قہقہے لگاتے ہوئے اس کا استقبال کیا تو اماں کی بھی ہمت بندھی مگر کچھ دیر بعد ہی انہیں ابا کی دھمکی یاد آ گئی۔ دکھے دل اور بھیگی آنکھوں کے ساتھ انہوں نے اپنے راجہ بیٹے کو چلے جانے کا اشارہ کیا پھر خود پکڑ کر صحن کی نال کی طرف لے گئیں اور بولیں۔

"یوں دندناتے ہوئے نہ آیا کر راجہ' سبھی تیرے دشمن ہیں' کسی کی نظر پڑ گئی تو خدا جانے کیا ہو جائے۔ تو یہاں سے چپ چاپ چلا جا اور اب کبھی مت آنا' میں تجھے یاد کرتے کرتے مر جاؤں گی تب بھی یہ سکون تو رہے گا کہ تو زندہ ہے' جا بیٹے' تیرا خدا حافظ ہے۔"

وہ اپنا سر جھکائے ہوئے نالی سے باہر نکل گیا۔ میں پھر اکیلی رہ گئی۔

وقت گزرتا گیا۔ اماں کو اب مستقل چپ لگ گئی تھی۔ ابا لاکھ باتیں کرتے' ادھر ادھر کی سناتے مگر اماں کے پاس سوائے ہوں ہاں کے اور کوئی جواب نہ تھا' اس بے حسی پر وہ جھلا جاتے' اماں کی معمولی غلطیوں اور لاپرواہیوں کو نمک مرچ لگا لگا کر مجھ سے بیان کرتے۔ ہوش سنبھالنے سے پہلے کے سارے واقعات اور راجہ بھیا کی ساری داستان میں نے انہی سے سنی تھی۔

"اری بیٹی' اگر میں تیرا خیال نہ رکھتا تو اس پاگل عورت نے تو تجھے مار ہی دیا تھا۔"

ایسے ہی اداس' گھٹے ہوئے ماحول میں رہتے ہوئے کئی سال بیت گئے۔ اب میں عمر کے اس دور میں تھی جب ماں باپ کی محبت سے پرے بھی دل کچھ ڈھونڈنے لگتا ہے۔ کھوجنے' تلاش کرتے اور سپنوں کے جال بننے کے اس تسلسل میں مصروف ہو کر راجہ بھیا بھی میرے دماغ سے اتر گیا۔

پھر گھر میں میری شادی کی باتیں ہونے لگیں۔ وہ بھی گاؤں کے اس لڑکے سے جو کئی لڑکیوں کی آنکھوں میں بسا ہوا تھا۔ میری خوشی کی کوئی حد نہ رہی۔ جہیز کے لیے جوڑے جاتے' برتنوں کی آوازیں' کانچ کی چوڑیوں کی کھنک اور پائل کی جھنکار' ہر جانب مجھے شہنائیاں بجتی ہوئی سنائی دیتیں۔

ابا بھی بہت خوش تھے۔ وہ اب یوں تیز چلنے لگے جیسے پھر سے جوان ہو گئے ہوں۔ ایک اماں تھیں جو ہنستے ہنستے ایک دم خاموش ہو جاتیں اور چور نظروں سے صحن میں نہ جانے کیا ڈھونڈنے لگ جاتیں۔ شاید ان کی ممتا کی پکار تھی کہ ایک دن ابا میرے زیور بنوانے شہر گئے ہوئے تھے کہ اچانک وہ چلا آیا۔

اماں کا وہ راجہ بیٹا' ایک دم چوڑا پھن' لش لش کرتی کھال اور نگینوں کی طرح چمکتی آنکھیں۔ اس نے آتے ہی اماں کے قدموں میں اپنا سر ڈال دیا۔ اماں جہاں کی تہاں رہ گئیں۔ خوشی نے ان کی حالت خراب کر دی اور اب وہ نہ ہنس رہی تھیں اور نہ کچھ بول رہی تھیں مگر چہرے پر ایسے بھاؤ تھے کہ جیسے اندر ہی اندر کوئی طوفان آ گیا ہو۔

میں نے بھاگ کر صحن کا دروازہ بند کر دیا کیونکہ شادی کے گھر میں لوگوں کا آنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانا لگا رہتا تھا' کوئی اسے دیکھ لیتا تو پتہ نہیں کیا ہنگامہ برپا ہو جاتا۔ پلٹی تو دیکھا کہ اماں اپنے تھرتھراتے ہاتھ اس کے جسم پر پھیر رہی تھیں۔ آنکھوں میں خوشیوں کے چراغ جلائے وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولیں۔

"میں جانتی تھی ... میں جانتی تھی کہ تو ضرور آئے گا' بھلا بہن کی شادی بھائی کے بغیر ہو سکتی ہے۔ کب سے تیری راہ تک رہی تھی راجہ' کہاں رہ گیا تھا رے بے مروت۔"

اس کے نتھنوں سے شوں شوں کی آوازیں نکلنے لگیں جیسے اتنے دنوں کی غیر حاضری پر شرمندہ ہو کر اس کی وجہ بتا رہا ہو۔ دیر تک ماں بیٹے ایک دوسرے میں گم صم رہے پھر اس نے میری طرف دیکھا اور آگے بڑھ کر میرے دونوں پیروں میں بل ڈال دیا۔

"ارے ارے' چھوڑ مجھے' گر جاؤں گی۔" بچپن کی وہ شوخ ہنسی پھر فضا میں بکھر گئی۔

اماں چھم چھم آنسو بہاتی بہن بھائی کا یہ ملن دیکھ رہی تھی۔ آج انہیں ابا کا خوف بھی نہیں تھا لیکن شاید وہ اس خوف کو نہیں بھولا تھا۔ مختصر سی ملاقات کے بعد نالی کی طرف بڑھا تو جیسے اماں کو ہوش آگیا۔

"جا رہا ہے رے ... بس اتنی جلدی۔" وہ بے تابی سے آگے بڑھیں۔ "پھر کب آئے گا' جمعہ کو تیری بہن کی شادی ہے۔" پھر ان کی آواز بھرا گئی۔ "یہ کیسا ناطہ ہے' تجھے میں نے اپنی کوکھ سے جنم دیا ہے پھر دنیا اس رشتے کو کیوں نہیں مانتی۔ کیسے کیسے ارمان تھے دل میں کہ بیٹا ہو گا تو میرا دل بڑھ جائے گا۔ سکھ دے گا' بڑھاپے کا آسرا بنے گا لیکن کچھ بھی تو نہیں ملا۔"

اس وقت اماں کے مزاج کی عجیب حالت تھی۔ کبھی روتیں کبھی ہنستیں' خوشی اور دکھ کی ملی جلی کیفیت نے ان کے دماغ کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا تھا۔ پاگلوں کی طرح بولیں۔

"ارے راجہ بیٹے' تو مجھے چھاؤں نہ دے سکا' بہن کو ڈولی میں نہیں بٹھا سکتا تو کیا اسے کوئی تحفہ بھی نہیں دے گا۔ وہ سوچے گی نہیں کہ میرا بھائی کیسا ہے جس

نے کوئی رسم بھی نہیں نبھائی۔"

وہ اور نہ جانے کیا کیا کہتیں کہ دروازے پر کھٹکا ہوا' جس نے انہیں حقیقت کی دنیا میں کھینچ لیا۔ راجہ بھیا بھی جھٹ سے نالی پار کر گیا۔

امنگوں' امیدوں کی گھڑیاں پلکیں جھپکاتے ہی بیت گئیں اور جمعہ آگیا۔ ساری گلی رنگ برنگی جھنڈیوں سے سج گئی۔ کمرے میں ڈھولک کی تھاپ اور گیتوں کی لے میں گھری میں سر جھکائے بیٹھی تھی۔ صحن میں دیگیں کھنک رہی تھیں۔ ہر طرف چہل پہل اور رونق تھی۔ آخر وہ لمحہ بھی آپہنچا جب مجھے ماں باپ سے بچھڑنا تھا۔

گھر سے چلی تو یوں لگتا تھا جیسے اس دہلیز کو پار کر کے زندہ نہ بچوں گی مگر جیسے ہی اس دہلیز پر پاؤں رکھا تو محسوس ہوا کہ دل کو کسی نے تھام لیا ہے۔

دو دن کے بعد میکہ لوٹی تو لگا جیسے برسوں کے بعد ادھر آنا ہوا ہے۔ صحن میں ابھی تک رنگین جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں۔ اماں کپڑوں کا انبار لیے بیٹھی انہیں دھو رہی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی کھڑے ہو کر بانہیں پھیلا دیں۔ میرے شوہر جمال کے سر پر ہاتھ رکھ کر ڈھیروں دعائیں دیں اور بولیں۔

"اندر چلو' میں ابھی ٹھنڈی بوتلیں اور مٹھائی منگواتی ہوں۔"

جمال بولے۔ "اماں اپنا کام ختم کر لیں ہم سب یہیں بیٹھ جاتے ہیں۔"

میں نے بھی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔ "ہاں ہاں' ابھی تو ناشتہ کر کے چلے ہیں' کچھ کھانے پینے کو جی نہیں چاہ رہا ہے۔ آپ کپڑے دھو لیں ورنہ پھر دھوپ اتر جائے گی۔"

ایک لمحے کے لیے خیال آیا کہ اماں کا ہاتھ بٹا دوں پھر ہاتھوں کی مہندی اور چوڑیوں کی چمک دیکھ کر میں نے ارادہ بدل دیا۔

"اری مینا' کپڑے جلدی تھوڑا دھل جائیں گے' موری بھری ہوئی ہے پانی باہر ہی نہیں نکل رہا ہے۔" اماں نے شکایت بھرے لہجے میں کہا۔

"نالی میں کچھ پھنس گیا ہو گا' آپ بیٹھیں' میں ابھی ڈنڈا لے کر اسے کھول دیتا ہوں۔" جمال نے کہا۔

"نہیں بیٹا' یہ کام تمہارے کرنے کے نہیں' میں خود بعد میں کر لوں گی۔" وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیار سے بولیں۔

"کیوں۔ کیا آپ مجھے اپنا بیٹا ہی نہیں سمجھتیں۔" جمال نے شکوہ کیا اور خود ہی ڈنڈا ڈھونڈنے لگے۔

میں نے دوڑ کر انہیں کنڈا لگا ہو بانس پکڑا دیا جس سے ابا جنگل میں جلیبی توڑا کرتے تھے۔ بانس نالی میں گیا' جونہی جمال نے اسے باہر گھسیٹا تو میری چیخ نکل گئی۔ کنڈے میں راجہ بھیا کا خوبصورت جسم پھنسا ہوا تھا۔

"ارے یہ سانپ۔" جمال نے گھبرا کر کہا۔ پھر مجھے حوصلہ دیتے ہوئے بولے۔ "ڈرو مت یہ مرچکا ہے۔"

اماں بت بنی اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے تکے جا رہی تھیں۔

"اس کی تو ساری کھال جلی ہوئی ہے اور نالی میں چاول ہی چاول ٹھنسے ہوئے ہیں۔ اوہ سمجھ گیا' یہ سانپ خوشبو سونگھتے ہوئے نالی سے اندر آ رہا ہو گا کہ نائی نے چاولوں کی گرم کھولتی ہوئی پیچ بہا دی اور یہ وہیں جل کر مرگیا۔ خدا نے بڑی مہربانی کی ورنہ اتنا بڑا سانپ اندر گھس آتا تو جانے کس کس کی جان لے لیتا۔"

"لیکن یہ ... یہ تو..." میں نجانے کیا کہنا چاہتی تھی۔

"ارے شکر کرو۔" وہ ہنس کر بولے۔ "یہ تمہارا رشتے دار تمہیں شادی کی مبارک باد دینے آ رہا تھا مگر نائی نے راستے میں اس کی آؤ بھگت کر دی۔ سچ بتاؤ کہ یہ تمہارا کیا لگتا تھا؟" جمال مذاق کر رہے تھے لیکن میری اور اماں کی حالت عجیب تھی۔

وہ راجہ بھیا کے جسم کو الٹتے پلٹتے بولے۔ "ارے اس کا تو منہ کھلا ہوا ہے۔"

جب انہوں نے اس کے حلق میں کنڈا ڈال کر زور سے چیرا تو ایک خوبصورت اور بیحد چمک دار چھوٹا سا پتھر نیچے گرا اور سورج کی روشنی میں اس سے رنگ برنگی کرنیں پھوٹنے لگیں۔

راجہ بھیا میرے لیے ایک چھوٹا سا بیش قیمت ہیرا تحفے کے طور پر لایا تھا۔

☆☆☆

منحوس کھوپڑی

☆..... وہ ایک ماہر علم الابدان تھا۔

☆..... وہ کھوپڑی اس نے ذاتی تجسس کے حوالے سے خریدی اور اپنی لیبارٹری میں محفوظ کر لی۔

☆..... رات کے آخری پہر میں وہ کھوپڑی الماری سے غائب ہو گئی۔

☆..... اس نے تلاش کرنا چاہا مگر کھوپڑی خود اس کی تلاش میں تھی ..... کیوں؟

رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات پر مبنی پُراسرار کہانیاں جو آپ کو چین سے سونے نہ دیں گی

قیمت : 100-00 روپے

فیضان اکیڈمی

راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk